

باسمہ سبحانہ

ہمارا مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ امام حسین عؑ ان صحابہ کے حالات سے بخوبی واقف تھے جس کی وجہ سے کسی طرح بھی آپ ان پر صحابہ پر جو مدینہ منورہ میں موجود تھے اور جن کے کفر و نفاق کو خداوند عالم نے نہایت وضاحت سے سیکڑوں قرآنی آیتوں میں ظاہر کر دیا تھا اور پیغمبر خدا نے بھی اپنی بے شمار حدیثوں سے انکے ارتداد، احداث اور کفر و نفاق کی وضاحت کر دی تھی اعتماد نہیں کر سکتے تھے، ان صحابہ نے اہل بیت طاہرین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ امام مظلوم دیکھ چکے تھے خلفائے ثلاثہ کے ساتھ جو برتاؤ رہا وہ بھی آپ کے پیش نظر تھا کہ خود ہی تو ان لوگوں نے انھیں خلیفہ بنایا تا کہ اہل بیت رسول محروم رہیں اور خود ہی اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ وہ مرتے دم تک نالاں رہے۔

اب آئیے ان صحابہ کو دیکھئے جو امام مظلوم کی روانگی کوفہ کے وقت موجود تھے کہ انھوں نے کس کس طرح ان آیات واحادیث کی تصدیق کی جسکے بعد پھر اس میں کوئی شبہ ہی نہیں باقی رہتا کہ اگر امام مظلوم ان صحابہ پر اعتماد کرتے تو اس سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوتے اور وہ مطلب حاصل ہوتا جسکے لیے حضرت عؑ نے شہادت قبول کی۔

مگر قبل اسکے کہ ہم صحابہ کے حالات بیان کریں اجمالی تعداد اُن کی معلوم کر لینا چاہیئے جس سے خود بخود واضح ہو جائیگا کہ وہ نصرت امام مظلوم سے پہلو تہی کر کے کس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ علامہ ابو الفدا لکھتے ہیں:-

مسلم بن عقبہ سپہ سالار لشکر یزید نے عام حکم دیدیا کہ تین روز تک مدینہ نبی غارت کیا جائے۔ جسکی وجہ سے قتل عام ہوتا رہا اور جو کچھ مال ملتا لوٹ لیتے اور عورتوں کے ساتھ فسق و فجور کرتے۔ زہری سے روایت ہے کہ واقعہ حرہ میں سات سو معززین قریش وانصار قتل ہوئے اور دس ہزار بزرگان موالی وغیرہ سے۔ یہ واقعہ ۲۷ ذی الحجہ ۶۳ھ کا ہے اسکے بعد مسلم نے سب سے بیعت لی بایں مظلوم کہ سب یزید بن معاویہ کے غلام اور بندے ہیں۔

(تاریخ ابو الفدا جلد اول ص ۱۹۳)

اس عبارت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب ۶۳ھ میں اتنے صحابہ مہاجرین وانصار سے موجود تھے تو واقعہ کربلا کے وقت جو ۶۱ھ کا واقعہ ہے کتنے صحابہ موجود رہے ہوں گے کیونکہ دو برس میں نہ معلوم کتنے مرے ہونگے تو کیا یہ صحابہ کسی طرح بھی مومن کہے جا سکتے ہیں جن کی موجودگی میں فرزند رسول اس بیکسی و غربت سے شہید کیا گیا اور نہ کسی کو اس وقت جوش آیا نہ بعد میں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ امام مظلوم کامل ۵ مہینے مکہ میں مقیم رہے اور سب پر اتمام حجت کرتے رہے کہ یہ خلافت ناجائز ہے اور سب کے سامنے آپ نے مکہ معظمہ سے عراق کا قصد کیا تا کہ کسی پر حق مشتبہ نہ رہ جائے سبھی جان لیں کہ اس ناجائز خلافت کو توڑنے میں کوشش کرنا حج سے زیادہ ضروری ہے۔

اگرچہ امام مظلوم نے عین بروز ترویہ جس روز کہ حج شروع ہوتا ہے اس وجہ سے سفر عراق کیا کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یزید آپ کو عین خانہ کعبہ میں شہید کرنا چاہتا ہے جس سے حرمت خانہ کعبہ ضائع ہو گی مگر نبی یا امام کا ہر فعل

ہزاروں مصلحت پر مبنی ہوتا ہے لہٰذا یہ مصلحت بھی تھی کہ تمام مسلمانوں کو جو حج کے لیئے آئے ہوئے ہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور ظلم ظالم کا دفع کرنا بزرگترین واجبات سے ہے۔

مگر کہاں تھا کوئی مسلمان کہاں تھا کوئی مومن؟ حج کے لیئے آنے والوں میں ہزاروں صحابہ تھے مگر کسی کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ دین کی نصرت کرے اور حمایت دین میں سینہ سپر ہو۔

تاریخ کامل میں امام مظلوم کا وہ خطبہ ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے مقام بیضہ پر حر اور اُن کے ساتھیوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے:۔

"اے لوگو! پیغمبر نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم، حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال سمجھنے والا۔ عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے والا سنت خدا کا مخالف اور بندگان خدا سے ظلم و جبر کا برتاؤ کرنیوالا ہو اور اُسے دیکھنے کے بعد نہ قول سے اسکی مخالفت کرے نہ فعل سے تو خداوند عالم پر فرض ہوگا کہ جو اس بادشاہ کا ٹھکانا ہو (یعنی جہنم) وہی اس کا بھی ٹھکانا قرار دے۔ دیکھو یہ لوگ (یعنی بنی اُمیہ) اُنھوں نے شیطان کی اطاعت اپنے لیئے لازم کرلی ہے اور خدا کی اطاعت سے منحرف ہو چکے ہیں اُنھوں نے فساد پھیلایا حدود الٰہی معطل کر دیئے خراج سلطنت کو اپنا خاص مال قرار دے لیا حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا ہے اور میں اُن کے خلاف آواز بلند کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ مجھے پیغمبر سے قرابت کا شرف حاصل ہے۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے اور تمھارے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ تم نے میری بیعت کی ہے اور یہ کہ تم مجھے تنہا نہ چھوڑو گے اور نہ ترک نصرت کرو گے۔ پس اگر تم نے جو میری بیعت کی ہے اس میں وفاداری سے کام لیا تو فائدہ میں رہو گے۔ میں حسینؑ ہوں علیؑ کا فرزند فاطمہ بنت پیغمبر کا لال۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے میرے اہل و عیال تمھارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں اور تمھیں ہر حال میں میرا شریک رہنا ہوگا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور سابق میں جو عہد و پیمان تم نے کیئے ہیں انھیں توڑ ڈالا اور میری بیعت سے پھر گئے تو یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں۔ یہی سلوک تم میرے باپ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔ دھوکا کھانے والا وہی ہے جو تمھارے دھوکے میں آجائے۔ تم نے اپنے فائدہ پر لات ماری اپنے نصیب کو ضائع کر دیا اور جس نے عہد و پیمان کو شکستہ کیا اُس نے اپنے ہی کو نقصان پہونچایا اور عنقریب خدا تم سے بے نیاز کر دے گا۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔"

اس خطبہ کو سنکر حر نے کہا:۔

ہم آپ کو آپ کے نفس کے بارے میں خدا کو یاد دلاتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو ضرور قتل کیئے جائینگے۔

امام مظلوم نے فرمایا:۔

"کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو اور کیا تم لوگ ہمیں قتل کر کے ہلاکت سے بچ رہو گے ہم نہیں جانتے

تمہارا کیا جواب دیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو اس صحابی نے جسے اس کے ابن عم نے نصرت رسول کو جانیسے روکا تھا۔

کہ ہمیں ڈر ہے کہیں تم ارے نہ جاؤ کہا تھا سے

میں جلدی ہی جاؤں گا موت جواں مرد کے لیے کوئی عار نہیں جب وہ بھلائی کی نیت کرے اور حالت

اسلام میں جہاد کرے اور صالحین سے مواسات کرے اپنے نفس کے ساتھ اور امر قبیح وزشت کو ترک کردے۔

اگر میں زندہ رہا تو کبھی نادم نہ ہوں گا اور اگر مرگیا تو پھر کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی۔ اور تیری ذلت

کے لیئے یہی کافی ہے کہ زندہ رہے اور ناک تیری رگڑی جائے۔

طرہ تو یہ ہے کہ سات سو معززین مہاجرین وانصار اور دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جو واقعہ حرّا میں مارے گئے وہ بھی یزید کی بعیت توڑنے ہی کی وجہ سے مارے گئے تھے مگر ان کا بعیت یزید کو توڑنا نہ حمایت دین کے جذبہ کے تحت تھا نہ نصرت اسلام کی غرض سے بلکہ صرف اپنے ذاتی اغراض سے اُنھوں نے اسکی بعیت توڑی تھی جسکی وجہ سے وہ آیۂ قرآنی فما بکت علیھم السماء والارض کے مصداق ٹھہرے کہ نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین روئی اگر یہی صحابہ بہمراہی امام مظلوم جہاد کرتے تو ہر طرح سے فائدہ میں رہتے اگر شہادت پاتے تو صحابہ پر یہ الزام نہ آتا کہ اُنھوں نے اپنے بنی کے فرزند کی حمایت نہ کی اسلام کی حمایت ونصرت میں بخل کیا اگر مظفر ومنصور ہوتے تو ہر طرح اسلام کی فتح تھی

مگر خداوند عالم نے جو ان صحابہ کی مذمت میں فرمایا تھا:۔

یاایھا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم فی الارض ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدنیا الا قلیل الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

(سورہ توبہ پ۱۰ رکوع ۱۱)

اے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا ہوگیا ہے تم کو کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیئے نکلو تو زمین پر بوجھل ہو کر گرے جاتے ہو کیا بمقابلہ نعمات آخرت تم دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو حالانکہ بہ نسبت متاع آخرت متاع دنیا تو بہت کم ہے اگر تم جہاد کے لیئے نہ نکلو گے تو تم پر دردناک عذاب ہوگا اور خدا تمھارے بدلے دوسری قوم لائے گا اور تم خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔

اس آیۂ مبارکہ نے بتا دیا کہ خود عہد رسولؐ میں صحابہ کی کیا حالت تھی کہ جب اُن سے پیغمبرؐ فرماتے تھے جہاد کے لیئے نکلو تو وہ زمین پر بوجھل ہو کر گر پڑتے تھے پھر بھلا یہ لوگ فرزند رسولؐ کی کیا مدد کرتے۔

یہی سبب تھا کہ امام مظلوم پانچ مہینہ تک حرم خانہ خدا میں اس خلافت باطلہ سے اپنی مخالفت کا اعلان فرماتے رہے مگر ان ایماندار صحابہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں نکلا جو نصرت دین الٰہی کے لیئے نکلتا اور کسی کو اسکی غیرت نہ آئی کہ فرزند رسولؐ ناحق قتل ہوگا اسکی حمایت کرنی چاہیئے۔

پھر خداوند عالم سورہ احزاب میں فرماتا ہے۔

ولودخلت علیھم من اقطارھا ثم سئلوا الفتنۃ لاٰتوھا وما تلبثوا بھا الّا یسیرا ولقد کانوا عاھدوا اللّٰہ من قبل لا یولون الادبار وکان عھد اللّٰہ مسئولا قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل اذا لا تمتعون الا قلیلا

اگر فوجیں ان پر اطراف مدینہ سے چڑھ دوڑیں پھر اُن سے خانہ جنگی چاہی جائے تو فوراً لپک پڑیں گے اور اسکے بعد بہت ہی کم توقف کرینگے حالانکہ پہلے خدا سے اقرار کر چکے ہیں کہ پیٹھ نہ پھیرینگے اور خدا سے جو عہد کیا ہے اس کا ضرور سوال ہو گا۔ اے محمد ان سے کہہ دو کہ اگر تم مرنے مارنے سے فرار کرتے ہو تے ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا اور فائدہ اٹھاؤ گے بھی تو بہت کم۔

ان آیات پر غور کیجئے اور اسکے بعد صحابہ کے حالات کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ صحابہ کیسے مومن تھے کیونکہ جب خود رسول اللہ یا فرزند رسول اُن کو جہاد کے لیئے بلاتا تو اثاقلتم الی الارض کا مصداق بن جاتے کہ کسی طرح اُٹھتے ہی نہیں بوجھل ہو کر زمین پر گرے پڑتے اور جب فتنہ و فساد اور باہمی خانہ جنگی ہوتی تو بمصداق ارشاد الٰہی لاتوھا ولا تلبثوا بھا الا یسیرا دوڑے چلے جاتے اور ذرا بھی توقف نہیں کرتے کیونکہ فرزند رسول کی نصرت کے لیئے تو ایک صحابی نہ نکلا اور وہی لبعد برس بعد خود یزید کی مخالفت میں اس طرح نکلے کہ سات سو اکابر مہاجرین و انصار مارے گئے اور دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جو مہاجر و انصار نہ تھے وہ مقتول ہوئے کیا اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ مسلمان تھے یا مومن حاشا وکلا یہ تو یعذبھم عذابا الیما کے مصداق تھے جن پر خدا نے اپنا درد ناک عذاب نازل کیا اور سب واقعہ حرّا میں مارے گئے۔ خود رسول خدا اسکی خبر دے چکے تھے۔

اُمت تو ایں فرزند دلبند ترا خواہند کشت عوض آں ہفتاد ہزار کس خواہم کشت۔ (وسیلۃ النجات)

خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ تمھاری اُمت تمھارے اس پیارے فرزند کو قتل کر ڈالے گی اور میں تمھارے فرزند کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کروں گا۔

ان ستر ہزار میں سے دس ہزار سات سو کا پتہ تو مل گیا جو صرف صحابی تھے اور خون ناحق امام حسینؑ کے بدلے میں مارے گئے (کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے:۔

ذکروا انہ قتل یوم الحرہ من اصحاب النبیؐ ثمانون رجلا ولم یبق بدری بعد ذالک الیوم

یعنی واقعہ حرّہ میں اسّی صحابی ایسے مارے گئے جو غزوہ بدر میں پیغمبر کے ساتھ شریک رہ چکے تھے ان کے بعد پھر کوئی بدری نہ رہا۔

یہ اصحاب بدر وہ ہیں جن کی تعریف میں اہلسنت نے مدح و ستائش کے پل باندھے یہ حدیث ان کے بارے میں شدو مد سے بیان کی جاتی ہے کہ خداوند عالم نے اہل بدر پر نظر کرکے فرمایا اعملوا ماشئتم اب جو چاہو کرو خدا نے تم کو ہمیشہ

کے لئے بخش دیا مگر حقیقت سب کی یہی تھی کہ اد ضیتم بالحیوٰۃ الدنیا کہ کیا تم زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے!

ایک معمولی عقل کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ بدری صحابہ، یہ مہاجرین و انصار امام مظلوم کے ساتھ معرکہ کربلا میں شریک رہتے تو اوّلاً جنگ ہی نہ ہوتی کیونکہ تمام مسلمان کے ذہن میں صحابہ کی عظمت راسخ تھی اگر وہ لوگ حضرتؑ کے ساتھ ہوتے تو پھر کسی کو آپ سے جنگ کی جرأت نہ ہوتی اور اگر جنگ ہوتی بھی تو حضرت مظفر و منصور ہوتے کیونکہ ۷۲ رفقاء آپ کے ساتھ تھے ۸۰ بدری صحابہ ہوتے، معززین مہاجر و انصار دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جن کے شمول سے فتح یقینی تھی اگر اس پر بھی فتح نہ ہوتی تو کم سے کم ان مصائب کا تو یقیناً سامنا نہ ہوتا جن کا اعوان و انصار کی کمی کے سبب کرنا پڑا۔

دیکھئے امام مظلوم نے لشکر حر کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی کہ ان لوگوں نے خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں شیطان کی اطاعت قبول کی حدود خدا کو معطل کیا مال غنیمت کو اپنا مال قرار دیا حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا اسکی کیسی تصدیق ہوئی کہ خود مدینۂ رسولؐ میں صحابہ و تابعین سے جو بیعت یزید کی لی گئی تو اس طرح کہ:۔

"وہ سب یزید کے غلام اور بندے ہیں انھیں بیچ دے یا جو چاہے کرے"

یہ ہے نتیجہ ترک نصرت امام حسینؑ کا بروایت ابن قتیبہ سترہ سو صحابی مہاجرین و انصار سے اور دس ہزار صحابہ غیر مہاجرین و انصار سے اس واقعہ میں مارے گئے اور جو بچے وہ اس ذلیل زندگی میں رہے کہ یزید کے غلام بنے۔

یہ وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس کو حضرت سیّد الشہداء نے عین معرکۂ کربلا میں فرمایا تھا۔

لا واللّٰہ ولا اعطیھم بیدی عطاء الذلیل ولا اقرا قرار العبید۔

قسم بخدا ہم ذلیل ہو کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینگے۔ نہ غلاموں جیسا اقرار کرینگے (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۲۶)

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت کس طرح کی آزادی و حریّت کی تعلیم دے رہے ہیں اور اسکی پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ جو زندگی کی تمنا میں خلافت یزید کو مانے گا وہ غلام بن کر رہے گا۔

نہیں نہیں اس امر کا یقین صحابہ کو بھی تھا چنانچہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے قصد مکہ فرمایا ہے تو عبداللہ بن مطیع صحابی حاضر خدمت ہوئے اور کہا ہم آپ پر فدا ہوں کہاں کا قصد ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا ابھی تو مکہ کا عزم ہے پھر وہاں استخارہ کرینگے جہاں کا حکم ہوگا۔

عبداللہ بن مطیع۔ خدا امر خیر کو آپ کے لئے اختیار کرے اور ہم کو آپ پر فدا کرے جب مکہ پہونچیں تو ہرگز کوفہ کا قصد نہ فرمائیے کہ وہ شہر شوم ہے جس میں آپ کے باپ شہید ہوئے اور بھائی آپ کے بے یار و مددگار چھوڑ دیے گئے اور ایسا زخم لگا جس سے جان کا خوف تھا۔ حرم میں قیام فرمائیے کہ آپ سیّد عرب ہیں اہل حجاز آپ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دینگے اور وہیں سے لوگوں کو دعوت دیجئے ہرگز حرم خانہ کعبہ کو نہ چھوڑئے کہ اگر آپ ہلاک ہوئے تو ہم سب آپ کے بعد غلام بنا لئے جائینگے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۸)

ہمارا مطلب صرف اس آخری فقرہ سے ہے کہ عبداللہ بن مطیع کہہ رہے ہیں اگر آپ ہلاک ہوئے تو ہم سب

غلام بنا دیئے جائینگے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسکا یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو گا۔ مگر صحابۂ رسولؐ نے اس میں ذرہ برابر کوشش نہ کی کہ اس بلا کو اسلام سے دفع کریں اور اہل اسلام کو غلامی یزید سے آزاد کریں۔

عبداللہ بن مطیع صحابی

یہ عبداللہ بن مطیع خلیفۂ دوم کے خاندان عدی سے تھے استیعاب میں ہے کہ مطیع کا نام عاص بن اسود تھا حضرت نے اُنکا نام مطیع رکھا اور عمر بن الخطاب سے کہا کہ تمہارا ابن العم عاصی نہیں ہے بلکہ مطیع ہے اُسی وقت سے آپ کا نام مطیع قرار پایا۔ (جلد اول ط۲۹۶)

انھیں کے بیٹے عبداللہ بن مطیع ہیں جو امام حسینؑ سے یہ عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ شہید ہوئے تو ہم لوگ غلام بنا لیئے جائینگے۔ مگر اُسی خاندانی عداوت نے جو بنی عدی کو خاندان رسالت سے تھی اُنکو اس کی اجازت نہ دی کہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ شریک معرکۂ کربلا ہوتے۔

عبداللہ بن مطیع جو خلیفہ دوم کے ابن العم ہیں کوئی معمولی شخص نہ تھے کیونکہ خلافت ملنے نے خاندان خلیفۂ دوم کو خاص طور پر معزز کر دیا تھا اگر یہ شریک جناب امام حسینؑ ہوتے تو آپ یقین کر سکتے ہیں کہ محض انکی شرکت سے حضرت کے لشکر کی وہ عظمت بڑھ جاتی کہ پھر کسی کو یارائے مقابلہ نہ ہوتا کیونکہ یزید اور اس کا باپ معاویہ تو آوردگان خلیفۂ دوم سے تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ آقا و ولی نعمت کے خاندان سے برسر پیکار ہوتا ہے۔

مگر ہم اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو خود عبداللہ کی حالت استیعاب میں مذکور ہے۔

عبداللہ بن مطیع وہی شخص ہے جس کو اہل مدینہ نے واقعہ حرا میں بعد اخراج بنی امیہ اپنا امیر مقرر کیا۔

واقدی کہتا ہے کہ وہ صرف قریش کے امیر تھے۔ زبیر کہتا ہے کہ عبداللہ بن مطیع اجلۂ قریش سے تھے از راہ شجاعت و جلادت۔ ابن الزبیر کے ساتھ قتل ہوئے۔ واقعہ حرّہ میں مدینہ سے بھاگ کر مکہ گئے۔ جب حجاج نے ابن الزبیر کا محاصرہ کیا تو یہ لڑنے کے لیئے نکلے اور کہتے تھے ؎

انا الذی فررت یوم الحرہ — والحر لا یفر الا مرہ

میں وہ شخص ہوں جو بروز حرہ بھاگ آیا — اور مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے

کیا خوب ہے کرہ بعد فرار۔ اب ہم کرہ کو بلا دیتے ہیں فرار سے۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص ایسا با اقتدار تھا کہ اہل مدینہ نے اسکو اپنا امیر مقرر کیا یا بقول واقدی سارے قریش کا امیر تھا۔ پس اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ رہتا تو آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ حضرت کے لشکر کو کتنی قوت ملتی۔

طرّہ تو یہ ہے کہ جس طرح جناب امام حسینؑ نے خلافت یزید کو ناحق ظاہر کرنے کے لیئے جنگ کی اُسی طرح عبداللہ بن مطیع بھی امیر اہل مدینہ بنکر آمادۂ جنگ ہوا مگر یہ نہ ہو سکا کہ فرزند رسولؐ کی حمایت کرتا جس سے رسول اللہ کے سامنے بروز قیامت سرخرو ہوتا اور انصار دین میں اسکا نام لیا جاتا۔

جس کا نتیجہ خدا نے یہ دیا کہ اہل مدینہ کا امیر بنایا گیا۔ مگر بہت جلد اُسنے اپنے خاندانی اثر فرار کو دکھا دیا کہ جم کر نہ لڑ سکا بلکہ بھاگ گیا۔ مدینہ سے مکہ گیا۔ آخر اس ذلت و خواری سے مارا گیا۔

تعجب ہے کہ یہ شخص رجز میں اپنے فرار پر فخر کرتا ہے :-

انا الذی فررت یوم الحرۃ — والحر لا یفر الا مرۃ

کہ میں وہ شخص ہوں جو روز حرہ سے بھاگ گیا — اور مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے

جس سے ممکن ہے کہ وہ اپنے اس خاندانی کرامات کو ظاہر کرتا ہو کہ ہم میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا خاندان ہمیشہ سے اسی میں ممتاز رہا۔ کہ وقت جنگ فرار کرتا۔ مگر نہ معلوم یہ جملہ کس طرح کہا والحر لا یفر الا مرۃ کہ مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے۔

بہر حال ہماری غرض یہاں صرف اسی قدر ہے کہ ان صحابہ کو یقین تھا کہ اگر جناب امام حسینؑ شہید ہوئے تو پھر تمام اہل اسلام لونڈی غلام یزید کے بن جائینگے۔ مگر نہ پاس اسلام تھا نہ خاندان رسالت کا احترام جو آپ کا ساتھ دیتے اور دین اسلام کی حفاظت کرتے۔

عبد اللہ ابن مطیع نے جو حضرتؑ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ حرم خانہ کعبہ کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف نہ جائیے گا۔ اسمیں ایک طرح کی بے ادبی بھی ہے جو اپنی رائے کو امامؑ کی رائے پر ترجیح دیر رہا ہے۔ اس لیئے خدا نے اسی دنیا میں اُس کا مزہ چکھا دیا کہ دیکھ تونے جو دیدہ و دانستہ نصرت فرزند رسولؐ کو ترک کیا تو اُسکا کیا مزہ دنیا میں مل رہا ہے کہ بطمع زندگانی دنیا فرزند رسولؐ کے ساتھ نہیں جاتا مدینہ میں تو امیر یا خلیفہ بن رہا ہے۔ مگر ترک نصرت فرزند رسولؐ کا عذاب تجھ پر نازل ہو رہا ہے کہ امارت مدینہ چھوڑ کر نصرت ابن الزبیر کو جا رہا ہے۔ جس خانۂ خدا کو تو جائے امن سمجھ رہا ہے وہیں تو اس ذلت و خواری سے ابن الزبیر کے ساتھ مارا جاتا ہے۔

کاش یہ لوگ سمجھتے کہ احکام خدا و رسولؐ کی عزت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے۔ جب اُسکو کوئی مانے جن گوں نے حکم خدا و رسولؐ کو ٹھکرا کر اپنی رائے سے خلیفہ مقرر کیا اُن کو قرآن جلانے۔ خانہ کعبہ گرانے یا قتل کرنے میں کیا عذر ہے۔

یہی تو باعث ہے کہ جناب امام حسینؑ نے تمام جہان کے مشورہ کے خلاف وہ کام کیا۔ جس سے آج تک اسلام قائم ہے کیونکہ اگر امام حسینؑ خانہ کعبہ میں رہتے تو اسی طرح شہید کیئے جاتے جس طرح ابن الزبیر مارا گیا۔ مگر آپ کی شہادت مردانہ اور باغیرت تھی۔ بخلاف ابن الزبیر کے جو اس ذلت سے مارا گیا کہ بعد قتل دار پر چڑھایا گیا جس کے ساتھ ایک مردہ کتا بھی دار پر چڑھایا گیا تھا۔

جناب امام حسینؑ نے ہر کام میں اُسی سنت رسولؐ کو زندہ کیا جو آں حضرتؐ کے بعد مردہ کر دی گئی تھی یعنی نص۔ جسکو خلفائے ثلاثہ نے بزور اجماع مار ڈالا تھا کیونکہ مدار امور اسلام اگر نص پر رہتا جیسا کہ حکم خدا و رسولؐ تھا تو پھر دنیا میں کوئی فساد نہ ہوتا۔ مگر خلفاء کی خود غرضیوں نے ایسا آنکھوں پر پردہ ڈالا کہ نہ اُنکو وفات رسولؐ کا صدمہ محسوس ہوا۔ نہ جنازۂ رسولؐ بے گور و کفن نظر آیا سب سقیفہ میں دوڑ پڑے اور شریعت رسولؐ درہم برہم کر دی گئی نص کے مقابلہ میں پنچایتی نے رواج پایا۔

اُسی اصول پر جناب امام حسینؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ حرم خدا میں رہکر بازار قتال گرم کیجیے مگر جو فرزند رسول ہو جو نائب رسولؐ ہو جو خلیفہ جائز رسول ہو وہ کیونکر اس امر کو گوارا کرسکتا ہے جس سے کسی قسم کی توہین خانۂ خدا پر آسکے۔

یہی وجہ ہے کہ جو صحابہ محض دنیادار تھے وہ یہی رائے دیتے کہ آپ حرم خانہ کعبہ کو جائے امن قرار دیکر اپنے مخالفین سے لڑیں مگر حضرت اس نص صریح کے ہوتے کیونکر قبول کرسکتے کیونکہ خدا فرماتا ہے۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ۔ (انعام)

اگر تو اطاعت کیگا اکثر اُن لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو تمکو گمراہ کردینگے سبیل خدا سے یہ لوگ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور نہیں ہیں وہ لوگ مگر اٹکل پچو خیال دوڑانے والے پھر فرماتا ہے

وان کثیرا لیضلون باھوائھم بغیر علم ان ربک ھو اعلم بالمعتدین۔

یعنی بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بغیر علم کے خدا خوب جانتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ پھر فرماتا ہے:۔

لو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السموات والارض ومن فیھن بل اتینٰھم بذکرھم فھم عن ذکرھم معرضون ۔ (مومنون)

اور اگر حق اُن کی خواہشوں کی پیروی کرے تو آسمان و زمین اور جو ان میں ہیں سب فاسد ہوجائیں بلکہ ہمنے اُنکے پاس ذکر (کتاب) کو پہونچا دیا۔ پس وہ اس ذکر (کتاب نصیحت) سے منھ پھیر رہے ہیں۔

پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اپنے اُس علم ذاتی کو جو بنص رسولؐ آپکو حاصل تھا محض ان چند جاہلوں کے سمجھانے اور منع کرنے پر بدل دیتے۔

عبداللہ بن مطیع کی یہ فہمائش صرف مدینہ ہی میں نہ تھی۔ یہاں سے حضرت جانب خانہ کعبہ تشریف لے جارہے ہیں بلکہ جب آپ قریب کربلائے معلےٰ پہونچے ہیں تو وہاں بھی اس نے یہی فہمائش کی ہے چنانچہ تاریخ کامل میں ہے:۔

جناب امام حسینؑ کوفہ کی جانب تشریف لیجارہے تھے کہ عرب کے ایک چشمہ پر نزول اجلال فرمایا وہاں عبداللہ بن مطیع بھی تھے حضرت کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے فرزند رسول اللہ آپ کہاں تشریف لائے حضرت نے سارا حال بیان کیا تو ابن مطیع نے کہا اے فرزند رسولؐ ہم آپ کو خدا کو یاد دلاتے ہیں۔ حرمت اسلام، حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتے ہیں کیونکہ قسم بخدا اگر آپ طلب کرینگے اس چیز کو جو ہاتھ میں بنی اُمیہ کے ہے تو ضرور آپ کو قتل کرینگے اور آپکے قتل کے بعد پھر کسی کی ہیبت اُن کو نہ رہے گی۔ قسم بخدا یہ حرمت اسلام ہے یہ حرمت قریش ہے یہ حرمت عرب ہے ہرگز آپ کوفہ نہ جائیے اور بنی امیہ سے تعرض نہ فرمائیے۔ مگر حضرت نے نہ مانا اور تشریف لے گئے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ)

دیکھیے اس علم و یقین کو جو اُن کو حاصل ہے کہ جناب امام حسینؑ ضرور شہید ہوں گے اور حضرت کی شہادت کے بعد پھر

کسی طرح کا رعب و داب بنی امیہ کو نہ رہے گا مگر یہ نہیں ہوتا کہ حضرت کی نصرت کریں اور آپ کے ساتھ جان کو راہ خدا میں نثار کریں اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہو سکتی ہے۔

کوئی ان دشمنان عقل (و اسلام) سے پوچھتا کہ آخر حضرت اس وقت کر کیا سکتے تھے کیونکہ دنیا تو یزید کے ساتھ ہے مدینہ میں اسکی حکومت مکہ میں اسکی حکومت پھر جاتے تو کہاں جاتے۔ اب دو ہی صورت تھی یا تو حضرت اس کی بیعت کر لیتے جو محال تھا یا جنگ کر کے شہادت قبول فرماتے۔ اسی کو حضرتؑ نے اختیار کیا۔

شہادت کی بھی دو ہی صورت ہو سکتی تھی ایک یہ کہ وطن میں رہ کر شہید ہوتے جیسا کہ اصحاب حرا مارے گئے تو اس سے اسلام کو کوئی نفع نہ ہوتا جیسا کہ اصحاب حرا کے قتل سے کوئی نفع نہ ہوا۔ ابن الزبیر کے قتل سے کوئی فائدہ نہ ہوا حالانکہ وہ مکہ میں مارا گیا تھا۔ بلکہ اور الزام آیا کہ باغی ہوا۔ دوسری صورت یہی تھی جو حضرت نے قبول فرمائی کہ جن لوگوں نے وعدہ نصرت کیا تھا اُن کے یہاں تشریف لے جارہے ہیں اگرچہ اُنکی بیوفائی بھی معلوم تھی۔

غرض چونکہ اکثر صحابہ نے اس کے بعد یزید کی مخالفت کی اور لڑے بھی گئے لہذا جناب امام حسینؑ پر یہ الزام تو آ نہیں سکتا کہ آپنے خلیفہ کی مخالفت کی۔ یہ کیونکہ یہ خلیفہ ہی ایسا تھا کہ اس کی مخالفت اس طرح ضروری تھی۔

اگر صحابہ ایماندار ہوتے اور کچھ بھی درد اسلام رکھتے تو کیا ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اس طرح شہید ہوتے کیونکہ عبداللہ بن مطیع صحابی ہے سب حالات کو مشاہدہ کر رہا ہے۔ مگر یہ نہیں ہوتا کہ امام کی نصرت کرے۔

طرہ تو یہ ہے کہ اس واقعہ جانگزا کے دوسرے ہی سال تمامی صحابہ کی آنکھ کھلتی ہے اور اپنے کردار پر نادم ہوتے ہیں یزید کی خلافت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ مگر خود ہی کہہ چکے ہیں کہ آپ کو اگر شہید کر لیں گے تو پھر کسی سے نہ ڈرینگے مگر پھر بھی لڑنے پر تیار ہوتے ہیں اور مارے جاتے ہیں کیونکہ یہی عبداللہ بن مطیع واقعہ شہادت کربلا کے بعد ۶۳ھ میں خلیفہ بنتا ہے اور واقعہ حرا میں یزیدیوں کے مقابلہ سے بھاگ کر بطمع دنیا۔ مکہ معظمہ آتا ہے اور ابن الزبیر کی بیعت کرتا ہے۔

ابن الزبیر عبداللہ بن زید کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے اُس کی جگہ ابن مطیع کو حاکم کوفہ بنا کر روانہ کرتا ہے تو وہاں جاکر خطبہ دیتا ہے:۔

ومن درمیان توم بسیرت عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان زندگانی کنم (ص ۹۲ روضۃ الصفا)

کہ ہم تم لوگوں میں اُس طرح حکومت کریں گے جس طرح عمر و عثمان زندگانی کرتے تھے۔

دراں مجلس سائب بن مالک اشعری کہ یکے از حاضران انجمن بود گفت ایہا الامیر انچہ گفتی شنیدم وہیچکس را در سیرت عمر و عثمان سخنے نیست مگر خیر ولیکن مطلوب این ست کہ در میان ما بسیرت امیر المومنین علیؑ زندگانی کنی و اگر چنیں نہ کنی ترا امارت ما نتوانی کرد و ما رعیت تو نتوانیم بود۔

غور کیجئے کہ آخر سیرت جناب امیرؑ اور خلیفہ دوم و سوم میں کیا فرق تھا کہ سائب بن مالک نے کہا ہم کو سیرت عمر و عثمان کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ سیرت امیر المومنین حضرت علی درکار ہے۔

مگر عبداللہ بن مطیع نے اس کا اقرار نہ کیا کہ ہم اُسی سیرت پر رفتار کریں گے۔ بلکہ یہ کہا کہ مطمئن رہو ہم تمہارے خلاف مرضی کام نہ کریں گے۔ جس سے یہ تو سمجھ لیا ہو گا کہ نہ وہ مومن تھا نہ دیندار بلکہ خلیفہ دوم کا چچازاد بھائی ہے اُسی طریقہ کا شیدائی ہے وہی طریقہ ظلم و جور کو رائج کیا چاہتا ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ جناب امام حسین کا ساتھ دیتا اور حضرت پر اپنی جان قربان کرتا۔

نہیں نہیں یہ تو وہ شخص ہے جو ابن الزبیر کا نائب بنکر کوفہ میں آیا ہے اور قاتلان امام حسینؑ کا رفیق اور دمساز ہے چنانچہ اسی ابن مطیع کی کارروائیوں نے مختارؒ کو مجبور کیا کہ قبل از وقت ظہور کریں۔ کیونکہ اس نے چاہا تھا کہ مختارؒ کو گرفتار کر لیں:۔

چوں مختارؒ دانست کہ ابن مطیع میخواہد کہ اورا بجنگ آورد اہل بیعت را جمع فرمود گفت وقت آں رسید کہ ظہور کنیم و خون اہلبیت محمدؐ را از دشمنان باز خواہیم باید کہ ساختہ و آمادہ باشید (صفحہ ۹۴ روضۃ الصفاء)

مختارؒ نے جب یہ سمجھ لیا کہ ابن مطیع انھیں گرفتار کرنا چاہتا ہے اپنے ہمراہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا اب وقت آگیا ہے کہ میں ظاہر ہوں اور آل محمدؐ کے خون کا دشمنوں سے انتقام لوں اب چاہیئے کہ تم لوگ تیار ہو جاؤ۔

ابن مطیع نے اس کا السداد کیا قاتلان امام حسینؑ کو اپنا رفیق و معین بنا کر کوفہ کی حفاظت پر معین کیا۔ ایاس بن مضارب کو جو قاتلان امامؑ سے تھا کوتوال شہر مقرر کیا۔

ایک شب ابراہیم بن مالک اشتر مختارؒ کے یہاں جا رہے تھے کہ یہ ایاس سدّ راہ ہوا ہر چند ابراہیم نے سمجھایا کہ ہم سے تعرض نہ کر مگر نہ مانا۔

ابراہیم نے چیخ کر کہا اے دشمن خدا تو بھی حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں سے ہے یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں میں سے کسی کے ہاتھ سے نیزہ کھینچا اور اسکے سینہ پر وار کر دیا جو اسکی پیٹھ کے پار ہو گیا ایاس کے ہمراہی بھاگ نکلے ابراہیم ایاس کو پکڑ کر مختار کے گھر آئے اور کہا طے تو یہ تھا کہ ہم لوگ فلاں رات کو خروج کریں گے مگر ایسی صورت پیش آگئی کہ توقف کی گنجائش نہ تھی مختارؒ نے واقعہ پوچھا ابراہیم نے کیفیت واقعہ بیان کی مختارؒ نے کہا خدا مبارک کرے یہ ہماری پہلی کامیابی ہے جس کے آئینہ میں ہماری مراد جلوہ گر ہے (روضۃ الصفاء صفحہ ۹۶)

یہ پہلا روز ہے کہ مختارؒ نے شب کو ظہور کیا اُسی وقت ابن مطیع کے پاس بیس ہزار لشکر جمع ہوا۔ مگر مختارؒ کے پاس صرف تین ہزار تین سو آدمی تھے جس سے مختار نہایت خوف زدہ ہوئے۔

ابن مطیع کو جب مختارؒ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شبث بن ربعی کو چار ہزار لشکر۔ راشد بن ایاس بن مضارب کو تین ہزار لشکر۔ حجار بن ابجر کو تین ہزار غضاب بن قشعری کو تین ہزار شمر بن ذی الجوشن کو تین ہزار نہ عکرمہ بن ربعی۔ شداد بن منذر، عبدالرحمان بن سوید کو بھی تین تین ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ مختارؒ کے لیے روانہ کیا۔

مگر جب کارزار شروع ہوئی تو قبل از دو پہر لشکر ابن مطیع نے ہزیمت پائی اور مختارؒ و ابراہیم مظفر و منصور ہوئے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رؤسائے شہر نے ملکر ابن مطیع کو دارالامارت کوفہ سے باہر نکال دیا اور مختارؒ سے طالب امان ہوئے۔

ابن مطیع ایک جگہ جاکر پوشیدہ ہوا۔ مختار کو اسکی بھی خبر مل گئی ۔ مگر یہ شرافت نفسی مختار ہے کہ انھوں نے ابن مطیع سے کہلا بھیجا کہ ہم کو تمھارے قیام کا حال معلوم ہے مگر ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تم کو کوئی صدمہ پہونچے لہذا خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ ابن مطیع شب کے وقت وہاں سے بھاگ گیا۔ اور سیدھا ابن الزبیر کے پاس مکہ میں پہونچا وہاں اُس نے خوب لعنت ملامت کی تو بصرہ چلا گیا جسکے بعد نہ معلوم کیونکر ابن الزبیر کے پاس آیا اور مکہ میں مارا گیا جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ (روضۃ الصفا)

اب یہاں آپ پہلے اُن تقریروں کو یاد فرمایئے جو بروقت روانگی جناب امام حسینؑ اس نے کی تھی کس طرح اپنے ماں باپ کو زبانی حضرتؑ پر فدا کرتا تھا مگر یہ نہ ہو سکا کہ حضرتؑ کی رفاقت گوارا کرتا۔ ترک رفاقت کیسی دنیا کی طمع نے پہلے تو خلیفہ بننے کی آرزو پیدا کی کہ مدینہ میں سردار قریش بنے مگر خالی خولی خلافت سے کیا پیٹ بھرتا۔ ابن الزبیر کے پاس آئے۔ حکومت کوفہ پائی۔ وہاں سے بیک بینی و دو گوش نکالے گئے تو پھر مکہ آئے۔ وہاں سے بصرہ پہونچے۔ پھر مکہ آئے اور ابن الزبیر کے ساتھ جان سے ہاتھ دھوئے۔

خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔

یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم — کہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو دل میں نہیں

کہ رہبر ہوئے امام حسینؑ کہتے۔

جعلنا فداك عمّی وخالی — ہم آپ پر فدا ہوں۔ ہمارے چچا ماموں آپ پر نثار

فواللہ لئن ھلکت لنسترقن بعدك — ہوں، اگر آپ ہلاک ہوئے تو پھر ہم غلام بنائے جائیں گے۔

مگر نصرت امامؑ کیسی؟ ابن الزبیر کی حمایت میں قاتلان امام حسینؑ کے شریک حال ہیں اور نہیں چاہتے کہ خون امامؑ کا بدلہ لیا جائے۔ بلکہ قتل مختارؒ و ابراہیمؒ بن مالک اشتر کے لئے شمر ذی الجوشن اور شبث بن ربعی وغیرہ ملاعین کو بھیج رہے ہیں تو پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان صحابہ کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان تھا یا محبت رسولؐ کہ فرزند رسولؐ کے خون کا انتقام لیا کیسا اُلٹے منتقمین کے خون کے پیاسے ہیں۔

استیعاب ابن عبد البر مکّی میں تو اسی قدر اُن کے حالات تھے جو سابقاً مذکور ہوئے مگر ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں کچھ اور توضیح کی ہے جو حسب ذیل ہے ملاحظہ ہو۔

یہ عبداللہ بن مطیع امیر قریش اہل مدینہ تھا جنگ حرّہ میں شجاعان قریش اور اہل نجدہ و جلادت سے تھا۔ جب اہل حرّہ کو ہزیمت ہوئی اور عبیداللہ بن طلحہ مارا گیا۔ تو یہ بھاگ کر ایک عورت کے گھر میں جا چھپا (اثر خانزانی تھا) کہ کسی کو نہ معلوم ہوا کہاں ہے۔ جب اہل شام نے مدینہ کو غارت کرنا شروع کیا۔ تو ایک شامی اس عورت کے گھر میں آیا اور زبردستی اُس عورت سے حرامکاری کرنا چاہا چنانچہ زمین پر اُسے گرا دیا اس وقت ابن مطیع باہر نکل آیا اور اُس عورت کی جان بچائی اور شامی کو قتل کیا۔ جب پر اُس عورت نے کہا تو کون ہے اسکے بعد ابن مطیع مکہ گیا اور عبداللہ ابن زبیر کا وزیر بنا۔ ابن الزبیر نے حاکم کوفہ مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں سے مختار نے اس کو نکال دیا۔ پھر ابن الزبیر

کے پاس آیا اور اُس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ مارا گیا۔ دونوں کا سر دمشق روانہ کیا گیا۔ (اصابہ جلد ۵ صفحہ)

یہ ہے انکے فرار کی حالت کہ نہ معلوم اس عورت کے مکان میں کہاں چھپے تھے جبکی اس عورت کو بھی خبر نہ ہوئی پھر یہ کیا رفاقت جناب امام حسین کر سکتے تھے جو ایسے بزدل نامرد تھے کہ اپنے فرار سے خلیفہ دوم کو بھی شرمندہ کر دیا کیونکہ خلیفہ دوم جو بھاگے تھے تو پہاڑ کے درہ میں چھپے تھے نہ کسی عورت کے مکان میں ایسے پوشیدہ ہوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔

ہاں ابن مطیع اپنی رجز میں کہتا ہے والحر لا یفر الا مرۃ کہ آزاد ایک دفعہ ہی بھاگتا ہے مگر یہاں آپنے دیکھ لیا کہ یہ دو مرتبہ بھاگا ایک مرتبہ مدینہ سے دوسری مرتبہ کوفہ سے۔ پھر نہ معلوم کس طرح اپنے خاندانی شخص عمر بن الخطاب پر یہ طعن کر رہا ہے والحر لا یفر الا مرۃ جس میں اسکا بھی اشارہ ہے کہ خلیفہ دوم حر نہ تھے کیونکہ صحاکہ حبشیہ کی اولاد سے تھے جو لونڈی تھی۔

بہر حال ان حالات سے آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ صحابہ کیسے ایماندار تھے کہ جانتے تھے جناب امام حسین ؑ ضرور شہید ہونگے اور حضرت کی شہادت سے عزت اسلام۔ عزت قریش۔ عزت عرب خاک میں مل جائے گی مگر بطمع حیات دنیا حضرت کا ساتھ نہ دیا اور آخر اس ذلت و خواری سے مارے گئے کہ کوئی نام لینے والا بھی ان کا دنیا میں نہ رہا۔

بخلاف جناب سید الشہداء روحی لہ الفدا کہ وہ کام کیا جس سے آج تک اسلام زندہ ہے اور مخالف موافق سب کہتے ہیں یہ اسلام آپ ہی کی بدولت باقی ہے۔

جو خیال ابن مطیع نے ظاہر کیا تھا کہ اگر امام حسین ؑ شہید ہوئے تو ہم سب غلام بنائے جائیں گے۔

اسی خیال کو زید بن ارقم صحابی بھی ظاہر کر رہے ہیں چنانچہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

جب سر مبارک امام حسین ؑ اور آپ کے اصحاب کا ابن زیاد کے پاس آیا اور اُس نے لب و دندان کو چھڑی سے چھیڑنا شروع کیا تو زید بن ارقم نے کہا اپنی چھڑی اٹھالے کہ ہم نے خود دیکھا ہے رسول اللہ اس لب و دندان پر اپنا منہ رکھتے تھے۔ بوسے لیتے تھے اور اسکے بعد رونے لگے تو ابن زیاد نے کہا خدا تم کو رولائے اگر تم شیخ نہ ہوتے تو ابھی قتل کیے جاتے اسکے بعد زید بن ارقم وہاں سے باہر چلے گئے اور کہتے تھے اے عرب تم آج سے غلام ہوئے کہ امام حسین ؑ کو تو قتل کیا اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنایا جو نیکوں کو قتل کرے گا اور شریروں کو غلام بنائے گا

(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)

جس سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ یہ جانتے تھے کہ امام حسین ؑ ہی کی بدولت عزت اسلام قائم ہے ورنہ اگر حضرت ؑ شہید ہوئے تو اسلام کی عزت مٹ جائے گی۔ یہ سب لونڈی غلام بن جائیں گے۔ مگر کسی صحابی کو اتنا بھی اسلام کا درد نہ تھا کہ اگر بہ حمایت فرزند رسول نہ نکلتے تو کاش اسلام ہی کی حمایت کرتے اور اس روز بد سے اسلام کو بچاتے کہ حضرت کے بعد اسلام ذلیل ہوگا اور مسلمان لونڈی غلام بن جائیں گے۔

زید بن ارقم صحابی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں صحابی رسول ہیں اور بڑے پایہ کے صحابی ہیں مولوی عبد الشکور

صاحب اڈیٹر النجم نے اسد الغابہ کا ترجمہ کیا ہے جس میں انکا حال حسب ذیل مرقوم ہے :-
زید بن ارقم سے چند وجہوں سے مروی ہے کہ یہ رسول اللہ کے ہمراہ سترہ غزووں میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں کم سن سمجھے گئے۔ زید بن ارقم سے روایت کرکے خبر دی کہ میں اپنے چچا کے ہمراہ تھا عبداللہ بن ابی سلول کو کہتے سنا کہ وہ اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا کہ اے لوگو! یہ جو رسول خدا کے پاس ہیں اُن پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ شکستہ ہو جائیں اور اگر ہم لوگ مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ضرور بالضرور سائیں سے عزت دار۔ ذلیل کو نکال دیگا پس میں نے اسکو اپنے چچا سے بیان کیا انھوں نے رسول خدا سے اس کا ذکر کر دیا آپ نے مجھے بلایا میں نے آپ سے بھی بیان کر دیا آپ نے عبداللہ اور اُسکے ہمراہیوں کی طرف بھیجا وہ لوگ قسم کھا گئے کہ اُنھوں نے نہیں کہا پس رسول خدا نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ان لوگوں کی تصدیق کی اس سے مجھ کو اتنا صدمہ ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا پس میں گھر میں بیٹھ رہا مجھ سے میرے چچا نے کہا تم نے کیا ارادہ کیا تھا کہ تم کو رسول خدا نے جھٹلایا اور تم سے ناخوش ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اذا جاءک المنافقون نازل فرمایا آپ نے میری طرف آدمی بلانے کو بھیجا اور مجھ کو پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ خدا نے تمھاری تصدیق کی۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ سب سے پہلے مقام پر سبیع کے موقع پر شریک ہوئے۔ کوفہ میں رہتے تھے اور مقام کندہ میں اُن کا گھر تھا اور یہیں ۶۸ھ میں انتقال ہوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صـ۳۲)

ہم نہیں سمجھتے کہ ہوا خواہانِ صحابہ یہاں کیا عذر کر سکتے ہیں کہ زید بن ارقم نے جناب امام حسینؑ کی کسی قسم سے مدد نہ کی حالانکہ کوفہ ہی میں اُن کا قیام تھا مگر نصرت امام حسینؑ کو نہ نکلے اور نہ کسی طرح خدمت کی۔

اللہ اللہ ایسے صحابی جو قبیلۂ انصار سے تھے اور پیغمبرؐ کے مدینہ آنے کے بعد ہی حاضر خدمت رہے اور کل غزوات رسولؐ میں شریک رہے بہ استثناء دو غزوہ کہ بسبب کمسنی اس میں قابل جنگ نہ مانے گئے۔ اہل سنت اُن کی طرف سے کیا عذر کر سکتے ہیں۔

مولوی عبدالشکور صاحب نے انکی برات کے لئے تو لکھ دیا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد اُنھوں نے انتقال کیا مگر اس سے وہ الزام سے کیونکر بری ہو سکتے ہیں کیونکہ آپ تاریخ خمیس سے دیکھ آئے ہیں کہ جب حضرت امام حسین کا سر ابن زیاد کے دربار میں آیا ہے تو زید وہاں موجود تھے جس سے معلوم ہوا کہ نہ وہ علیل تھے نہ کسی قسم سے مجبور پھر بجز قلت ایمان اور کیا ثابت ہوا جو وہ معرکۂ کربلا میں نہ شریک ہوئے حالانکہ اُنکو یقینی طور پر معلوم تھا رسول اللہ سے ہزاروں مرتبہ سن چکے تھے کہ بعد شہادت امام حسینؑ اہل اسلام یزید کے غلام بن جائینگے پھر یہ کیسے عاشق رسولؐ اور ہمدرد اسلام تھے کہ اگر رسول اللہ کی محبت کا بھی نہ خیال تھا تو اسلامی ہمدردی بھی نہ تھی کہ اسلام کی امداد کو اُٹھتے اور اسلام کو اس مصیبت سے بچاتے۔

بہرحال ترجمہ اسد الغابہ میں جو قول لکھا گیا ہے کہ واقعۂ کربلا کے تھوڑے ہی دنوں بعد زید کی وفات ہوئی۔

اگرچہ واقع الزام نہیں ہے مگر یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ استیعاب اور اسد الغابہ میں سنہ وفات ۶۸ھ لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ۸ برس واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہے مگر نہ خود امام کی نصرت کی نہ آپ کے خون کا انتقام لیا۔

جس ۷۰ھ میں زید بن ارقم نے وفات پائی اُسی سنہ میں خلیفہ دوم کے بیٹے عاصم بھی مرے میں مگر نصرت امام حسینؑ کو انھوں نے بھی ترک کیا تاریخ خمیس میں ہے:۔

وفیھا مات عاصم بن الخطاب العدوی ولد فی حیات النبیؐ وھو جد الخلیفۃ العادل عمر عبد العزیز کلامہ۔

کہ اسی سنہ میں عاصم بن عمر بن الخطاب کی وفات ہوئی جو عہد رسول میں پیدا ہوئے تھے یہ عمر بن عبد العزیز کے نانا ہیں۔ یہ تو خلیفہ دوم کے فرزند تھے ان سے بہت امید ہو سکتی تھی کہ امامؑ کی مدد کریں۔

انس بن مالک ان کی حالت تو اور بھی سب سے عجیب و غریب ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے:۔

محمد بن انس روایت کرتے ہیں انس سے کہ جب امام حسینؑ کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو ایک طشت میں رکھا گیا اور وہ ملعون چھڑی سے چھیڑتا تھا تو ابن زیاد نے کچھ حضرت کے حُسن کے بارے میں کہا تو انس نے کہا کہ حضرت امام حسین سب سے زیادہ مشابہ تھے رسول اللہ سے اور آپ کی ریش مبارک وسمہ سے خضاب کی ہوئی تھی (صفحہ ۱۸۵)

اس روایت کو دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ انس بن مالک مسلمان تھا صحابی رسول اللہ صلعم تھا اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔ کیونکہ معمولی انسان بھی اسکو گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص مردے جانور کے ساتھ ایسی حرکت کرے کہ اُس کے لب و دندان پر بعد مردن چھڑی لگائے۔

ہمکو یہاں ابن زیاد ملعون سے کوئی بحث نہیں کیونکہ وہ تو زیاد بن سمیہ ہی کا بیٹا تھا اس سے جو کچھ نہ ہو تعجب کیا ہو مگر گفتگو تو انس بن مالک سے ہے جو صحابی رسول اللہ ہیں اور اُنکے سامنے وہ ملعون اس قسم کی بے ادبی کر رہا ہے مگر ان کی انسانیت بھی نہیں متحرک ہوتی اور کوئی اعتراض بھی نہیں کرتے کہ اے ملعون تو کیا کر رہا ہے یہ فرزند رسول اللہ ہیں۔

کیا خوب لکھا ہے علّامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں:۔

کہا سبط ابن الجوزی نے کیا رسول اللہ کا اتنا حق بھی نہ تھا انس پر کہ وہ ابن زیاد کے اس فعل کو ناپسند کرتے اور قبیح قرار دیتے اسکو جو دندان امام حسینؑ پر چھڑی لگاتا تھا۔

پس اسی سے انس بن مالک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کیسے خوشامدی اور ایماندار تھے کہ اسکے سامنے ابن زیاد ملعون یہ بے ادبی کر رہا ہے اور اُسکو اتنی بھی غیرت نہیں آتی کہ اُٹھ کے اس فعل قبیح پر انکار کریں اور اسکی برائی بتائیں۔

یہ انس بن مالک کوئی معمولی صحابی نہیں ہیں بلکہ بڑے پایہ کے صحابی ہیں اسد الغابہ، استیعاب اصابہ میں بہت کچھ انکے فضائل و مناقب لکھے ہیں خادم رسولؐ کہلاتے ہیں جب یہ نو برس کے تھے اس وقت سے خدمت رسولؐ میں

حاضر ہے۔ بڑے مالدار تھے اکیسو سات یا اکیسو تین برس تک زندہ رہے وقت وفات اکیسو بیس لڑکے لڑکیاں تھیں ۹۱ھ میں وفات پائی۔ صحیح بخاری میں دو سو ستر روایتیں اُنکی موجود ہیں (صفحہ ۵۵۹ مقدمہ فتح الباری) مگر یہ شخص ایسا ناصبی تھا کہ جناب امیرؑ اور تمامی اہلبیت طاہرین سے اس کو عداوت تھی۔

چنانچہ حدیث طیر مشہور و متواتر حدیث ہے جس میں رسول اللہؐ نے دعا کی تھی کہ خداوندا جو سب سے زیادہ تیرا محبوب ہو اسکو لا کہ ہمارے ساتھ اس کباب طائر کو کھائے۔ جناب امیرؑ آئے تو انس نے جو بیرون در تھے یہ کہکر واپس کر دیا کہ رسول اللہ مشغول ہیں ایک ساعت کے بعد پھر تشریف لائے تو پھر انس نے وہی کہا تو حضرت نے کہا اے انس کھولدے دروازہ کہ بہت زیادہ ہوا کہ تو نے اُنکو پھیرا۔ انس نے کہا ہم چاہتے تھے کہ کوئی شخص انصار سے ہوتا پس داخل ہوئے جناب امیرؑ اور کھایا حضرت کے ساتھ۔ آں حضرتؐ نے فرمایا یہ شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے۔ (کنز العمال)

روایت ریاض النضرہ میں ہے کہ حضرتؐ نے ایک لقمہ کھایا تھا کہ دعا کی جناب امیرؑ آئے اور دق الباب کیا انس نے یہ کہہ کر کہ حضرت مشغول ہیں جناب امیرؑ کو نہ آنے دیا پھر حضرت نے ایک لقمہ کھایا اور دعا کی پھر جناب امیرؑ اور انس نے وہی فقرہ کہہ کر رخصت کیا تیسری دفعہ پھر حضرت نے ایک لقمہ کھایا اور دعا کی جناب امیرؑ تشریف لائے اور انس نے وہی کہا تو جناب امیرؑ نے انس کو مارا اور آواز بلند کی جس پر حضرت نے حکم دیا اے انس دروازہ کھولدے (استقصاء ۱۹ ص)

چونکہ کتاب مستطاب عبقات الانوار کی دو جلد خاص اسی حدیث کے تواتر و شہرت میں تصنیف ہوئی لہذا زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں مگر یہ تو بالیقین معلوم ہوا کہ انس ایسے بزرگ تھے کہ صرف جناب امیرؑ سے عداوت ہی نہیں تھی بلکہ خود رسول اللہ پر حضرت کے سامنے افترا کرتے کہ حضرت تو دعا کرتے ہیں کہ احب الخلق کو لا اور جناب امیرؑ آتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ مشغول ہیں اب اس سے بڑھ کر اور کیا افترا ہو سکتا ہے وہ بھی ایک دفعہ نہیں بلکہ دو بلکہ تین مرتبہ کہ جناب امیر علیہ نے انکو مارا اور آواز بلند کی تب اُس نے اندر داخل ہونے دیا۔

روایت کنز العمال میں خود پیغمبرؐ کی زبانی اُن کی برأت ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے مگر افسوس اس سے انس کو کیا فائدہ ملا کیونکہ محبت اور چیز ہے اور خدا و رسول پر افترا اور چیز ہے رسول دعا کرتے ہیں کہ احب الخلق کو لا۔ خدا جناب امیرؑ کو بھیجتا ہے۔ انس جھوٹ بول کر پھیر دیتے ہیں کیا یہ محبت قوم کہلا سکتی ہے؟

اب اربعین علامہ جلال الدین محدث کی ملاحظہ فرمائیے کہ تواتر حدیث غدیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا السّلام علیك یا امیر المومنین السّلام علیك یا مولانا تو حضرتؑ نے موجودین صحابہ سے کہا کہ جس نے رسول اللہ سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو سنا ہو وہ گواہی دے۔ بارہ صحابی نے گواہی دی مگر انس بن مالک اور براء بن عازب نہ اُٹھے نہ گواہی دی۔

تو جناب امیرؑ نے انس اور براء بن عازب سے پوچھا کہ تم نے کیوں نہ گواہی دی حالانکہ تم دونوں نے بھی اُسی طرح سنا تھا جس طرح سب نے سنا تھا پھر فرمایا خداوندا ان دونوں نے ازراہ عناد کتمان کیا ہے تو ان دونوں کو مبتلائے مصیبت کر

براء بن عازب تو اسکے بعد اندھے ہوئے کہ اپنے گھر کی راہ لوگوں سے پوچھتے اور کہتے کیونکر راہ پا سکتا ہے وہ شخص جس پر بددعا پڑے اور انس کو عارضہ برص ہوا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب انس نے نسیان کا عذر کیا تو حضرت نے فرمایا خداوندا اگر یہ جھوٹا ہے تو اسکو برص میں مبتلا کر جسے عمامہ نہ چھپا سکے۔ اس کے بعد انس کا چہرہ ایسا مبروص ہوا کہ اُس پر برقعہ ڈالا کرتے

اس زمانہ کے مشہور مولوی عبد الشکور نے ترجمہ اسد الغابہ میں اس پر یوں پردہ ڈالا ہے:۔

"اور اپنی دونوں کہنیوں پر حلوق لگایا کرتے تھے اس سبب سے کہ اُن کہنیوں میں کچھ سپیدی تھی"

جس پر حاشیہ دیتے ہیں: حلوق ایک قسم کا اوبٹن ہوتا ہے سپیدی کا عیب چھپانے کے لیے اُس کو لگاتے ہیں" (ترجمہ اسد الغایہ جلد ۱ ص۹۵)

مگر یہ نہ لکھا کہ ان کو برص ہو گیا تھا نہ یہی لکھا کہ یہ نتیجہ بددعائے جناب امیرؑ کا تھا جبکہ حضرت کو خلافت مل چکی ہے احکام آپ کے نافذ ہو رہے ہیں اُس وقت تو اس طرح چھپا یا وہ بر حالی اُس زمانہ کے کہ حضرتؑ کے مخالفین سریر آرائے خلافت ہیں کس طرح ان لوگوں نے کتمان حق کیا ہوگا۔

اس پر طرہ سنیئے کہ یہ انس بن مالک ایسے بزرگ ہیں کہ ریشمی عمامہ اور جبہ خز دمطرف خز پہنا کرتے جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے حالانکہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں محروم رہے گا۔

انس کا عذر بھی قابل دید ہے کہ لوگوں نے پوچھا دوسروں کو تو آپ ریشمی کپڑے پہننے سے منع کرتے ہیں پھر خود کیوں پہنا کرتے ہیں تو کہا ہمارے امراء ہمکو پہنا دیا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس لباس کو ہم پر دیکھیں۔

پھر بتائیے ایسا شخص کس درجہ کا ایماندار ہوگا۔

کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری میں ہے کہ:۔

انس بن مالک کو حجاج نے سابور کا حاکم مقرر کیا تھا جو زمین فارس میں ہے دو سال وہاں رہے۔ مگر نماز کو قصر کرتے اور روزہ ماہ رمضان کا نہ رکھتے اور کہا کرتے کہ دیکھئے کب ہم یہاں سے معزول ہوتے ہیں۔

انھیں وجہوں سے تو امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے ہیں:۔

اترك قولی بجمیع اقوال الصحابة الا ثلثه منهم ابوهریرة وانس بن مالك وسمرة بن جندب كما فی كتاب علام الاخیار للكفوی۔

کہ ہم سب صحابہ کے قول کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد چھوڑ دیں گے مگر ابوہریرہ۔ انس بن مالک۔ سمرہ بن جندب کے قول کے مقابلہ میں ہم اپنا اجتہاد نہیں چھوڑ سکتے۔

اس سے زیادہ توضیح کی ضرورت ہو تو کتاب مستطاب استقصاء الافحام جلد ۲ ص۱۸۷ ملاحظہ ہو۔

اس تحریر سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص کیسا ناصبی اور دشمن جناب امیرؑ تھا کہ حدیث طیر میں وہ کارروائی کی۔ حدیث غدیر میں یہ کارروائی۔ پھر اُس نے اگر نصرت جناب امام حسینؑ ترک کی تو کونسا تعجب ہے

جب ابن زیاد ملعون کے اس ظلم شدید پر بھی اسکو اسلامی جوش نہ آیا۔
خدا نے دنیا ہی میں اس کا عذاب چکھا دیا کہ جب حجاج کی طرف سے حاکم بن کر یہ سابور میں گیا تھا اُسی حجاج نے انکی گردن پر مہر لگا دی تھی چنانچہ مولوی عبدالشکور ترجمہ اسد الغابہ میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۸۰ جلد اول
میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ اُن کے گلے میں مہر دی ہوئی تھی حجاج نے تمام صحابہ کی گردنوں پر مہر دے دی تھی۔ یہ مہر حجاج نے بغرض توہین دی تھی اس کا سبب ہم نے سہل بن ساعدی کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔

پھر جلد ۴ صفحہ ۱۸۵ میں لکھتے ہیں:-
سہل رسول خدا کی وفات کے دن پندرہ برس کے تھے اور سہل طویل العمر ہوئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے حجاج بن یوسف کے زمانہ کو پایا اور اُسکے وقت میں وفات پائی۔ حجاج نے ۷۴ھ میں سہل کو لکھا کہ تم کو امیر المومنین حضرت عثمان کی مدد کرنے سے کس چیز نے روکا تھا انھوں نے جواب دیا میں نے مدد کی تھی حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حکم دیا کہ ان کی گردن میں مہر لگا دی جائے۔ اور انس بن مالک کی گردن میں بھی مہر لگائی تھی یہاں تک کہ عبد الملک بن مروان کا حکم ان کے بارے میں حجاج کے پاس آگیا۔ اور جابر بن عبد اللہ کے بھی ہاتھ میں مہر لگا دی گئی تھی مقصد اس مہر لگانے سے یہ تھا کہ ان لوگوں کو ذلیل کرے اور تاکہ لوگ ان سے دور رہیں اور ان لوگوں سے سماعت حدیث نہ کریں۔ (ص ۱۸۵)

لیجئے انس کے ساتھ سہل بن ساعدی بھی مل گئے جنھوں نے امام حسینؑ کی نصرت نہیں کی اور اپنی جان بچائی اور فرزند رسول کو ذبح ہونے دیا جس سے خدا نے اُن کو یہ عذاب دیا کہ جب تک زندہ رہے اس طرح کے عذاب میں مبتلا رہے۔ سہل بن سعد ساعدی کی یہ روایت شیعوں میں بہت مشہور ہے کہ جس وقت اسیران کربلا داخل دمشق ہوئے تو اُن سے ملاقات ہوئی ہے اور بہت کچھ ان کے حالات پر گریہ وزاری کی ہے۔ مگر یہ نہ ہو سکا کہ کچھ مدد کرتے اور کم سے کم فوج یزیدی سے لڑتے اور جام شہادت نوش کرتے۔

اہلسنت ان صحابہ کے بارے میں یہ عذر کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں اس کی طاقت نہ تھی کہ ان اشرار سے مقابلہ کرتے مگر یہ عذر صرف اہلبیت اطہارؑ کی نصرت نہ کرنے میں چلتا ہے ورنہ اپنے ذاتی اغراض میں فوج کشی وغیرہ سب کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ۷۷ھ ہجری میں واقعۂ کربلا کے پندرہ برس بعد جب کہ زمانہ حکومت حجاج تھا۔ تو اہل بصرہ نے حجاج پر خروج کیا ہے۔
تو اس میں انس کا بیٹا مارا گیا۔ جب یہ قصہ فرو ہو گیا تو انس حجاج کی ملاقات کو تشریف لائے تاریخ کامل میں ہے۔
یعنی جب بن مالک حجاج کے دربار میں گئے تو حجاج نے کہا نہ مرحبا ہو اے پسر خبیثہ شیخ ضلالہ جو ہر فتنہ میں گھومنے والا ہے گاہے ابو تراب (جناب امیرؑ) کے ساتھ گاہے ابن الزبیر کے ساتھ۔ گاہے ابن الجارود کے ساتھ۔ قسم خدا کی ہم اس طرح تیری کھال کھینچیں گے جس طرح گوہ کی کھال پکانے کے بعد چھڑائی جاتی ہے۔ اور اس طرح تجھے باندھیں گے جس طرح درخت سلم باندھا جاتا ہے (ایک درخت ہے جب کاٹا جاتا ہے تو اُس کے

تے باندھ دیتے جاتے ہیں) اور اس طرح تیر اقلع قمع کریں گے جس طرح گوند کسی درخت کا چھیل لیا جاتا ہے۔

مگر نہ معلوم اس ملعون حجاج نے جناب امیرؑ کا نام کیوں لیا مرۃ مع ابی تراب کیونکہ انس نے تو کسی زمانہ میں بھی حضرتؑ کی نصرت نہیں کی بلکہ ہمیشہ مخالف رہا عہد رسول اللہ میں بھی اور عہد خلفائے ثلاثہ میں بھی بلکہ خود عہد جناب امیرؑ میں کہ جب حضرتؑ نے حدیث غدیر پر گواہی لی تو انس نے گواہی دی جس پر حضرتؑ نے بددعا کی ہے اور حضرتؑ کی بددعا سے وہ مبرص ہوئے پھر انھوں نے جناب امیرؑ کا کب ساتھ دیا جو حجاج اس طرح کہہ رہا ہے۔

بہرحال ہماری غرض انس بن مالک کے تذکرے سے یہ ہے کہ اگر صحابہ سے صرف یہی شخص جناب امام حسینؑ کی نصرت پر آمادہ ہوتا تو حضرت اس غربت سے شہید نہ ہوتے کیونکہ خود انس کی اتنی اولاد تھی کہ اسد الغابہ میں ہے جس کا ترجمہ مولوی عبد الشکور صاحب نے چھپوایا ہے۔

جب ان کی وفات ہوئی تو انکے لڑکے اور لڑکوں کے لڑکے ایکسو بیس ۱۲۰ تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں۔ قریب سو تھے ان کی انگوٹھی میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد اول ص۱۸۱)

یہ اپنے دانتوں کو سونے کے تاروں سے باندھتے تھے اور بڑے قادر تیرانداز تھے اپنے بیٹوں کو بھی حکم دیتے تھے کہ میرے سامنے تیراندازی کرو کبھی خود بھی اُنکے ساتھ تیراندازی کرتے تھے اور آپ کا تیر اکثر نشانہ پر لگتا تھا اسوجہ سے غالب آجاتے تھے۔

تو کیا ایسا صحابی رسولؐ اگر امام حسینؑ کا ساتھ دیتا تو ممکن تھا حضرت اس بیکسی سے شہید ہوتے کیونکہ خود حضرت کے ۷۲ اصحاب نے فوج یزیدی کو تہ وبالا کیا تھا پس اگر انس اپنے انھیں لڑکوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تو کتنی قوت بڑھ جاتی۔ مگر جس صحابی کے دل میں بت پرستی کا یہ ذائقہ پڑا ہو کہ وہ اپنی انگوٹھی میں شیر کی تصویر رکھے حالانکہ کس قدر حضرتؐ کی تاکید اسکے بارے میں ہے اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے۔

اڈیٹر النجم اس پر حاشیہ دیتے ہیں۔

”غالباً یہ واقعہ اس سے پہلے کا تھا جبکہ تصویر کی حرمت شرع میں وارد ہو“

مگر یہ ایسی تحریر ہے کہ جہاں تک مضحکہ کیا جائے کم ہے کہ آپ خود لکھتے ہیں ”انگوٹھی میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر تھی“ جس سے معلوم ہوا کہ وقت موت تک وہ انگوٹھی اُن کے ہاتھ میں تھی پھر یہ تاویل کیسی لغو ہے۔ کیا جو کام لاعلمی میں ہو یا ایک دفعہ کوئی لغزش ہو جائے اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے اور جو شخص روزہ نہ رکھے ریشمی لباس پہنے اس سے اس باتصویر انگوٹھی پر تعجب ہو سکتا ہے؟ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوتی تو ابو حنیفہ ان کی تقلید سے کیوں انکار کرتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابتدائے خلافت ثلاثہ سے یہ ایسے معزز تھے کہ تمامی خلفا ان کی عزت کرتے۔ چنانچہ سب سے پہلے خلیفہ اول نے ان کو حاکم بحرین مقرر کرنا چاہا تو عمر سے مشورہ لیا اُنھوں نے بہت تعریف کی اور مقرر کر دیا۔ ملاحظہ ہو استیعاب صفحہ ۳۷۔

اُس کے بعد سے ہر خلیفہ کے زمانہ میں اُن کا وہ عروج رہا کہ ابن زیاد کے دربار میں جب جناب امام حسینؑ کا سر اقدس آیا ہے اور اُس ملعون نے بے ادبی کی ہے تو انس چپکے دیکھتے رہے جب اس ملعون نے حضرت کے حسن و جمال میں کچھ کلام کیا تو اُنھوں نے کہا حضرت تو رسول اللہ سے بہت مشابہ تھے مگر ابن زیاد کو اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ انس پر کچھ عتاب کر سکے ملاحظہ ہو الآل والاصحاب حصہ اول۔

پھر کب ممکن تھا کہ اگر انس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو اس طرح شہید کر دیے جاتے اور انکی سعی و سفارش کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔

دیکھئے جب حجّاج نے انس کے ساتھ اس طرح سے کلام کیا تو انس نے عبد الملک کو اسکی خبر دی جس پر عبد الملک نے وہ تہدید آمیز خط حجاج کو لکھا کہ جب وہ خط حجّاج کے سامنے پڑھا جانے لگا تو اُسکے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ اور خاک اُڑتی جاتی تھی اور پیشانی سے پسینہ آرہا تھا۔ (تاریخ کامل جلد ۴)

تو کیا ممکن تھا کہ یزید پر اُن کے خط کا اثر نہ پڑتا۔ یا ابن زیاد اُنکی سفارش کو نہ سنتا یا اُنکو ہمراہ جناب امام حسینؑ دیکھ کر کوئی تلوار اُٹھاتا؟ ہرگز نہیں دیکھیے جب حجاج حسب التحریر عبد الملک اُن کے پاس معذرت کرنے آیا ہے تو انس نے ایک طولانی تقریر کی ہے جسکے آخری فقرات یہ ہیں:۔

قسم خدا کی اگر نصاریٰ باوجودیکہ وہ کافر تھے کسی ایسے شخص کو دیکھ لیتے جس نے صرف ایک دن حضرت عیسیٰ بن مریم کی خدمت کی تھی تو وہ اُس شخص کے حق کا اعتراف کرتے جبکہ تم (مسلمان ہونے کے باوجود) میرے حق کو نہیں پہچانتے حالانکہ میں نے دس برس تک رسول اللہ کی خدمت کی ہے۔ اس کے بعد بھی ہم اگر خیر دیکھیں گے تو شکر خدا بجالائیں گے ورنہ صبر کریں گے۔ اس کے بعد حجاج نے جو کچھ لیا تھا سب واپس کیا۔

مگر ہائے کون تھا جو انس سے پوچھتا کہ آپکو محض خدمت رسولؐ پر یہ ناز تھا حالانکہ خدمت تو خادموں کا کام ہی ہے۔ بخلاف جناب امیرؑ و حسنینؑ کے کہ نفس رسولؐ و خلیفۂ رسولؐ و فرزند رسولؐ ہیں اُنکی آپنے کیا قدر و منزلت کی۔

کیا وہ حضرات آپ کے اعمال و افعال پر نہ کہتے ہوں گے کہ ایسے ایسے صحابہ و خدام سے لاکھ درجہ بہتر وہ نصاریٰ ہیں جو ایک سُم خرِ حضرت عیسیٰ کی یہ عزت کرتے ہیں اور یہ صحابہ ایسے تھے کہ انکے سامنے فرزند رسولؐ بلا قصور ذبح کر دیا گیا مگر ان کو جوش نہ آیا کیا خوب لکھاہے سبط ابن الجوزی نے کہ:۔

"کیا رسول اللہ کا انس پر اتنا بھی حق نہ تھا کہ وہ ابن زیاد کے اس فعل پر جو دندان امام حسینؑ پر چھڑی لگاتا تھا اعتراض کرتے اور منع کرتے۔" ملاحظہ ہو عینی شرح صحیح بخاری صفحہ ۶۵۷ جلد ۷

افسوس کہ انس اتنے دنوں تک خدمت رسولؐ کرتے رہے مگر اُن کا دل نور ایمان سے ایسا خالی تھا کہ کبھی اس پر غور نہ کیا کہ خدا فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

یہ اس لیئے ہے کہ خدا نہیں بدلتا اس نعمت کو جو کسی قوم کو دیتا ہے۔ جب تک وہ خود نہ بدلیں اور اللہ سمیع و علیم ہے۔

اس آیت پر اگر وہ غور کرتے تو معلوم ہوتا کہ یہ نتیجہ انھیں بد اعمالیوں کا ملا ہے جو انھوں نے حرمت رسولؐ کو آلِ رسولؐ کے بارے میں ضائع کیا۔ خدا فرماتا ہے :۔

ذالك بما قدمت ايديكم وان الله ليس بظلام للعبيد

یہ سزائیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہیں جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہیں اور خدا تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اصابہ میں ہے :۔

ام سلیم مادر انس نے حضرت سے عرض کیا کہ انس کے لیئے دعا فرمایئے جس پر حضرتؐ نے فرمایا خدایا اُس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اس میں برکت عطا فرما۔ انس کہتے ہیں کہ یہ اسی دعا کی برکت ہے کہ میں نے اپنے صلبی اولاد سے ایکسو پچیس لڑکوں کو دفن کیا علاوہ پوتا پوتی کے۔ اور ہماری زمین سال میں دو مرتبہ پھل لاتی ہے۔ (اصابہ جلد اول صـ۷۱)

مگر ہائے اُنکو ان حقوق کا کچھ نہ خیال ہوا جو فرزند رسولؐ کی حمایت کرتے اور باغ رسولؐ کو اس پامالی سے بچاتے یا اسمیں کوشش کرتے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ خداوند عالم اس کا بدلہ دنیا میں بھی نہ دیتا۔

خداوند عالم فرماچکا ہے :۔ وان تتولوا يستبدل غيركم ثم لا يكونوا امثالكم (سورۃ محمد)

اے صحابہ اگر تم منہ پھیرو گے تو تمھارے بدلے دوسرے لوگوں کو لائے گا اور وہ تمھاری طرح نہ ہوں گے۔

غور کرو کس طرح خدا نے اپنے وعدہ کو پورا کیا انکے بد اعمالیوں کی بدولت کس طرح خدا نے ان صحابہ کے بدلے اُن لوگوں کو پیدا کیا جو اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور کسی طرح اُنکی تقلید یا تتبع کو جائز نہیں جانتے کیونکہ صحابہ تو بالکل دنیا پرست تھے نہ دوستدار خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

انس حضرتؐ کی دعا پر بہت خوش تھے اور اہل سنت بھی بہت خوش ہیں مگر اُنکو نہیں معلوم کہ حضرت نے یہ کیسی دعا دی تھی جس سے اور بھی اُنکی بداعمالی ظاہر ہے۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے :۔

فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ليعذبهم بها في الحيوة الدنيا وتزهق انفسهم وهم كافرون۔

کہ تم کو اُن کا مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالے کہ اس سے خدا اُن پر عذاب کرنا چاہتا ہے زندگانی دنیا میں اور یہ کہ اُنکی جان نکلنے لگے تو وہ کافر رہیں۔ (جس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا نہ تھی بلکہ بد دعا تھی)

بہر حال جو واقعہ حجاج و عبد الملک کا ہم نے یہاں انس کے بارے میں لکھا ہے اُس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں انس کی برأت ہوئی۔ کیونکہ عبد الملک نے اُن کی بہت کچھ سفارش کی تھی۔ اور حجاج کو اُن سے معذرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ مگر ان کے اعمال ایسے نہ تھے کہ وہ برأت قائم رہتی اور آخر ان کے گلے میں مہر لگا ہی

دی چنانچہ استیعاب میں ہے:
اسحاق بن زید بیان کرتا ہے میں نے انس کو دیکھا کہ اُنکے گلے میں مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ مہر حجاج نے لگائی تھی ان کو ذلیل کرنے کے لیئے (صفحہ ۲۴)

اسد الغابہ میں ہے صفحہ ۱۸۰۔ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مہر دی ہوئی تھی۔ یہ مہر حجاج بغرض توہین دی تھی جو حجاج نے تمام صحابہ کی گردنوں پر مہریں دی تھی جس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی دوسری شرارت کی بدولت ہوا۔

بہر حال ہم کو ان صحابہ کے توکسی امر پر تعجب نہیں آتا کیونکہ ان کا نصب العین ہی دنیا تھی جس کے لیے یہ بھی دنیا انکو ملتی کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتے کیونکہ انھیں صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے واقعہ عقبہ میں خود آں حضرت کو ہلاک کرنا چاہا۔ اور انھیں صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے حضرت کے جنازہ کو بے غسل و کفن چھوڑا اور سقیفہ میں جاکر اپنا کام پورا کیا۔

مگر تعجب ہے اس زمانہ کے مسلمانوں سے جن کو نہ سلطنت مل سکتی ہے نہ کسی طرح کی حکومت۔ بلکہ جو کچھ ہے کمانا کھانا اور فکر عقبیٰ کرنا۔ وہ کیوں ان صحابہ کے پیچھے پڑے ہیں اور چاہتے ہیں انکی بداعمالیوں پر پردہ ڈالیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیں۔ حالانکہ اب یہ پردہ فاش ہوچکا ہے کہ ابجد خواں بچے بھی اس سے مطلع ہیں اگر آپ کو باور نہ ہو تو لکھنؤ کا رسالہ النجم دیکھیے جو نمبر ا جلد ۹ میں لکھتا ہے۔

"جب کوئی شخص واقعۂ شہادت بیان کرے تو لازم ہے کہ جو صحابۂ کرام اس زمانہ میں موجود تھے اور اُن کو سیدنا حسین رضی کے عزم کربلا کی اطلاع ہوئی مگر وہ شریک نہ ہوسکے مثل حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابو سعید خدری و حضرت ابو واقد لیثی اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی و صحیح ہیں بیان کیئے جائیں اور ان حضرات کو جو تعلق جناب ممدوح سے تھا اور جو صدمہ اُن کو اس واقعہ سے پہونچا سب بیان کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ کوئی شہادت نامہ ایسا موجود نہیں ہے جس میں یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ میں اس مقام پر انکا نام ضرور لکھ دیتا"

پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں "حضرت ممدوح کی شہادت دفعۃً دفعتہً واقع ہوگئی جس کا تمامتر سبب یہ تھا کہ وہ شیعیان کوفہ کے فریب میں آگئے"۔

صحابۂ کرام میں جن حضرات کو آپ کا عزم سفر بجانب کوفہ معلوم ہوا انھوں نے آپ کو روکا اور بہت روکا۔ مگر ہونے والی بات کو کون روک سکتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ
اہل کوفہ نے اُن کو حضرت معاویہ کے زمانہ سے دعوت کے خطوط بھیجنے شروع کر دیئے تھے مگر وہ برابر

بلکہ تمام مسلمان تسلیم کر چکے تھے) مگر جب یزید کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اُن کو تردد پیدا ہوا کبھی ارادہ ہوتا تھا کہ مکہ یا مدینہ میں رہیں کبھی کوفہ جانیکا قصد کرتے تھے۔ صرف ابن زبیر نے اُن کو جانے کا مشورہ دیا اور حضرت ابن عباس ان سے کہتے رہے کہ تم یہ ارادہ نہ کرو اور حضرت ابن عمر نے اُن سے کہا۔ نہ جاؤ دیکھو سولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حب دنیا اور آخرت میں اختیار دیا تو انھوں نے آخرت کو ترجیح دی تم انھیں کے ایک جزو ہو۔ تمکو بھی دنیا (کی خلافت) حاصل نہ ہوگی (جسکے لئے کوفہ کا عزم رکھتے ہو) یہ کہہ کر حضرت ابن عمرؓ (کو جوش محبت نے بے چین کر دیا اور انھوں) نے حضرت حسینؓ کو لپٹا لیا اور رو دیے اور رخصت کیا۔ بعد اسکے حضرت ابن عمر برابر کہا کرتے تھے کہ حسینؓ نے ہمارا کہنا نہ مانا اور چلے گئے حالانکہ اُن کے باپ اور بھائی کے ساتھ اہل کوفہ نے جو معاملات کیے۔ لائق عبرت تھے ایسی ہی گفتگو حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابواقد لیثی نے بھی کی مگر حضرت حسینؓ نے نہ مانا اور جانے کا ارادہ پختہ کر دیا تو حضرت ابن عباس نے کہا کہ قسم اللہ کی میں گمان کرتا ہوں کہ آپ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے درمیان میں قتل کیے جائینگے جیسے حضرت عثمان قتل کیئے گئے تھے "

پھر بعد واقعہ شہادت کے بعض صحابہ نے برملا اُن ظالمین کے روبرو ہی منکر فرمایا جو انکی مغلوبیت حُبّ حسین پر روشن دلیل ہے۔ (النجم صلا نمبر ا جلد ۹)

الجواب:۔ اس عبارت سے یہ تو آپ کو یقیناً معلوم ہوا کہ ابن عمر۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ ابوسعید خدری ابو واقد لیثی، ابن عباسؓ اس وقت موجود تھے۔ مگر کسی نے نصرت نہیں کی۔ ابن عمر نے سب سے زیادہ مبالغہ کیا مانع ہوئے۔ معانقہ کر کے روئے مگر نصرت امام کے لئے نہ نکلے۔ چونکہ ان لوگوں کے حالات آئندہ مذکور ہوں گے کہ ترک نصرت امام سے یہ لوگ کس عذاب میں مبتلا ہوئے لہذا اُس سے ہم یہاں تعرض نہیں کرتے۔ مگر اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ صحابہ کا اجماع حضرت کے خلاف تھا خواہ دربارۂ مطلق خروج ہو یا دربارۂ قیام خانہ کعبہ اور ابن عمر کا قول تو پہلے بھی مذکور ہو چکا کہ وہ مطلق مخالفت یزید کے مانع تھے مگر چاہتے تھے کہ جس طرح ہم یزید کے غلام بنے ہیں اسیطرح حضرت بھی غلامی قبول فرمائیں تو اب دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ حضرت کی رائے غلطی پر ہو۔ یا صحابی کی حضرت کی رائے تو غلط ہو نہیں ہو سکتی کیونکہ واقعات مابعد نے بتا دیا کہ جن لوگوں نے حضرت کی رائے کی مخالفت کی تھی آخرانکو بھی یزید کی مخالفت کرنا پڑی۔ اور وہ لوگ بھی اسی طرح مارے گئے اگرچہ خانہ کعبہ ہی میں کیوں پناہ لی ہو لہذا رائے اصواب وہی تھی جو امام نے اختیار کی تھی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت بھی شہید ہوئے مگر دین خدا کو قائم رکھ گئے بخلاف اُن صحابہ کے کہ وہ بھی گئے اور کوئی کار دین بھی نہ کر گئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہی سب غلطی پر تھے اور یہ الزام اُن پر بدستور قائم رہا کہ فرزند رسولؐ کی کسی نے حمایت نہ کی۔ دین اسلام کے لئے کوئی سینہ سپر نہ ہوا کیونکہ جو صحابہ اسکے بعد مارے گئے وہ دین کی حمایت میں نہیں مارے گئے بلکہ دوسرے دوسرے جرائم پر جو درحقیقت عذاب خدا تھا اُن پر بوجہ ترک نصرت امام علیہ السلام۔

اڈیٹر صاحب نے جو حواشی چڑھائے ہیں وہ تو بخوبی اُنکی ناصبیت کو ظاہر کر رہے ہیں کیونکہ اگر جناب امام حسنؑ نے معاویہ کو اس صلح کے ذریعہ سے حقدار خلافت تسلیم کیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رسول اللہؐ نے بھی کفار مکہ کو حقدار تصوّر کیا جن سے حضرتؐ نے اس طرح دیگر صلح کیا تھا کہ عمر صاحب کہا کرتے اگر ہمکو ستر آدمی بھی مل جاتے تو ہم اس صلح کو توڑ دیتے۔ پس اگر محض مصالحت سے تسلیم حقیقت ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے یہ الزام رسول پر آتا ہے کہ کفّار سے حضرتؐ اکیس برس تک لڑتے رہے اُن کی حقیقت کو تسلیم کر لیا حالانکہ تمام اہل علم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ کو صلح حدیبیہ میں وہ مجبوری نہ تھی جو جناب امام حسن کو صلح معاویہ میں تھی۔

نہیں نہیں بلکہ سب سے پہلے یہ الزام خدا پر آتا ہے جو رسولؐ کو اس طرح کا حکم دے رہا ہے۔

وان جنحو اللسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انّہ ھو السمیع العلیم۔

اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اُدھر مائل ہو جاؤ اور خدا پر توکل کرو کہ وہ سمیع و علیم ہے۔

اس سے بھی بطلان اجماع اور حقیقت نفس ظاہر ہوئی کیونکہ خلیفہ دوم جو روح رواں اجماع ہیں وہ اس صلح کے بالکل مخالف ہیں مگر عمل رسولؐ بالکل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکم خدا عموم صلح یہ ہے کہ اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو تم بھی اُدھر میل کرو۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ رسولؐ خدا اس حکم کو چھوڑ کر اہل ضلالت کے اس باطل اجماع کو قبول کرتے۔

یہی سیرت جناب امام حسنؑ تھی کہ جب دیکھا معاویہ صلح پر آمادہ ہے تو حضرت نے صلح فرما لیا کیونکہ خود قرآن میں ہے الصلح خیر صلح بہتر ہے۔

پس اگر نفس صلح سے خواہ کسی حال میں ہو تسلیم حقیقت لازم ہے تو سب سے پہلے خدا پھر اُس کا رسولؐ حقیقت کفار کو تسلیم کرنے والے قرار پاتے ہیں جس پر شاید کسی طرح اڈیٹر صاحب لنخ ایمان نہ لائیں حالانکہ خود جناب امام حسنؑ کا قول بعد اس صلح کے تاریخ کامل میں موجود ہے۔

وکتب الی معاویہؓ لو اثرت ان اقاتل احدا من اھل القبلۃ لبدءت بقتالک فانی ترکتک لاصلاح الامۃ وحقن دماءھا (صفہ ۱۶۲ جلد ۳)

کہ جب معاویہ نے قتال فروہ خارجی کی حضرتؑ کو دعوت دی تو جناب امام حسنؑ نے لکھا اگر ہم قتال کو کسی اہل قبلہ کے اختیار کرتے۔ تو سب سے پہلے تجھی سے قتال شروع کرتے کیونکہ ہم نے تو تجھے اسی لئے چھوڑا ہے کہ امّت کی اصلاح ہو اور خونریزی موقوف ہو۔

اگر آپ حضرتؑ کے اس قول سے تسلیم حقیقت معاویہ سمجھتے ہیں۔ تو پھر نہ معلوم عدم تسلیم حقیقت کن لفظوں سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں :۔ " کہ معاویہ کو جناب امام حسینؑ اور تمامی مسلمان امام واجب الاطاعت تسلیم کر چکے تھے "

مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ امام و خلیفہ کیا کسی نے ان کو تو مسلمان بھی نہیں سمجھا تھا۔ جبھی تو خدا و رسولؐ کے علاوہ خود حضرت عائشہ اُن پر لعنت کرتی تھیں۔ بلکہ عمرو عاص بسر بن ارطاۃ وغیرہ صحابہ بھی جو اُن کے ذلہ خوار تھے اُن پر لعنت

کیا کرتے۔ امام شافعی تو اس قابل بھی نہیں جانتے کہ انکی شہادت قبول کریں تو کب ایسا شخص مسلمان کہا جا سکتا ہے جس کو اتنے صحابہ واجب اللعن جانیں آپ نے کیا قول جناب امام حسینؑ اظن ان طاغیتھم قد ھلک۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ میں نہیں ملاحظہ فرمایا ہے تو کیا جس شخص کو کوئی طاغیہ کہے اس کو امام بھی سمجھ سکتا ہے۔

اگر جناب امام حسینؑ معاویہ کو امام واجب الاطاعت سمجھتے تو پھر اطاعت یزید سے کس طرح مخالفت فرماتے کیونکہ امام تو ہر امر میں واجب الاطاعت ہوتا ہے اور یزید کی خلافت پر اُس نے نص کر دی تھی لہٰذا اگر امام حسینؑ معاویہ کو خلیفہ بلکہ مسلمان بھی سمجھتے تو کیونکر مخالفت کرتے۔ کیا آپ کو خلیفہ دوم کا حال نہیں معلوم کہ باوصفیکہ کل صحابہ ان کے خلافت کی ابتداء میں مخالف تھے مگر چونکہ ابوبکر نے ان کو بالنص خلیفہ کر دیا سب ساکت ہو گئے کہ ہم ابوبکر کو خلیفہ مان چکے ہیں۔ پھر ان کے خلیفہ کو ماننا بھی ضروری ہے۔ پس اگر اسیطرح کسی نے معاویہ کو خلیفہ مانا ہوتا تو یزید کی مخالفت نہ کی جاتی کیونکہ وہ تو مثل عمر خلیفہ منصوص ہوتا اور اس کی مخالفت سے صحابہ پر وہی حکم جاری ہوتا حالانکہ کوئی سنّی اس کا قائل نہیں ہے۔

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"اہل کوفہ نے انکو حضرت معاویہ کے زمانہ سے دعوت کے خطوط بھیجنے شروع کر دئے تھے۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ نے معاویہ کو خلیفہ مانا تھا نہ تمام مسلمانوں نے کیونکہ اگر مسلمانوں نے انکو خلیفہ مانا ہوتا تو جناب امام حسینؑ سے کیوں استدعا کرتے۔ پس اس سے بھی ڈیٹر صاحب النجم کا وہ بیان غلط ہوا جو اس کے مدعی ہوئے کہ حضرتؑ نے معاویہ کو خلیفہ مانا تھا۔

(۳) شیخ عبدالحق کا یہ قول کہ:۔ بعد بیعت یزید امام حسینؑ کو تردد ہوا۔ محض غلط ہے کیونکہ تردد تو وہاں ہوتا ہے جہاں انسان کو علم نہ ہو اور یہاں تو جناب امام حسینؑ کو پورا علم ہے کہ کیا ہونے والا ہے کیا ہو گا۔ پھر کیونکر آپ کو تردد ہوتا۔

افسوس عبدالحق محدث دہلوی ایسا شخص ایک ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ اگر وہ قبول کیا جائے تو معاذ اللہ امام حسینؑ کا ایمان ہی کمزور ٹھہرتا ہے کیونکہ جناب امام حسینؑ کو پیغمبرؐ کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس واقعہ کا ویسا ہی یقین تھا جیسا کہ خدا کا یا اپنے وجود کا یقین تھا کیونکہ روز ولادت رسول اللہ سے اسکی خبر دیتے رہے تھے تو کیا کوئی شخص مسلمان ہو کر خبر رسول میں شک یا تردد کر سکتا ہے؟

اگر ہم ان احادیث کو لکھیں جن میں خود آنحضرتؐ نے اس کی خبر دی ہے تو ایک جلد اس میں تیار ہو سکتی مگر ہم مولوی مبین صاحب کی وسیلۃ النجات کا حوالہ کافی سمجھتے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶ مندرجہ اصلاح نمبر ا جلد ۱۶۔

کیا آپ نے تاریخ کامل صفحہ ۱۶ جلد ۴ میں یہ قول امام حسینؑ نہیں دیکھا ہے جو فرماتے ہیں:۔

وایم اللہ لو کنت فی جحر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتیٰ یقضوا بی حاجتھم واللہ لیعتدن علیّ کما اعتدت الیھود فی السبت۔

یعنی قسم خدا کی ہم سو رومار کے سوراخ میں بھی چھپیں تو یہ ہم کو وہاں سے نکال لینگے اور اپنے مطلب کو پورا کریں گے قسم خدا کی جس طرح یہود نے روز سبت پر تعدی کی اسی طرح یہ ہم پر تعدی کریں گے۔

پھر اُسی کامل میں ہے:۔

امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے کہ قسم بخدا یہ ہم کو نہ چھوڑیں گے جب تک اس علقہ (قلب) کو ہمارے سینہ سے نہ نکالیں۔ جب ایسا کرینگے تو خدا اُن پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو لتہ حیض سے بھی زیادہ ان کو ذلیل کرے۔ (جلد ۴ صـ ۱۶)

تو کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کو تردد ہوا۔ حالانکہ خود شیخ صاحب اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھے ہیں

فلما بویع یزید اراد المسیر الیھم فمنعہ ابن عباس وابن عمر (صفحہ ۱۸ ورق)

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو کسی طرح کا تردد نہیں ہوا بلکہ بمجرد سماعت بیعت یزید آپ نے قصد سفر کیا اگرچہ حضرت ابن عباس و ابن عمر مانع رہے مگر آپ نے نہ مانا۔

آپ ابن الزبیر کے مشورہ کو لکھتے ہیں کہ اُس نے خروج کا مشورہ دیا۔ جس سے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اُسکے مشورہ پر عمل کیا ہو حالانکہ حضرت اس کے مشورہ سے بھی واقف تھے اور اُسکی بدنیتی سے بھی۔ دیکھئے اُسی کامل میں ہے:۔

ابن الزبیر نے کہا جیسے آپکے شیعہ ہیں اگر ہمارے بھی ہوتے تو ہم تو ہرگز نہ چھوڑتے اسکے بعد خوف ہوا کہ کہیں لوگ متہم نہ کریں۔ پھر کہا اگر آپ حجاز میں قیام کریں گے اور اس کام کا ارادہ کرینگے تو ہم ہر طرح مدد دیں گے کسی طرح آپکے خلاف نہ کرینگے بیعت کرینگے خیر خواہی کریں گے۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا ہمارے پدر بزرگوار نے خبر دی ہے کہ خانہ کعبہ کے لئے ایک مینڈھا ہے جسکی بدولت اسکی حرمت برباد کیجائے گی۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ مینڈھا ہم ہوں۔ ابن الزبیر نے کہا تو آپ یہاں قیام فرماکر ہم کو نائب بنا دیجیے حضرت نے فرمایا تم کچھ بھی نہیں جانتے پھر کچھ آہستہ باتیں ہونے لگیں۔ جسکے بعد امام حسینؑ نے اور لوگوں سے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے کہ آپ خانہ کعبہ میں قیام کریں ہم لوگوں کو آپکے لئے جمع کرتے ہیں قسم خدا کی اگر ہم مورچہ وغیرہ کے سوراخ میں بھی چھپ جائیں تو یہ وہاں سے نکال کر ہم کو قتل کرینگے اور مبتلائے عذاب ہونگے۔ اسکے بعد ابن الزبیر وہاں سے اُٹھکر باہر چلا گیا اور حضرت نے فرمایا ہمارے ترک قیام مکہ سے بڑھکر اسکو کوئی شئے دنیا کی محبوب نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے اگر ہم یہاں رہیں گے تو کوئی اس کو پوچھے گا بھی نہیں اسلئے چاہتا ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔

پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حضرت کو اپنے نتیجہ کا تو یہ علم یقینی ہو۔ اور مشورہ ابن الزبیر کو ایسا لغو سمجھتے ہوں کہ اسکو صیغہ راز میں بھی نہ رکھنا چاہیں۔ اس پر یہ افترا کیا جائے کہ حضرت کو تردد ہوا یا مشورہ ابن الزبیر پر عمل کیا۔ حالانکہ ابن الزبیر کا کفر اور خاندانی عداوت آپ کو اچھی طرح معلوم تھی۔

اہلسنت میں جو لوگ مثل اڈیٹر النجم ہیں اُن کے نصب و خروج سے تو زمانہ واقف ہے۔ مگر جو لوگ ویسی خارجیت نہیں رکھتے مثل شیخ عبدالحق دہلوی وہ بھی آہستہ سے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ بدن میں آگ لگ جائے۔ کہاں جناب امام حسینؑ اور آپ کو کفر یزید یا ابن الزبیر میں شک ہو یا تردد؟

اس سے بھی بطلان اجماع واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ابن الزبیر۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ ابوسعید خدری۔ ابوواقد لیثی سب کا اجماع ہے کہ آپ یہیں قیام فرمائیں مگر حضرت امام حسینؑ اس نص رسول پر عمل کر رہے ہیں کہ "خانہ کعبہ کے لیے ایک مینڈھا ہے جس سے اسکی حرمت برباد ہو گی"؟

اب اہل اسلام غور کریں فعل امام حسینؑ صحیح ہے جو اس نص کے مطابق ہے یا اجماع صحابہ جو چاہتے ہیں حدیث رسولؐ کو غلط قرار دیں؟

کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ آں حضرتؐ کی حدیث غلط تھی۔ حضرت نے جو خبر دی تھی وہ لغو تھی کہ آپ مکہ میں قیام کر کے حرمت خانہ کعبہ کو ضائع کرتے۔

ائمہ اطہار خواہ جناب امیر ہوں یا امام حسنؑ یا امام حسینؑ اُن کا نصب العین ہمیشہ یہی رہا کہ احکام خدا و رسولؐ کی تعمیل کریں خواہ اس میں جان رہے یا جائے۔ اسی مصلحت سے جناب امیرؑ نے عہد خلفائے ثلثہ میں جہاد بالسیف سے سکوت کیا کہ اس جہاد میں اسلام کی بربادی کا احتمال تھا۔ کیونکہ یہ دُنیا پرست صحابہ اپنے اغراض فاسدہ کے حصول کیلئے یقیناً اسلام کو ذبح کر دیتے۔ اسی طرح جناب امام حسنؑ نے محض اسی لیے صلح کر لیا کہ نہیں کرتے تو اسلام تباہ ہوتا ہے۔

وہی نصب العین اس وقت جناب امام حسینؑ کے پیش نظر ہے کہ اگر آپ سکوت کرتے ہیں اور جہاد بالسیف نہیں کرتے تو یقیناً اسلام تباہ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح خلفائے ثلثہ کی خلافت جزو اسلام مان لی گئی ہے اسی طرح یزید کی خلافت بھی جزو اسلام مان لیجاتی لہٰذا حضرت کے اس جہاد نے نہ صرف یزید کے ضلالت کو ظاہر کیا۔ بلکہ خلفائے ثلثہ کے ناحق ہونے کو بھی ظاہر کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی تو بہ اجماع خلیفہ ہوئے تھے اور اجماع وہی ان کے یہاں مسلم الثبوت ہوتا ہے جو مخالف حکم خدا و رسولؐ ہوتا ہے۔

(۵) بے شک حضرت ابن عباس مانع رہے اکثر روایات میں یہ مضمون ہے۔ مگر وہ نہ معصوم تھے نہ امام تھے جو اس تکلیف کو سمجھتے بلکہ اُن کی نظر ظاہر اسباب پر تھی کہ وہ جانتے تھے جو بیج خلفائے ثلاثہ بو گئے ہیں وہ ضرور بار آور ہو گا امام حسینؑ ضرور شہید ہونگے اس لیے وہ مانع رہے مگر جناب امام حسینؑ سمجھتے تھے کہ یہ شہادت حیات ابدی ہے جس سے اسلام زندہ ہو گا پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت حکم خدا و رسولؐ کی مخالفت کرتے اور محض جان بچانے کے لیے وہ کام کرتے جس سے اسلام ضائع ہو۔ کیونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اگر زندہ رہے بھی تو کیا نتیجہ ہو گا جیسا کہ معلوم ہو چکا جو صحابہ اسکے بعد زندہ رہے کس ذلت و خواری میں مبتلا ہوئے اور آئندہ بھی سب کے حالات مذکور ہوں گے۔

(۶) ابن عمر نے جو مشورہ دیا وہ البتہ قابل غور ہے۔ کیونکہ وہ طلب خلافت کو طلب دنیا قرار دیتے ہیں، "تم کو بھی دنیا کی خلافت حاصل نہ ہو گی جسکے لیے کوفہ کا عزم رکھتے ہو" جس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد اور ابوبکر و عثمان کو پورا دنیادار

جانتے تھے جنھوں نے طلب خلافت کیلئے جنازۂ رسول کو بے غسل و کفن چھوڑا۔

ہمکو تعجب ہوا ایڈیٹر انجم سے کہ کیونکر اُنھوں نے اس جملہ کو لکھ دیا جس سے اُنکے خلفائے ثلاثہ دنیادار قرار پائے۔ اے کاش وہ اس پر غور کرتے کہ اگر جائز تسلط و اقتدار حرام ہوتا تو رسول اللہ نے کفار سے کیوں جہاد کیا۔ کیونکہ انکو تو کوئی نہیں کہہ سکتا حضرت نے اس لیئے جہاد کیا کہ انکو قبول اسلام پر مجبور کریں کیونکہ لا اکراہ فی الدین قرآن میں آج تک موجود ہے۔ پھر ضرور ہے حضرت کا جہاد یا تو بطور دفاع ہو کہ مسلمانوں پر ظلم نہ کر سکیں یا اس لیئے کہ اسلام کا تسلط اور اقتدار قائم ہو جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما تعملون بصیر

اور ان لوگوں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد بند ہو جائے اور دین سب خدا ہی کا ہو اور اگر باز آجائیں تو خدا اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

پھر جب حکم خدا کی تعمیل نے رسول اللہ کو اس پر مجبور کیا تھا کہ وہ کفار سے جہاد کریں یہاں تک کہ دین خدا غالب ہو اُس سے جناب امام حسینؑ کیونکر مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

مگر ابن عمر وغیرہ ایمان ہی کب لائے تھے جو سمجھتے کہ رسول اللہ نے کیوں جہاد کیا اور جناب امیرؑ کیوں طالب خلافت تھے اور جناب امام حسینؑ نے قیام بالسیف کیوں فرمایا۔

ابن عمر نے جو کچھ دیکھا تھا اپنے باپ کو اور اُن کی ترکیبوں کو یا ابوبکر و عثمان کو کہ کس طرح وہ تحصیل دنیا کے لیئے سرگرداں تھے کیا کیا تدبیریں کر رہے تھے لہذا انھوں نے سمجھا کہ حضرت بھی جو کوفہ تشریف لے جا رہے ہیں اسی دنیائے دنی کے لیئے حالانکہ خود جناب امام حسینؑ نے اپنے سفر کے مقصد کو اپنے اس خطبہ میں واضح کر دیا تھا جو آپ نے لشکر حُر کے سامنے ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطبہ کو دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت خلافت دنیا کے طالب تھے جو ابن عمر نے یہ کہا: "تم کو بھی دنیا کی خلافت حاصل نہ ہوگی؟

کیا رسول اللہ کی تشریف آوری مکہ سے کسی دوسری غرض سے ہوئی تھی اور جناب امام حسینؑ کی دوسری غرض سے کیا اگر رسول اللہ کی اہل مدینہ مدد نہ کرتے اور آپ شہید ہو جاتے تو ابن عمر یہی کہتے؟

جناب امام حسینؑ حدیث رسول سنا رہے تھے کہ جو شخص ایسی حالت میں سکوت کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور ابن عمر صاحب کہتے ہیں کہ یہ طلب دنیا ہے۔ تو اب مسلمانوں کو اختیار ہے یا حدیث رسول کی تکذیب کریں یا ابن عمر کی غلط بیانی کا اعتراف؟

بیشک جناب امام حسین جزو رسول تھے اور اسی خلافت کے طالب تھے جو خلافت رسول تھی نہ اس خلافت کے جو خلافت ابوبکر و عمر کو ملی کہ حدود و احکام خدا معطل کئے حلال خدا حرام کیا گیا حرام خدا حلال۔ اگر امام حسینؑ اس خلافت کے طالب ہوتے تو سب سے پہلے لوگ ان کا ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو چاہتے تھے کہ شریعت رسول اللہ زندہ ہو احکام خدا

جاری ہوں پھر کیونکر وہ لوگ ساتھ دیتے جو اسکے خلاف چل رہے تھے اور چلے یہاں تک کہ اسی وجہ سے امام حسینؑ کو شہید کیا۔

ابن عمر اسقدر آرام طلب تھے کہ محض اسی آرام طلبی کے لیے انھوں نے حدیث رسول بنی الاسلام علی خمس سے جہاد کو نکال دیا مگر اس کا نتیجہ یہ ملا کہ جب تک زندہ رہے غلامی کی زندگی بسر کی جیسا کہ ان حالات میں مذکور ہوگا۔

(۷) ہم اس کو مانتے ہیں کہ روایات اہلسنت میں یہ ضرور آیا ہے کہ ابن عمر نے معانقہ کیا اور روئے مگر کیا اسی کا نام نصرت امام ہے کیا حضرت کی مصیبت پر عمر بن سعد نہیں رویا ہے یزید نہیں رویا ہے۔ تو اس طرح کے رونے سے گناہوں کی تلافی ہو جائے گی یہاں تو رونے کی ضرورت نہ تھی جان دینے کا موقع تھا کہ حضرت کی معیت میں اپنی جان کو نثار کرتے اور ایک ساتھ معرکہ کربلا میں تشریف لے جاتے مدعیان اسلام دیکھتے۔ خلیفہ دوم کے فرزند ارجمند ساتھ ہیں۔ پھر کس کو اس کی جرأت ہوتی کہ حضرت پر ہاتھ اٹھاتا۔

ابن عمر کا یہ جوش محبت اس سے کم نہ تھا جو ان کے باپ عمر صاحب رسول اللہ کے ساتھ دکھایا کرتے کہ یوں تو ہر وقت اپنے ماں باپ کو فدا کرتے مگر جب وقت مصیبت آ آٹل جاتے جیسا کہ قصۂ جنگ احد سب کو معلوم ہے۔ بہیں نہیں ابن عمر نے تو وہ جوش بھی نہ دکھایا۔ کیونکہ عمر کم سے کم ساتھ جہاد میں جایا تو کرتے۔ انھوں نے اتنا بھی نہ کیا کہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلائے معلے تک جاتے اور مخالفین کو اپنی صورت دکھاتے۔ اگرچہ بھاگ ہی جاتے۔

غرض اگر آپ اس کو محبت سمجھتے ہیں "کہ انھوں نے حضرت حسین کو لپٹا لیا اور رو دیے اور رخصت کیا" تو اس سے بدرجہا زیادہ یزید پلید محب امام حسین علیہ السلام تھا جس نے بوقت رخصت جناب امام زین العابدین علیہ کہا۔ جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے:۔

جب یزید نے چاہا کہ ان حضرات کو رخصت کرے تو یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا سامان سفر کرے اور جناب امام زین العابدینؑ کو بلا کر رخصت کرنا چاہا۔ تو کہا خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر قسم خدا کی اگر ہم سے حضرت سے مقابلہ ہوتا تو آپ کی کوئی خواہش ایسی نہ ہوتی جس کو ہم نہ قبول کرتے اور ہر طرح اس مصیبت کو آپ سے دفع کرتے اگرچہ اس میں بعض اولاد بھی ہماری ہلاک ہوتی۔ مگر قضائے الٰہی یہی تھی جو تم نے دیکھا۔ (جلد ۴ صفحہ ۲۶)

اب اڈیٹر صاحب النجم انصاف فرمائیں کہ محبت ابن عمر زیادہ ہے یا محبت یزید کیونکہ ابن عمر تو خالی معانقہ کر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور یزید قسم کھا کر کہتا ہے کہ ہم ہر طرح امام حسینؑ کی مدد کرتے اگرچہ اس میں ہماری بعض اولاد بھی ہلاک ہو جاتی۔ پھر فرمائیے درجۂ محبت کس کا زیادہ ہے۔ ابن عمر کا یا یزید کا۔

(۸) یہ قول ابن عمر بھی اسی کم معرفتی سے تھا جو اپنی رائے کو صائب سمجھے اور رائے جناب امام حسینؑ کو غلط۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو جو کچھ تھا دنیا اور اسکی زندگی تھی جسکے مقابلہ میں سب کو ہیچ سمجھتے۔ ورنہ یہ تو وہ واقعہ تھا کہ اگر بدقسمتی سے نہ شریک ہوئے تھے تو مدۃ العمر اس پر رویا کرتے کہ کیسی مصیبت آئی جیسا باغیوں سے جنگ نہ کرنے پر ان کو ہمیشہ

افسوس رہا استیعاب ابن البر مکّی میں ہے صفحہ ۳۸۱ جلد اول

عن عبد اللہ بن عمر قال ما اسی علی شی الا انی لم اقاتل مع علی الفئة الباغیة

کہ ہم کو کسی امر پر افسوس نہیں ہے بجز اس کے ہم نے حضرت علیؑ کے ساتھ فئہ باغیہ سے قتال نہ کیا۔

اس روایت کو چھ طریق سے لکھا ہے۔

مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ندامت اُنکی سچے دل سے تھی۔ حاشا و کلّا ہر گز نہیں۔ بلکہ ایک دنیا داری کا کلمہ تھا جو کہہ دیا اُسی قسم سے یہ کلمہ بھی کہا۔ فرق ہے تو اس قدر کہ جنگ معاویہ کے ترک میں اپنا قصور ظاہر کرتے ہیں اور یہاں پر جناب امام حسینؑ پر الزام ہے کہ آپنے ہماری رائے کی مخالفت کی۔

اس قسم کی ندامت عائشہ۔ ابو بکر۔ عمر سے منقول ہے مگر کیا فائدہ کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

واسروا الندامة لما رأوا العذاب وقضی بینهم بالقسط وهم لا یظلمون۔

کہ پوشیدہ کیا انھوں نے ندامت کو جب دیکھا عذاب۔ اور فیصلہ کیا گیا ان میں عدل سے اور کسی طرح کا ان پر ظلم نہ ہوگا

واسروا الندامة لما راوا العذاب وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا هل یجزون الا ما کانوا یعملون۔

پوشیدہ کیا اُنھوں نے ندامت کو جب دیکھا عذاب اور ہمنے ڈال دیا کافروں کے گلے میں طوق جزا انکو تو اُسی کی دی جائے گی جو عمل کرتے ہیں۔

پھر ابن عمر کو اس سے کیا نفع ہوا کہ اُنھوں نے ندامت ظاہر کی۔ جزا تو اُنکو عمل ہی کی دی جائے گی۔

(۹) جب آپ کے صحابہ خود رسول اللہ سے اس قسم کا مجادلہ کرتے اور حضرت کے احکام پر ایمان نہ لاتے تو اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ اُنھوں نے یہ سلوک کیا تو کیا تعجب ہے۔

چونکہ ان لوگوں کے حالات اس کے بعد کچھ تفصیل سے لکھے جائینگے اسلیئے ہم ان لوگوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کون درحقیقت معذور تھا اور کون غیر معذور۔ کیونکہ یہ تو بدیہی بات ہے اگر کوئی شخص کسی نبی کا ساتھ نہیں دے گا تو نتیجہ بجز قتل کیا ہو گا جیسا کہ ہزار ہا انبیا اسطرح شہید ہوئے تو سمجھنا چاہیئے الزام نبی پر ہے یا امامت پر؟

غرض چونکہ موضوع رسالہ یہی ہے کہ دکھایا جائے صحابہ کا برتاؤ آل رسولؐ کیساتھ کیا تھا اور اڈیٹر النجم نے اس کی فرمائش کی ہے "کہ ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی و صحیح تھے بیان کیئے جائیں"۔ لہذا ہم بھی کچھ تفصیل سے ان صحابہ کے حالات کو لکھتے ہیں کہ معلوم ہو انکی عدم شرکت ازراہ معذوری تھی۔ یا ازراہ شرارت نفس عبد اللہ ابن عمر کے حالات میں ایک تحریر مولوی شبلی صاحب کی الندوہ میں شائع ہوئی ہے جسکو اڈیٹر اہل حدیث اور بدر قادیانی نے بھی بڑے فخر و مباہات سے نقل کیا ہے۔

اس تحریر میں جہاں تک بن پڑا ہے اُنکی مدح سرائی کی گئی ہے لہذا اس کے اقتباس کے ساتھ ہم اصلی حالات بھی اُنکے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ تھے۔ کیونکہ جو فضائل بیان کئے گئے ہیں اُنھیں سے ہم انکا اصلی جوہر کھلتا ہے۔

الندوہ لکھتا ہے "عام روایت تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عمر سے پیشتر یہ شرف حاصل کر چکے تھے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ بھی حضرت عمر کے ساتھ اسلام لائے"

مگر لطف تو اسی روایت میں تھا کہ عبداللہ کا اسلام مقدم ہوتا کیونکہ عمر کی بہن اور بہنوئی بھی پہلے اسلام لا چکے تھے چنانچہ جب بہن کا خون بہتے دیکھا تو شرمندہ ہوئے اور حضرت کے پاس گئے تو آپ نے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔

الندوہ بہرحال انکے بلوغ کا زمانہ نجاست کفر سے پاک رہا اور بالکل بچپن ہی کے زمانہ میں ان کو گنجینۂ مراد ملا"

مگر افسوس کہ جب جناب امیرؑ کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ اُنکے خاندان میں کہیں کفر نے وجود ہی نہیں پایا حضرت نے متولد ہوتے ہی آغوش رسول میں تربیت پائی۔ تو اہلسنت خوش نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں طفلی کے زمانہ کے اسلام کا کیا اعتبار۔ بہرحال اس فضیلت میں وہ عمر سے افضل نکلے۔

الندوہ لیکن چونکہ اُنھوں نے عمر سے پیشتر ہجرت کر دی تھی اس بنا پر بعض راویوں نے اس تقدم کی نسبت خود اُن کے اسلام کی طرف کر دی مگر تقدم فی الہجرت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے"

تو اس سے لازم آتا ہے کہ عمر صاحب ابوبکر سے افضل ہوں کیونکہ عمر نے بھی تقدم فی الہجرت کی تھی جو بڑی فضیلت ہے اور اگر اسی وجہ سے راوی تقدم اسلام کے قائل ہوئے تو پھر عمر کے اسلام کو ابوبکر پر کیوں نہ مقدم کیا کیونکہ عمر نے ہجرت میں اُن پر تقدم کیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کے تقدم اسلام سے ایک بڑا الزام عمر پر آتا تھا کہ بیٹا اُن کا مسلمان ہو گیا اور وہ کافر ہی رہے اس لئے اس روایت کی اس طرح تاویل کرنے لگے حالانکہ عمر صاحب کی سختی بھی معلوم ہے کہ وہ کس قدر مسلمانوں کی دشمنی میں سخت تھے۔

الندوہ جب بدر کی لڑائی پیش آئی تو اُن کا سن ۱۳ برس کا تھا لیکن انھوں نے اسی سن میں شریک جنگ ہونے کے لئے آمادگی ظاہر کی لیکن جناب رسالت پناہ نے انکار کر دیا"

مگر انس بن مالک کے حال میں لکھا ہے "حضرت انس بدر میں رسول اللہ کے ہمراہ گئے تھے یہ اس زمانہ میں بچے تھے" (اسد الغابہ صفحہ ۱۲۸)

جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ کو کس درجہ انصار پر اعتماد تھا کہ انس کو ساتھ لیا جو دس برس کے تھے غالباً اور عبداللہ بن عمر کو ساتھ نہ لیا جو تیرہ برس کے تھے۔ یا یہ وجہ ہو کہ آپ کو اُن کے باپ کی شجاعت معلوم تھی تو اُن کا حال بدرجۂ اولی معلوم ہوگا اسی وجہ سے ساتھ نہ لیا۔

الندوہ۔ البتہ غزوہ خندق میں جب آپ کا سن ۱۵ سال کا تھا جناب رسالت پناہ نے اُن کو اجازت جنگ دی" مگر آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اُنھوں نے کسی جنگ میں کسی کافر کو بھی مارا ہو۔ کیونکہ لڑائی میں شریک تو نوکر چاکر سب ہی ہوتے ہیں کیا اس سے کوئی بہادر بھی بن جاتا ہے۔

الندوہ فتح مکہ کے زمانہ میں اُنکی عمر ۲۰ سال کی تھی وہ ایک سرکش گھوڑے پر سوار تھے اُنکے ساتھ ایک بڑا نیزہ

تھا اور ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے گھوڑے کے لئے گھاس کاٹ رہے تھے ایسی حالت میں رسالت مآب نے ان کو دیکھا اور مدح وثنا کے لہجہ میں فرمایا یہ عبد اللہ یہ عبد اللہ ہے۔ حضرت عبد اللہ۔ فتح مکہ کے شرف کو اپنا سب بڑا شرف اور فخر سمجھتے تھے۔

اس سے بھی بہت اچھی طرح معلوم ہوا کہ اصلی کام ان کا یہی تھا کہ گھوڑے کے لئے گھاس کاٹیں۔ حالانکہ بہادروں کی شان یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کو مثل گھاس کاٹتے ہیں۔

بہر حال انکی شجاعت وجوانمردی کا فسانہ یہیں آکر ختم ہوا کہ فتح مکہ میں یہ گھاس کاٹ رہے تھے اور حضرتؐ نے فرمایا یہ عبد اللہ ہے یہ عبد اللہ۔

فتح مکہ میں اگرچہ عام طور پر حکم جہاد نہیں تھا مگر پھر بھی جو بہادر تھے وہ اپنی بہادری دکھا گئے مگر اُن کا کام یہی رہا کہ گھاس کاٹیں۔ کیونکہ اگر کسی جنگ میں اُنھوں نے کافر کو مارا ہوتا تو ضرور اُس پر فخر ومباہات کرتے۔

انکار خلافت

الندوہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر ہمیشہ خلافت سے انکار کرتے رہے جس کا ذکر اُن کے فضائل میں آئے گا۔ لیکن اُن کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہ اور حضرت علیؑ میں دومۃ الجندل میں لڑائی کی ٹھہری تو معاویہ ایک قوی ہیکل اونٹ پر نکلے اور کہا کہ وہ کون ہے جو خلافت کی خواہش کرتا ہے یا اُسکی طرف گردن بلند کرتا تو میرے دل میں آج کے سوا دنیا کا خیال نہیں آیا تھا کیونکہ میں نے اُس وقت ارادہ کیا کہ کہوں خلافت کی خواہش وہ شخص کرتا ہے جس نے تم کو اور تمھارے باپ کو مار پیٹ کر اسلام کے حلقہ میں داخل کیا لیکن پھر بہشت اور اُس کی نعمتیں یاد آگئیں اس لئے میں رُک گیا۔ یہ استحقاق اور دعویٰ حضرت عبد اللہ بن عمر کو فتح مکہ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کیونکہ فتح مکہ کے زمانہ میں امیر معاویہ اور ابو سفیان کافر تھے اور کفار کے ساتھ شریک جنگ تھے چنانچہ وہ اسی لڑائی میں مشرف باسلام ہوئے۔ ان مناقب میں اور صحابہ بھی اگرچہ شریک ہیں لیکن متعدد فضائل ایسے ہیں جن میں حضرت عبد اللہ بن عمر تمام صحابہ سے ممتاز ہیں ہم ان مناقب کو الگ الگ عنوان قائم کر کے تفصیل لکھتے ہیں"

اگرچہ تحقیق اُنکی آئندہ آئے گی جہاں تفصیل اسکو لکھیں گے مگر یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ وہ خلافت سے منکر تھے بلکہ بات یہ ہو کہ اُن لوگوں کے رہتے ہوئے کسی کو خلافت مل ہی نہیں سکتی تھی جنھوں نے بمخالفت نص رسولؐ ایکا کیا تھا کہ جناب امیرؑ کو خلیفہ نہ ہونے دیں گے اُن لوگوں سے طلحہ زبیر عبد الرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص باقی تھے پھر اُن کو خلافت کیونکر ملتی۔

عمر نے جب جناب امیرؑ کی محرومی کے لئے شوریٰ قائم کیا ہے تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا اپنے بیٹے کو خلیفہ کیجئے تو عمر نے کہا تو منافق ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ جو شخص اپنی زوجہ کو طلاق دینا بھی نہ جانے وہ کیونکر خلیفہ ہو سکتا ہے حالانکہ خود عمر بھی احکام طلاق سے ناواقف تھے۔

جو واقعہ جناب امیرؑ اور معاویہ کی جنگ کا لکھا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ عبد اللہ بن عمر اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ یہ واقعہ اس کے بعد کا ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا۔

ان کا نام خلافت میں ابو موسیٰ اشعری نے البتہ لیا تھا کہ جناب امیرؑ کو معزول کر کے ان کو خلیفہ بناؤ مگر عمرو عاص نے یہ کہہ کر اُڑا دیا کہ وہ خواہان خلافت نہیں۔

الندوہ۔ اتباع سنّت۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی زندگی کا مقصد صرف اتباع سنت تھا وہ اس کا اس شدت کے ساتھ التزام کرتے تھے کہ رسول اللہ نے جن درختوں کے سایہ میں کبھی آرام فرمایا تھا وہ اُنکو پانی دیتے رہتے تھے تاکہ خشک نہ ہونے پائیں رسول اللہ نے جہاں کہیں نماز پڑھی تھی اس مقام پر ضرور نماز پڑھتے۔ اور جہاں کہیں قیام فرمایا تھا وہاں ضرور قیام کرتے عام طور علم ہے کہ وہ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسک حج میں رسول اللہ کے تمام سنن کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے جہاں جہاں قضائے حاجت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور قضائے حاجت کرتے یہی وجہ ہے کہ مقامات حج۔ میقات رمی رجمار۔ استقلال وغیرہ کے مقامات کی تعیین وتحدید کے متعلق اکثر حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہیں۔ رجب میں چونکہ جناب رسالت پناہ عمرہ بجالائے تھے اس لئے وہ بھی ہر سال رجب میں عمرہ بجالاتے تھے وہ سخت خطرہ کی حالت میں بھی اتباع سنت سے باز نہیں آتے تھے چنانچہ جب حجاج اور عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کا زمانہ تھا اور عبدالملک بن مروان نے لوگوں کو حج سے اس بنا پر روکنا چاہا تھا کہ مکہ میں کہیں عبداللہ بن زبیر کی بیعت نہ کرلیں تو حضرت عبداللہ بن عمر نے حسب معمول حج اور عمرہ کا سامان کیا لیکن اُنکی اولاد نے روکا کہ یہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کو حج سے روک دیں انھوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کا واقعہ ہمارے لئے کافی ہے رسول اللہ حج کو نکلے تو کفار نے روک دیا۔ آپ رک گئے اسی طرح اگر ہم بھی روک دیے جائیں گے تو رک جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو رسول اللہ کے اقوال وافعال کا اس شدت کے ساتھ التزام تھا کہ خود جناب رسالت پناہ کو منع کرنا پڑا صحابہ کا عام قاعدہ یہ تھا کہ اپنے خواب رسول اللہ کی حضور میں بیان کرتے اور آپ اُنکی تعبیر بیان فرماتے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی شوق پیدا ہوا کہ اگر کوئی خواب دیکھوں تو حضور کے سامنے بیان کروں چنانچہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں مسجد میں سوتے تھے اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے میں نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی طرح تہ بتہ ہے اسکے دو کنارے ہیں اور اس میں کچھ لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں یہ حالت دیکھ کر میں نے خدا سے پناہ مانگی اور اعوذ باللہ کہنے لگا اسی حالت میں مجھے دوسرا فرشتہ ملا اُسنے کہا گھبراؤ نہیں۔ اس خواب کو اُنھوں نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور انھوں نے اُسکو رسول اللہ سے بیان کیا حضور نے فرمایا عبداللہ تو اچھا آدمی تھا کاش وہ رات کو نماز پڑھتا چنانچہ اُنھوں نے بالالتزام شب بیداری کرنی شروع کی یہاں تک کہ جب جناب رسالت پناہ کو اسکی خبر پہونچی تو آپ نے فرمایا کہ کیا مجھ کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ تم رات کو قیام کرتے ہو دن کو روزہ رکھتے ہو اُنھوں نے کہا کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں آپ نے فرمایا اگر ایسا کروگے تو تمھاری آنکھیں کمزور ہو جائیں گی نفس تھک جائیگا تم پر تمھارے نفس کا حق ہے بی بی کا حق ہے اس لئے روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو رات کو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی۔

الجواب۔ نہ معلوم یہ جملہ اُن کے مدح میں لکھا ہے یا ذم میں کیونکہ اگر اتباع سنّت رسولؐ فعل ممدوح ہے تو حضرت عمر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کے متعلق خود مولوی شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ آں حضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمر نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوادیا۔ ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آں حضرت نے نماز پڑھی اس خیال سے لوگ اسطرف دوڑے حضرت عمر نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا اھل کتاب انھیں باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا (صفحہ ۲۰۸ حصہ دوم)

اب کوئی انسے پوچھے کہ یہ لائف بھی تو آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے عمر کی لائف الفاروق میں لکھی۔ ابن عمر کی المندادہ۔ میں پھر بتائیے کس کا فعل حق اور صواب تھا کیونکہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا ابن عمر کی زندگی کا مقصد اگر صرف اتباع سنت تھا۔ تو عمر کی زندگی کا مقصد محض مخالفت سنت۔ ابن عمر اگر اُن درختوں کو پانی دیتے جس کے سایہ میں حضرت بیٹھے تھے تو حضرت عمر اُس درخت کو جس کے نیچے حضرت نے جہاد پر بیعت لی تھی جڑ سے کٹوا دیتے ابن عمر اگر اس جگہ نماز پڑھتے جہاں حضرت نے نماز پڑھی تھی تو عمر اس مسجد میں جانے سے بھی روکتے اور صحابہ کو کافر بتلاتے۔

ابن عمر اگر حج میں رسول اللہ کے تمام سُنن کا لحاظ رکھتے تو عمر کو اس درجہ مخالفت رسول پر اصرار تھا کہ متعۃ الحج کو موقوف کیا۔ مقام ابراہیم کو بدل دیا جو عہد حضرت ابراہیم سے تا عہد رسول بلکہ تا عہد ابو بکر اپنے اصلی مقام پر تھا۔ اور اب دوسری جگہ ہے۔

مولوی شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان۔

حضرت عمر کا یہ فعل مذاق عام سے جسقدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؑ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہونچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا۔ لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ منقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے (صفحہ ۲۰۸ الفاروق)

ہمنے جو ابتدا میں لکھا تھا کہ اتباع سنت میں جو ابن عمر کا نام لکھا گیا اسکی غرض نہ معلوم مدح ہے یا ذم۔ اسکی تصدیق اس سے بخوبی ہو گئی کہ یہاں مخالفت سنت رسول پر عمر کی اس درجہ تعریف کی گئی ہے کہ انھوں نے اسکو جو اسمیں مبالغہ کیا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی شبلی صاحب ابھی تک بوسہ حجر اسود کو بت پرستی سمجھتے ہیں۔ اور رواج صنم پرستی کا یہی سبب ہوا اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

تو ابن عمر کا یہ فعل کہ وہ اس درجہ اتباع رسولؐ میں منہمک رہتے ضرور قابل مذمت فعل ہے۔ مولوی شبلی صاحب کو اس روایت سے انکار ہے جو جناب امیرؑ نے بمخاطبہ عمر فرمایا تھا مگر افسوس تمامی علماء اہلسنت نے اسکی روایت کی ہے اور عمر کی ناواقفیت کی بہت کامل دلیل ہے کیونکہ حضرت نے اپنے دعویٰ کو قرآن مجید سے ثابت کیا ہے جس پر عمر نے کہا:- یا ابا الحسن

لقد جعل الله بين ظهرانكم من العلم غير قليل۔

اور بروایت سبل الہدیٰ والارشاد عمر نے کہا:-

اعوذ بالله ان عیش فی قوم لست فیھم یا ابا الحسن۔

یعنی ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس قوم میں زندہ رہیں جسمیں آپ نہ ہوں۔ (ملاحظہ ہو تشئید المطاعن ص۵۵)

عمر صاحب کو بالخصوص احکام حج میں حضرت کی مخالفت میں اس درجہ کد رہی کہ حضرتؑ نے آخر حج میں تاکید تمام حکم دیا تھا کہ عمرہ اور حج ایک ساتھ بجالاؤ مگر عمر کا حکم تھا کہ:-

حج و عمرے میں فصل کرو کہ حج و عمرہ تمام ہو۔ اور عمرہ غیر ماہ حج میں ہونا چاہیئے کہ عمرہ تمام ہو۔ (ازالۃ الخفا ص۱۰۴)

ابن عمر کی نسبت مولوی شبلی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے مگر عمر اسدرجہ اس سے بے علم تھے کہ ازالۃ الخفا میں ہے۔

سئل عن العمرة وهو بمكة من اىّ موضع اعتمر قال ايت على بن ابى طالبؑ فسأله فقال على حيث ابدأت يعنى من ميقات ارضه قال فاتى عمر فاخبره فقال

ما اجد لك الا ما قال على بن ابى طالبؑ (ص۱۰۳)

یعنی عمر سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص مکہ میں ہو اور عمرہ کرنا چاہے تو کہاں سے شروع کرے۔ عمر نے کہا کہ حضرت علیؑ کے پاس جاؤ حضرت نے فرمایا جہاں سے شروع کیا ہے۔ یعنی جو میقات اُس کے اصلی وطن کا ہے وہاں سے احرام باندھنا چاہیئے اُس نے آکر عمر سے بیان کیا کہا ہم بھی وہی بتاتے ہیں جو حضرت علیؑ نے کہا۔

عمر نے چاہا تھا کہ خزائن و دفائن خانہ کعبہ کو جہاد میں صرف کریں۔ مگر جناب امیرؑ نے روکا۔ (ص۵۲۶)

عمر سے سوال کیا گیا کہ شتر مرغ کے انڈوں کو اگر حالت احرام میں کوئی کھاجائے تو اُس کا کیا حکم ہے عمر نے اُس کو جناب امیرؑ سے دریافت کیا۔ (ص۵۴۲)

عمر کو یہ مسئلہ حج معلوم نہ تھا کہ طواف خانہ کعبہ کے پہلے عطر لگانا جائز و مباح ہے لہذا عمر نے حرمت کا حکم دیا۔ چنانچہ ازالۃ الخفا میں ہے:-

عمر نے عرفہ میں خطبہ دیا بغرض تعلیم حج تو کہا کہ جو شخص رمی الجمرہ کرے اُس پر سب چیزیں حلال ہوجاتی ہیں مگر عورت اور خوشبو لگانا۔ وہ نہ عورتوں کے پاس جائے نہ خوشبو لگائے جب تک طواف نہ کرے شاہ صاحب کہتے کہ تمام فقہاء نے اس حکم عمر کو ترک کردیا کیونکہ ان کے نزدیک حدیث عائشہؓ وغیرہا سے ثابت ہے کہ حضرتؐ نے قبل طواف خوشبو لگایا تھا۔ (ازالۃ الخفا ص۱۰۵)

کہاں ابن عمر کی وہ حالت کہ مناسک حج کے وہ بڑے عالم مانے جاتے۔ اور کہاں عمر کی یہ حالت کہ خلیفہ بنکر تعلیم احکام حج کر رہے ہیں مگر اس طرح کہ خلاف سنّت رسول۔

عمر نے اجازت دی ازواج نبی کو کہ حج کریں اور انکے ساتھ عثمان و عبدالرحمان کو کردیا شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے عورتوں کو بغیر محرم جانا جائز ہے یا نہیں شافعی نے اسی فعل عمر سے استدلال کیا ہو جواز پر مگر جو لوگ منکر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہو عمر نے بغرض محافظت وتوقیر ساتھ کیا ہو۔

جن لوگوں نے کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کیا ہے اُنکو معلوم ہے کہ آں حضرتؐ نے حجۃ الوداع میں اپنے ازواج کو حکم دیا تھا کہ یہ آخری حج تمہارا ہے اب اسکے بعد نہ کوئی حج کرے نہ گھر سے باہر نکلے۔ مگر عمر نے حکم رسولؐ کے خلاف اُن کو اجازت حج دی اور نامحرموں کو اُن کے ساتھ کیا۔ اس سے بڑھ کر کیا مخالفت سنت ہو سکتی ہے

پھر اُسی ازالۃ الخفا میں ہے:۔

حالت احرام میں حضرت عمر کی ناک میں خوشبو آئی آپ اس شخص پر جو خوشبو لگائے ہوئے تھا بہت خفا ہوئے۔ معاویہ نے وہ کپڑا جو خوشبودار اوڑھے تھے اُتار دیا شاہ صاحب فرماتے ہیں تمام فقہا نے اس قول عمر کو نہیں مانا کیونکہ حدیث عائشہ سے رسول اللہ کا خوشبو لگانا ثابت ہے۔ (ازالۃ الخفا ص ۱۰۱)

اس سے بڑھ کر کیا مخالفت رسول ہو سکتی ہے۔ چونکہ اہل جاہلیت زمانہ حج میں خوشبو نہیں لگاتے تھے اس لیئے عمر صاحب نے اپنے زمانہ میں اُسکی ترویج چاہی۔

تمامی صحابہ اسکے قائل تھے کہ اگر بروز قربانی عورت طواف کرے اُس کے بعد حیض شروع ہو جائے تو حج اسکا پورا ہو گیا۔ مگر عمر کہتے ہیں کہ نہیں اُس کو پھر طواف کرنا چاہیئے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ تمامی اہل علم نے قول عمر کو ترک کر دیا کیونکہ قصہ صفیہ وغیرہ سے اسکے خلاف ثابت ہے۔

عمر نے نکاح کو باطل کیا جو حالت احرام میں واقع ہو حالانکہ خود حضرت نے حالت احرام میں نکاح کیا ہو۔ یہ چند مسائل ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عمر صاحب کو کس درجہ کی مخالفت تھی سنت رسول سے کہ جہاں تک بن پڑا اسکے خلاف کیا۔ پھر مولوی شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابن عمر کو اسقدر اتباع سنّت کا خیال تھا کہ جہاں جہاں حضرت نے تضائے حاجت کی تھی وہاں ابن عمر ضرور تضائے حاجت کرتے۔ کس قدر عبرت ناک ہے کہ باپ کا وہ خیال بیٹے کا یہ خیال باپ تو اس درجہ مخالف رسولؐ پر تلے رہتے۔ اور بیٹا یہ اثر دکھاتا۔

مگر ابن عمر کے اس حال پر وہ واقعہ یاد پڑا جو ملک العلما دولت آبادی کتاب ہدایت السعد کے جلوہ سابعہ میں جمیں اسکا بیان ہے کہ ایذاء اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ نہ نماز فائدہ دیتی ہے نہ دوسری کوئی عبادت۔ لکھتے ہیں:

علامہ شعبی سے لوگوں نے پوچھا کہ یہی لوگ اہل قبلہ ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰؐ پر درود بھیجتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ایک اموی شخص نے سنا کہ کوئی شخص حضرت محمد مصطفےٰؐ کی ریش مبارک کا ایک بال لا رہا ہے وہ اموی استقبال کے لیئے کئی کوس پا برہنہ گیا اور جس صندوق میں وہ موئے مبارک تھا اُسکو اپنے سر پر رکھ کر شہر میں

میں لایا اور سات روز تک طبل بجوایا اور مسرت و خوشی کا اظہار کرتا رہا ایسے شخص کے ایمان کے بارے میں کیسا کہا جائے گا۔ امام شعبی نے کہا اگر کوئی شخص حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نعلین مبارک اپنے سر پر رکھے اور قرآن مجید کی جوتیاں بنوا کر پیر میں پہنے حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کا سم زر و جواہر کیا تھا ہار بنا کر گلے میں پہنے اور مادر عیسیٰؑ پر زنا کی تہمت رکھے جو حکم ایسے شخص کا ہو گا وہی اس اموی کا ہو گا۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے زمانہ میں کچھ لوگ نماز میں شریک ہوتے اور اپنی بغلوں میں بت چھپائے رکھتے اُن کی یہ نماز، نماز نہیں۔

عبداللہ بن عمر کا ایسے ایسے جزئیات میں اتباع سنت کرنا کہ جہاں حضرتؐ نے قضائے حاجت کی وہاں یہ بھی قضائے حاجت کریں، جہاں حضرت کسی درخت کے نیچے بیٹھتے تھے بالکل مشابہ اسی طرح کے بیٹھیں جو حضرتؐ کے موئے شریف کے پیشوائی کو کئی کوس تک برہنہ پا گیا اور صندوق کو اپنے سر پر رکھ کر لایا اور سات روز تک طبل بجواتا رہا کیونکہ اگر در حقیقت ابن عمر پیرو سنت رسولؐ ہوتے تو جناب امام حسینؑ کی جاں نثاری میں حاضر ہوتے اپنی جان آپؑ پر نثار کرتے نہ یہ کہ دکھانے کے لئے تو اس طرح اتباع سنت کرتے اور باطن میں ایسے مخالف رہتے کہ نہ جناب امیرؑ کی بیعت کی نہ جناب امام حسنؑ کی۔ نہ جناب امام حسینؑ کی کسی طرح حمایت کی بلکہ جب اہل مدینہ نے یزید کو خلافت سے خلع کرنے لگے تو یہ مخالف بن گئے اور تلوار نکال کر فیصلہ کرنے چلے کہ جو یزید سے لڑے گا اس سے ہم جنگ کریں گے

علامہ دولت آبادی اسی جلوہ سابعہ میں لکھتے ہیں:-

خزانۂ جلالی میں غرر السیر امام ثعلبی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز عبد الملک ابن مروان کے وزیر نے جو ایک بڑا بادشاہ اور مروانیوں کے لئے باعث فخر تھا امام شعبی سے جو اجلۂ علمائے تابعین میں سے تھے پوچھا کہ تم اس مسئلے کو جس نے امت کو مشکل میں ڈال دیا ہے کیوں حل نہیں کرتے ہو کہ خلفائے بنی امیہ جیسے یزید وغیرہ احکام شرع پر عمل اور رسول خداؐ کی بزرگداشت کرنے کے باوجود آں حضرتؐ کے فرزندوں اور جگر پاروں کی ایذا رسانی کرتے اور اہلبیت رسولؐ بلا اختلاف آں حضرتؐ کے خون اور گوشت پوست میں شریک ہیں قلبی عداوت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کسی کو زہر دیا کسی کو تہ تیغ کیا اور کسی کو قید کر کے اذیت پہونچاتے ہیں۔ انکے دوستوں اور ہوا خواہوں کو تکلیفیں دیتے اور قتل کرتے ہیں۔ جو شخص محبت کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور بر سر منبر اہلبیتؑ پر لعنت کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اصحاب پیغمبرؐ جو ابھی زندہ ہیں کیوں اس مسئلے کو حل نہیں کرتے؟ امام شعبی نے عبد الملک کے وزیر کی طرف رُخ کیا اور اسی مجمع کے اندر کہا کہ میں اور جملہ تابعین حیرت زدہ ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ خلفائے بنی امیہ کو جن میں معاویہ اور عبد الملک بھی شامل ہیں اسی بنا پر کہ وہ پیغمبر صلعم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، عیدین اور جمعے کی نمازیں پڑھتے ہیں، حج بجا لاتے ہیں اور بظاہر نمازیں ادا کرتے ہیں ہم دشمن رکھتے ہیں، انکو مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ منافق جانتے ہیں اور اُن پر لعنت کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ محض اپنی دولت و حکومت کے قیام و استحکام کی مصلحت سے احکام شرع کی پابندی کرتے ہیں۔

امام شعبی نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رحلت کو ۵۰ برس گذر گئے چند بوڑھے لوگ باقی بچ رہے ہیں

اور جس تاریخ سے کہ یزیدیوں نے امام حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم کو کربلا میں انتہائی جانکاہ اور ہولناک طریقہ پر قتل کیا اور اُن کے اہل بیت کو گرفتار کر کے لونڈیوں کی طرح دمشق میں لے آئے پیغمبرؐ کے وہ اصحاب جو زندہ تھے انھوں نے اس دن سے مسلمانوں کو منھ نہیں دکھلایا نہ نماز جماعت میں شریک ہوتے نہ جمعہ میں۔ بعض اپنے گھر ہی میں گوشہ نشین ہو گئے بعض اپنے اہل و عیال گھر مکان کو خیرباد کہہ کر پہاڑوں پر جا بسے لوگوں سے میل جول بات چیت ترک کر کے مصائب اہلبیتؑ کی یاد میں مشغول رہے۔ میں (شعبی) نے ان میں سے بعض لوگوں سے پوچھا آپ لوگ جمعہ، عیدین اور حج سے منھ موڑ کر بالکل گوشہ نشین کیوں ہو رہے ہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ایسی امت والوں کا جو ظاہر کلمہ گو اور نماز گذار ہیں اور پیغمبرؐ کے جگر گوشوں کو ہلاک کرتے اور دنیا کے واسطے کفر و نفاق دل میں چھپاتے ہیں۔ منھ نہیں دیکھ سکتے اس اُمت نے جو حرکت کی ہے حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک کسی امت نے ایسی حرکت نہ کی ہوگی۔ جن اگلی امتوں نے انبیاءؑ کو قتل کیا وہ انبیاء کے دین سے باہر ہو چکے تھے کسی شخص کو بھی دنیا میں ایسی قوم نظر نہ آئے گی۔ جو نانا کے بظاہر کلمہ گو بھی ہوں انکی شریعت پر عمل بھی کرتے ہوں اور ان کے نواسوں کو ذبح کریں اور انکے سروں کو کاٹیں جنھوں نے آغوش مصطفیٰ میں پرورش پائی ہو اور سروں کو کاٹ کر نیزے پر چڑھائیں اور اُنکے اہل و عیال کو مثل بندیوں کے دربدر تشہیر کریں اگر محمد مصطفیٰ رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو اس واقعہ کی وجہ سے کوئی مسلمان بھی زندہ باقی نہ رہتا سب کے سب مسوخات ہو جاتے اور ایسا قہر نازل ہوتا کہ زمین پر کوئی متنفس بھی زندہ نہ رہتا۔ پس صحابہ نے کہا ایسے ہولناک واقعہ کے بعد کیسے ممکن ہے کہ ہم اس امت کا منھ دیکھیں ہم پیغمبرؐ کے اصحاب ہیں پیغمبرؐ کی برسوں ہم نے خدمت کی ہے۔ عزیز من! اگر قوم کی ایک فرد بھی ناہنجار ہو تو ساری قوم شرمندہ ہوتی ہے اور اگر عورتوں میں سے ایک عورت بھی بدکاری کرتی ہے تو وہ ساری عورتوں کو شرمندہ کرتی ہے اس لئے کہ دیگ کے ایک دانے کو چکھ کر اندازہ کر لیا جاتا ہے کہ ٹھیک ہے یا نہیں چاول پک گئے ہیں یا کچے ہیں عبدالملک کے وزیر اور دیگر ثقہ لوگوں نے امام شعبی سے جب یہ بات سنی تو انھیں بڑا تردد ہوا اور انھوں نے کہا بنی امیہ کے ان قابضان حکومت کا دعوائے ایمان درانحالیکہ اُنھوں نے اہلبیت پیغمبرؐ کو اذیتیں پہونچائیں اُن کے خون سے ہاتھ رنگے انھیں ہلاک و برباد کیا قطعی طور پر نفاق ہے اور جو شخص انھیں دوست رکھے ان سے وابستہ ہو وہ صریحی گمراہ ہے پس وزیر اور حاضرین مجلس نے پھر سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوئے وزیر نے وزارت سے دست برداری کی اور توبہ و استغفار کیا۔ میرے عزیز تم اس سے قیاس کرو کہ جو حادثہ حسین مظلوم پر گذرا اگر یہی سلوک غلام نے اپنے آقا کے فرزند کے ساتھ مرید نے اپنے پیر کی اولاد کے ساتھ اور شاگرد نے اپنے استاد کے فرزند کیساتھ کیا ہوتا تو اس کا دعوائے شاگردی و مریدی نفاق ہوتا یا نہیں۔

اس عبارت کو پڑھئے اور ابن عمر کے حالات سے ملایئے کہ اُن کا اتباعِ سنت میں اسقدر اہتمام اسی قسم کا ہے یا نہیں کہ بظاہر تو یہ اہتمام ہے مگر باطن میں ایسے منافق ہیں کہ شہادت فرزند رسولؐ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا اسی طرح یزید کے طرفدار بنے رہے۔

غضب خدا حضرتؐ نے ماہ رجب میں جو ایک دفعہ عمرہ کیا تھا تو اگلی ان کو یہ پابندی ہوئی کہ ہر سال یہ عمرہ کرتے تھے مگر تیئیس۲۳ برس تک جو آں حضرت کو دیکھا کہ شب و روز اہلبیت طاہرین سے محبت کرتے ہیں اُن کا لب و دندان چوستے ہیں اُن کے فضائل و مناقب میں ہزاروں نہیں لاکھوں حدیثیں بیان کرتے ہیں اُس کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس واقعہ کو الندوہ نے بڑے فخر و مباہات سے بیان کیا ہے کہ زمانہ جنگ یزید و ابن الزبیر میں جبکہ خاص کعبہ میں جنگ ہو رہی تھی یہ حج کو نکلے اور کسی کا کہنا نہ مانا۔

اس سے تو اور بھی ہمارا دعویٰ قوی ہو گیا۔ کیونکہ دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ ایسے شجاع اور بہادر تھے کہ اُن پر اُس جنگ کا کوئی اثر نہ تھا جس سے وہ اس طرح بے خوف و خطر چلے گئے تو اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ یہ ہوتے تو کیسی فتح عظیم ہوتی۔

یا یہ کہ اُن کا اثر ایسا غالب تھا کہ ان کو دیکھ کر سب ادب کرتے اور جنگ موقوف کرتے تو اس صورت میں اور بھی ضرورت تھی کہ یہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے کہ حضرت اس بیکسی سے شہادت نہ پاتے کیونکہ یہ یقینی ہے یزید۔ یا ابن زیاد۔ حجاج سے زیادہ ظالم نہ تھا جب حجاج نے اُن کا اس قدر ادب کیا کہ جنگ میں اُن کو تکلیف نہ پہونچے۔ تو اگر یہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو یقیناً ابن زیاد اور یزید اُن کا زیادہ ادب کرتے اور جناب سید الشہداء اس طرح پر شہید نہ ہوتے۔

الندوہ نے اس واقعہ پر بڑا فخر کیا ہے۔ مگر اُنکو معلوم نہیں کہ حجاج کو تو عبد الملک کا حکم تھا کہ اُن کی پیروی کیا کرو چنانچہ اسد الغابہ میں ہے ترجمہ مولوی عبد الشکور۔ صت جلد؟

"عبد الملک بن مروان نے اسی (حجاج کو) حکم دیا تھا کہ تو ابن عمر کی اقتدا کر۔ پس حضرت ابن عمر تمام مقامات میں یعنی عرفہ وغیرہ میں حجاج سے آگے رہتے تھے"

پھر جو شخص ایسا مخدوم و مطاع خلیفہ ہو تو کس کی مجال تھی کہ اُن کو اس جنگ میں مار لیتا۔ کیونکہ فریق مخالف اس جنگ میں ابن الزبیر تھا جو ان کا گھر اور دوست تھا اور فوجی سب اہل مکہ اور مدینہ والے صحابہ تھے پھر وہ کیونکر اُن کو صدمہ پہونچاتے۔

ہم جو بار بار صحابہ کی عدم شرکت پر رو رہے ہیں تو اسی بنیاد پر کہ اُن کی محض شرکت حضرتؑ کے لیے بڑے بھاری سپر کا کام دیتی۔ کیونکہ معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت و خلافت سے جو چالیس برس تھی سب کو یہ سمجھا رکھا تھا کہ جناب امیرؑ اور حسنینؑ خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کے دشمن ہیں۔ اس لیئے اور بھی صحابہ پرست اشخاص ان حضرات کے دشمن تھے۔ اگر دو چار صحابی جو مشاہیر زمانہ سے تھے حضرتؑ کے شریک ہوتے تو سب جان جاتے اُن کا قتل جائز نہیں چنانچہ جنگ جمل و صفین میں چونکہ اہل بدر و دیگر صحابہ جناب امیرؑ کے شریک رہے۔ اس لیے وہ غلبہ معاویہ کو نہ ہو سکا۔ حالانکہ عائشہ و طلحہ و زبیر بڑے بااثر اشخاص تھے۔ مگر چونکہ بہت سے صحابہ جناب امیرؑ کے ساتھ تھے خصوصاً وہ صحابہ جن کو ہر کس

وناکس جانتا تھا کہ یہ اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں مثل حضرت عمّار یاسر وغیرہ بزرگان دین کے اسلئے حضرت ہی کو کامیابی ہوئی۔

اسی طرح ابن عمر اگر جناب امام حسین کے ساتھ ہوتے تو پھر کسی کو شاید ہی اسکی جرأت ہوتی کہ حضرت پر ہاتھ اُٹھاتا۔ مگر وہ عداوت جو موروثی تھی۔ اور وہ برتاؤ جو اپنے باپ خلیفہ دوم کا دیکھ چکے تھے اُس نے ابن عمر کو نہ نکلنے دیا اور اُن کے نہ نکلنے نے حضرتؑ کو اس طرح شہید کرایا۔

الندوہ لکھتا ہے کہ ابن عمر کو نہایت درجہ اقوال وافعال رسُول کا احترام تھا مگر افسوس یہی مولوی شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں:-

"کتب سیر واحادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ نے کوئی کام کرنا چاہا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی صـ۲۳۵)

پھر یہ لکھتے ہیں ،- واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم۔

یعنی عمر نے حکم دیا کہ جہاں تک ہوسکے رسول اللہ سے روایت کم کی جائے اور میں تمہارا شریک ہوں صـ۲۲۴)

ان عمر حبس ثلثۃ - ابن مسعود وابالدرداء والمسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ۔

حضرت عمر نے عبداللہ بن مسعود۔ ابودردا اور ابومسعود کو محبوس کیا۔ اور کہا کہ تم لوگوں نے آں حضرت سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں صـ۲۲۴ الفاروق)

اس حبس بیجا کا اثر جو ابن مسعود پر پڑا اس کو خود مولوی شبلی صاحب ان الفاظ سے لکھتے ہیں:-

"عبداللہ بن مسعود جو مقامات علمی میں حضرت عمر کے تربیت یافتہ خاص تھے اُنکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنی شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔ محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے (صفحہ ۲۲۵ الفاروق)

عمر اور ابن عمر کا جب ہم موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان کے حالات وخیالات بالکل ضد میں واقع ہوئے تھے اپنے باپ کے کیونکہ عمر کی تو یہ تاکید تھی کہ حضرتؐ کی حدیثیں جہاں تک ہو کم بیان کی جائیں۔ اور ابن عمر کا یہ حال کہ اقوال وافعال رسُول سے انھیں حد سے زیادہ دلچسپی تھی۔

یہ الزام ابن عمر۔ اسی زمانہ میں قائم ہوا تھا کہ وہ خلاف فتوائے عمر۔ فتویٰ دیتے ہیں۔

کسی شخص نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا حج تمتع جائز ہے (یعنی عمرہ وحج ایک ساتھ) تو عبداللہ بن عمر نے کہا حلال ہے۔ شامی نے کہا مگر تمھارے باپ تو منع کرتے تھے۔ ابن عمر نے کہا اگر ہمارے باپ منع کریں اور رسول اللہ اجازت دیں۔ تو کس کا حکم مانا جائے۔ شامی نے کہا حکم رسول اُس پر ابن عمر نے کہا تو رسول اللہ نے ایسا کہا ہے۔ (صحیح ترمذی)

جس سے معلوم ہوا کہ خود ابن عمر پر یہ اعتراض کیا گیا کہ تم اپنے باپ کے خلاف فتوٰی دیتے ہو جس کو ابن عمر نے تسلیم کیا اور جواب دیا مگر یہ تو بتاؤ باپ کا حکم زیادہ قابل قبول ہے یا حکم رسولؐ۔

طُرّہ تو یہ ہے کہ سُنن نسائی میں ہے :-

باب التمتع من كتاب مناسك الحج

عن ابن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب يقول والله انى لا نهاكم عن المتعة وانها لفى كتاب الله ولقد فعلها رسول الله يعنى العمرة بالحج

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم نے عمر کو کہتے سنا قسم خدا کی ہم منع کرتے ہیں حج تمتع سے حالانکہ وہ کتاب خدا میں ہے اور رسول اللہ نے خود کیا ہے۔

اس سے کمال درجہ کی جرأت عمر ظاہر ہے کہ باوصفیکہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حکم خدا و فعل رسولؐ سے ثابت ہے مگر ہم اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر ابن عمر حکم خدا و رسولؐ کو حجت مانتے ہیں اور حکم پدر کو رد کرتے ہیں مگر افسوس تو یہ کہ یہاں تو ابن عمر نے اس دلیل کو پیش کیا مگر دوسری جگہ اسکو بھول گئے :-

کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ عورتوں سے متع جائز ہے یا نہیں؟ تو ابن عمر نے کہا وہ حرام ہے۔ اُس نے کہا ابن عباس تو اس کا فتوی دیتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا تو عمر کے زمانہ میں کیوں نہ بولے اگر عمر کے زمانہ میں کوئی متعہ کرتا تو ضرور سنگسار کرتے۔ (کنز العمال)

یہاں عقل انسانی حیران ہے کہ ابن عمر متعۃ الحج میں تو رائے ظاہر کرتے ہیں کہ حکم رسولؐ ماننے کے لائق ہے نہ حکم عمر، اور یہاں بالکل اُلٹ گئے کہ متعۃ النساء میں یہ کہا ابن عباس عمر کے زمانہ میں کیوں نہ بولے۔ اگر عمر کے زمانہ میں کوئی کرتا تو سنگسار ہی کیا جاتا۔

الندوہ :- لکھا ہے کہ :-

"ابن عمر کو خواب دیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو ایک روز دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے، میں نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی طرح تہ بتہ ہے اسکے دو کنارے ہیں اور اسمیں کچھ لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں"

اقول - مگر افسوس اڈیٹر النجم نے ترجمہ اسد الغابہ میں اسکو اُلٹ دیا کہ :-

ابن عمر نے یہ خواب دیکھا میرے ہاتھ میں ایک ٹکڑا استبرق کا ہے میں جنت کے جس مقام کی طرف اشارہ کرتا ہوں وہ ٹکڑا مجھے وہیں اڑا لیجاتا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ ص۲)

اس افترا کا کیا جواب دیا جائے کہ اصل روایت کیا ہے اور انھوں نے کیا بنا دیا۔ کیونکہ جواب رسول اللہ دونوں روایت میں ایک ہی ہے جس سے معلوم ہوا اصل خواب ایک ہی ہے :-

"حضورؐ نے فرمایا عبد اللہ کیا اچھا آدمی تھا کاش وہ رات کو نماز پڑھتا"

جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ نے اُن کو جنتی نہیں کہا۔

الندوہ۔ صحابہ میں رسول اللہ کے اقوال اور اوامر کے بلا کم و کاست بجالانے میں عبداللہ بن عمر سے زیادہ کوئی محتاط نہ تھا۔"

اقول مگر افسوس ہے وہ بالکل باپ کے مخالف تھے کیونکہ عمر صاحب کا حال معلوم ہو چکا ہے انھوں نے کوئی دقیقہ مخالفت سنت رسول میں اٹھا نہ رکھا۔ پس اگر یہ فعل ابن عمر ممدوح تھا تو عمر کے حق میں وہی کہنا چاہیئے جو مخالف رسول اللہ کے لئے حکم ہے۔

الندوہ۔ اسی بنا پر عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا تھا کہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر کی اقتدا کرو۔

اقول ابتدا اسکی یہ ہوئی کہ ۷۳ھ میں جب حجاج نے ابن الزبیر کا محاصرہ کیا ہے اور خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسانا شروع کیا تو عبداللہ بن عمر نے از خود حج کی ابتدا کی اور حجاج کو کہلا بھیجا:۔

اتق اللہ واکفف ھذہ الحجارۃ عن الناس کہ خدا سے ڈر اور سنگ باری موقوف کر (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۳۵)

جس سے معلوم ہوا کہ دربار خلافت میں اُن کو کیسا رسوخ تھا کہ حجاج ایسے ظالم و سفاک کے مقابلہ میں یہ اسطرح حج کرتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اگر یہ ہمراہی جناب امام حسین سفر عراق کرتے تو مخالفین پر کیسا اثر پڑتا اور حضرت کیوں اس بیکسی سے شہید ہوتے۔

مگر یہ عجیب فقرہ لکھا" وہ موقع ریا سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے اور اپنی اقتدا اسی حد تک جائز رکھتے جہاں تک اتباع سنت سے تعلق تھا اور اپنے ذاتی افعال کی تقلید وہ کبھی پسند نہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ حج میں سر کے ساتھ سینہ کا بال بھی منڈوا دیا تو کہہ دیا یہ سنت نہیں بلکہ میرے بال مجھے تکلیف دیتے تھے اس لئے میں نے منڈوا لئے"

اقول مگر اس تقریر کو مسئلہ ریا سے کیا تعلق کیونکہ اس کا اظہار تو اُن پر واجب تھا ہاں یہ معلوم ہوا کہ اُس زمانہ کے صحابہ اور تابعین ایسے جاہل تھے کہ اُنکو شریعت کے احکام کچھ نہ معلوم تھے جس صحابی کو کوئی فعل کرتے دیکھا اُس کو سنت سمجھ لیتے۔ جس سے مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑی مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی اپنی کتاب امام الکلام میں لکھتے ہیں

وکان الصحابۃ رض یختلفون فی الامور الشرعیۃ ویقیمون علی ما ذھبوا الیہ دلائل ظنیۃ او نصوصا صریحۃ (ص ۵)

یعنی خود صحابہ امور شرعیہ میں اختلاف کرتے اور اپنی اپنی رائے پر دلائل ظنی یا نصوص صریحہ قائم کیا کرتے پھر بتائیے اختلاف نہ پیدا ہو تو کیا ہو یہاں تک کہ حدیث ہی اس بارے میں بنا ڈالی اختلاف اصحابی لکم رحمۃ جس پر اسحاق موصلی و عمر بن بحر جاحظ فرماتے ہیں:۔

لو کان الاختلاف رحمۃ لکان الاتفاق نقمۃ (امام الکلام ص ۷)

کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو چاہیئے اتفاق نقمت ہو (یعنی غضب خدا)

الندوہ۔ ابن عمر نے اپنی تمام زندگی زہد اور اعراض عن الدنیا میں بسر کی۔

اقول مگر تواریخ کہتی ہیں وہ ایسے طامع تھے کہ دین کو دنیا کے ہاتھ بیچ ڈالا تاریخ کامل میں ہے

فلمّا مات زیاد عزم معاویہ علی البیعۃ لابنہ یزید فارسل الی عبد اللہ بن عمر مائۃ الف درھم فقبلھا فلما ذکر البیعۃ لیزید قال ابن عمر ھذا اراد ان دینی عندی اذا لرخیص وامتنع (طہ۱۹۹)

یعنی موت زیاد کے بعد معاویہ نے یزید کی بیعت لینی چاہی تو عبد اللہ بن عمر کو لاکھ درہم بھیجا جس کو انھوں نے قبول کیا اسکے بعد بیعت یزید کا تذکرہ کیا گیا تو کہا اسی لیئے یہ روپیہ بھیجا تھا۔ تو ہمارا دین بہت سستا ہے۔ اسکے بعد بیعت سے انکار کیا۔

جسکی غرض تھی کہ اور لے چنانچہ وہی ہوا اور پھر ایسے یزید کے طرفدار ہوئے کہ جو اُسکی مخالفت کرتا اس سے لڑنے کو تیار ہوتے۔

الندوہ۔ زہد و اعراض عن الدنیا کا صحیح اندازہ صرف جاہ پرستی کے موقع پر ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر کے زمانہ میں خلافت سلطنت سے بدل کر جاہ پرستی اور عیش پسندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگئی تھی اس بنا پر مدعیان خلافت میں باہم جنگ و جدل رہتی تھی حضرت عبد اللہ بن عمر اگر چاہتے تو تمام لوگ اُنکی خلافت پر آمادہ ہو جاتے لیکن انھوں نے اس کی خواہش نہیں کی۔

اقول۔ یہ سچ ہے کہ عبد اللہ بن عمر کی طبیعت بالکل خلاف طبیعت حضرت عمر پیدا ہوئی تھی۔ عمر صاحب کو محو شریعت رسوؐل کا شوق تھا۔ تو اُن کو بقول آپ کے اتباع سنّت کا شوق تھا۔ عمر اگر اُن درختوں کو کٹوا دیتے۔ جہاں رسول اللہ نے کوئی کام کیا تھا تو بقول آپ کے یہ پانی دیا کرتے۔ اس لئے ممکن ہے انکو بخلاف عمر خلافت کی خواہش نہ ہو۔ مگر بات یہ تھی کہ ایک موقع پر حضرت عمر نے اُن کی نا اہلی خلافت کے لئے بیان کی تھی، اس سے پھر اُن کو کبھی جرأت نہ ہوئی اور سمجھتے تھے کسی طرح خلافت اُن کو مل ہی نہیں سکتی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے۔

حضرت عمر نے قصہ شوریٰ میں جب جناب امیر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمان کو نامزد کیا ہے کہ انھیں چھ آدمیوں سے کوئی خلیفہ ہو تو کہا ہمارے بیٹے عبد اللہ کو شریک مشورہ کرنا مگر اُسکو استحقاق نہیں ہے اُس پر لوگوں نے کہا یا امیر المومنین وہ لائق خلافت ہیں اُن کو خلیفہ بنایئے ہم سب راضی ہیں عمر نے کہا کافی ہے آل خطاب کو کہ ایک شخص اُن میں سے خلیفہ ہو۔ اس کو کوئی حق خلافت نہیں ہے۔ پھر کہا اے عبد اللہ (بن عمر) تم ہرگز ہرگز خلافت کا جامہ نہ پہننا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود عمر صاحب کی خوشامد میں لوگوں نے اس وقت کہا تھا اُن کو خلیفہ بنایئے۔ مگر عمر صاحب اُن کی قابلیت کو جانتے تھے اور سمجھتے تھے کسی طرح اُن کو خلافت نہیں مل سکتی۔

عبد اللہ بن عمر کا یہاں نام لینا محض خوشامد عمر میں ایسا ہے کہ خود عمر صاحب نے بھی اس تصریح کردی۔

یعنی کسی نے عمر سے کہا کہ ابن عمر کو خلیفہ بناؤ تو عمر نے کہا خدا تجھے قتل کرے یا تجھ پر لعنت کرے تو نے یہ کلمہ رضائے خدا کے لئے نہیں کہا بلکہ رضائے عمر کے لئے کیونکہ ہم اُس شخص کو خلیفہ

بنائیں جو اس کو بھی نہ جانتا ہو کہ اپنی زوجہ کو کیونکر طلاق دیتے ہیں کیونکہ عہد رسول اللہ میں اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دیا تھا جس پر حضرت نے عمر سے کہا کہ اپنے بیٹے کو کہو کہ رجوع کرے (تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ ص۱۲) بلکہ ازالۃ الخفا میں ہے۔ قاتلک اللہ واللہ ما اردت اللہ بھا باللہ لا استعملہ علیھا ولا علی غیرھا وانت فقم فاخرج فمنذ الآن لا اسمیک الا المنافق فقام الرجل فخرج (ص۱۹۳ مقصد دوم)

یعنی عمر نے کہا تو نے خدا کے لئے یہ کلمہ نہیں کہا ہے نہ ہم اسکو کسی طرح حکومت دینگے تو فوراً نکل جا کہ آج کے روز سے ہم تجھے منافق کہیں گے۔

پھر کیونکر ممکن تھا کہ عبداللہ بن عمر کو یہ خلافت ملتی اور وہ خلیفہ ہوتے کیونکہ سب کو انکی نااہلی معلوم تھی صرف دو چار خوشامدی اس طرح کی باتیں کرتے جس کو آپ اسکی دلیل بناتے ہیں کہ ان کو طمع خلافت نہ تھی حالانکہ وہ ایسے عیش پسند و آرام طلب ہو گئے تھے کہ حدیث بنی الاسلام علی خمس سے لفظ جہاد کو بھی انھوں نے نکالدیا تھا۔ اگر یہ لڑائی کو خلافت کے لئے ناجائز سمجھتے تو سب سے پہلے اُن پر فرض تھا کہ ابوبکر صاحب کے زمانہ میں خلافت بکبری سے علیحدہ ہو جاتے کیونکہ انھوں نے صدہا نہیں ہزارہا صحابہ کو صرف اس جرم پر قتل کیا تھا کہ وہ انکی خلافت کو نہیں مانتے تھے جس پر وہ مرتد بنا کر قتل کیے گئے۔

پھر عمر صاحب کی بیعت نہ کرتے جن کو صحابہ اہل شام نے خلافت سے خارج کیا تھا مگر وہ سب خلافتیں انکو بسر و چشم منظور ہوئیں اور خلافت جناب امیرؑ کسی طرح منظور نہ ہوئی حالانکہ احادیث رسول اللہ کے علاوہ جو ہزاروں ہیں خود اپنے باپ سے صدہا مرتبہ سن چکے تھے کہ جناب امیرؑ سے کوئی بڑھ کر مستحق خلافت نہیں ہے چنانچہ کتاب احکام سلطانیہ ابوالحسن ماوردی میں ہے۔

ابن اسحق روایت کرتے ہیں کہ جب عمر زخمی ہو کر گھر میں داخل ہوئے تو کوئی آواز سنائی دی۔ پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کچھ لوگ آپکے پاس آنا چاہتے ہیں۔ اجازت دی تو انھوں نے کہا یا امیر المومنین عثمان بن عفان کو خلیفہ بناؤ۔ عمر نے کہا کیسے بناؤں عثمان دوست رکھ سکتا ہے مال او جنت کو یہ سُن کر چلے گئے تو دوسرا گروہ آیا اُس نے کہا حضرت علی ابن ابی طالب کو خلیفہ کر جائیے۔ کہا البتہ وہ تم لوگوں کو ایسی راہ پر لے چلے گا جو حق ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں یہ سنکر ہم اُن کے پیروں پر گر پڑے اور کہا کہ اے امیر المومنین پھر کیا مانع ہے جو آپ انکو خلیفہ نہیں کرتے۔ عمر نے کہا اے بیٹے کیا زندگی اور موت دونوں میں ہم اسکے متحمل ہوں۔ (تشئید المطاعن ص۲۳ ۵۱۴)

اس روایت میں جو عمر صاحب نے عثمان کو محب مال کہا ہے اُس سے تو ہم کو یہاں بحث نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے ابن عمر جو خود باپ کی زبانی اسکو سُن چکے تھے کہ جناب امیرؑ اگر خلیفہ ہوں تو سب کو راہ حق پر لے چلیں گے مگر اس پر بھی جناب امیرؑ کی بیعت اُس زمانہ میں بھی نہ کی جبکہ سب نے بیعت کی تھی۔

دیکھیے اس وقت تو عمر صاحب کی خوشامد کرتے ہیں اور پیر پڑتے کہ حضرت کو خلیفہ کر جاؤ۔ مگر آگے چلکر وہ ایسے مخالف بن جاتے ہیں کہ پناہ بخدا۔

استیعاب ابن عبد البر مکی میں ہے ۔ عن عبد اللہ بن عمر قال قال عمر لاہل الشوریٰ للہ درہم لو ولوہا الاصلع کیف یحملہم علی الحق ولو کان السیف علی عنقہ فقلت اتعلم ذلک منہ ولو تولیہ قال ان لم استخلف واترکہم فقد ترکہم من ہو خیر منی (ص۴۸۵ جلد۲)

یعنی عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عمر نے اہل شوریٰ سے کہا کس قدر بہتر ہوتا اگر یہ لوگ اصلع (جناب امیرؑ) کو خلیفہ کرتے کہ کس طرح وہ انکو حق پر لیجلیں گے اگرچہ تلوار آپ کی گردن پر ہوتی۔ عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم نے کہا آپ اس کو جانتے ہیں اور پھر خلیفہ نہیں کرتے تو عمر نے کہا اگر ہم نہ خلیفہ کریں تو اُنے بھی نہیں خلیفہ کیا جو ہم سے بہتر تھا۔

یہ روایت ابن عمر مستدرک امام حاکم ۔ کنز العمال ۔ ریاض النضرۃ ۔ طبقات ابن سعد فتح الباری سب میں موجود ہے کہ ابن عمر نے اپنے باپ عمر سے اس قسم کے کلمات سُنے جس سے بعلم الیقین معلوم تھا کہ ہدایت اور حق منحصر ہے خلافت جناب امیرؑ میں ۔ مگر نہ عمر نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نہ ابن عمر نے آپکی بیعت کی ۔ بلکہ برعکس اسکے یزید کی اور عبد الملک کی نہایت خوشی سے بیعت کی چنانچہ خود مولوی شبلی صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

عبد الملک بن مروان کی بیعت جب لوگوں نے کی تو انھوں نے ایک خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے تمھاری بیعت پر اتفاق عام کیا ہو۔ میں بھی اس چیز میں داخل ہوتا ہوں جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں ۔ یزید بن معاویہ کی بیعت کی خبر جب اُنکو پہونچی تو انھوں نے کہا کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم صابر ہیں اہلحدیث صت ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ)

اب کون ان سے پوچھے کہ عبد الملک اور یزید کی بیعت آپنے اس خوشی سے کی اور جناب امیرؑ و امام حسینؑ کی بیعت کسی طرح نہ کی حالانکہ وہاں بھی ایسا ہی اتفاق مسلمانوں کا ہو چکا تھا ۔ اس کا باعث بجز عداوت جناب امیرؑ کیا تھا جس پر علامہ سبط ابن الجوزی کتاب تذکرۂ خواص الامہ میں لکھتے ہیں :۔

قال الزھری والعجب ان عبد اللہ بن عمر وسعد ابن ابی وقاص لم یبایعا علیا و بایعا یزید بن معاویہ

یعنی کہا امام زہری نے تعجب ہے کہ عبد اللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص نے جناب امیرؑ کی بیعت تو نہ کی اور یزید بن معاویہ کی بیعت کی ۔ (استقصاء الافحام جلد ۲)

کتاب نعوم الفرید ابن مسکویہ میں ہے کہ عبد اللہ بن حارث نے ابن عمر سے کہا :۔

تمنے پہلے جناب امیرؑ کی بیعت کی بلا جبر و اکراہ پھر اگر اس کا اقالہ کیا اور کہا کہ ہکو معاف رکھئے اسکے بعد حجاج کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہو اور کہتے ہو ہم سے بیعت لے لو کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا ہے کہ جو شخص ایک رات بھی بلا بیعت کسی امام کے رہے تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی پھر جب اضطراب پیدا ہوا تو تم نے گمان کیا کہ نہ ہم حق کو پہچانتے ہیں کہ اُس کی نصرت کریں اور نہ باطل کو کہ اہل باطل سے جنگ کریں ۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا

بس کرو لے ابو محمد کہ ہم نے اس سے خیر کا ارادہ کیا تھا اور لوگوں نے بھی عبداللہ بن حارث کو سمجھایا کہ جانے دو۔ (استقصاء الافحام)

غرض مولوی شبلی صاحب اس ذریعہ سے چاہتے ہیں کہ ابن عمر کو ایک اعلیٰ درجہ کا متقی اور زاہد قرار دیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان میں اس درجہ کی عشرت پسندی تھی کہ اکثر روزہ جو افطار کرتے تو مجامعت سے، جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے (صفحہ ۲۹۵ جلد ۳)

وابن عمر فقد کان یفطر بالجماع وانّہ جامع ثلثۃ جواری فی رمضان قبل العشاء۔

یعنی ابن عمر روزہ کا افطار جماع سے کرتے تھے اور انھوں نے تین جاریہ کے ساتھ مجامعت کی قبل عشا۔

پھر جو شخص ایسا عیش پسند ہو وہ کب خلافت کر سکتا ہے اسی وجہ سے عمر صاحب نے اس شخص کو جس نے اُن کے خلافت کی رائے دی تھی منافق کا خطاب دیا کیونکہ باپ سے بڑھ کر مزاج بیٹے کا کون پہچان سکتا ہے غرض حضرت عمر اور اُن کے فرزند عبداللہ بن عمر کے مزاج اور فطرت میں کچھ ایسا تباین واقع ہوا تھا کہ جو بات عمر کو پسند تھی وہ ابن عمر کو ناپسند۔

مولوی شبلی صاحب بار بار اُن کے خلافت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ لوگوں نے مشورہ دیا مگر انھوں نے قبول نہ کیا حالانکہ ازالۃ الخفا میں ہے:۔

کہ معاویہ نے ایک روز دربار میں کہا جس میں ہمت کلام کی ہو وہ ہمارے سامنے آئے ہم اس خلافت کے بہ نسبت اس کے زیادہ مستحق ہیں اور نیز اُسکے باپ سے۔

حبیب بن مسلمہ نے ابن عمر سے کہا تم نے کیوں نہ جواب دیا تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہم نے چاہا تھا کہ جواب دیں تجھ سے زیادہ وہ شخص مستحق خلافت ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے جہاد کیا مگر اس خیال سے چپ رہے کہ کہیں اس کے وجہ سے خونریزی نہ ہو (یعنی خود قتل نہ کیے جائیں) اور ہمارے قول کا دوسرا مطلب نہ نکالا جائے لہذا خدا نے جو وعدہ جنت کیا ہے اس کو یاد کر کے چپ ہو رہے حبیب نے کہا تو خوب کیا اپنی حفاظت کی اور جان بچائی۔

اب اس سے بڑھ کر کیا بے عزتی ہو سکتی ہے کہ معاویہ اس طرح ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ ہم عمر سے بھی زیادہ مستحق خلافت ہیں اور عبداللہ بن عمر صرف جان کے خوف سے سکوت کرتے ہیں کیا ایسا شخص خلیفہ ہو سکتا ہے۔

اس واقعہ کو مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"بنو امیہ کی تحدی اُن کو بھی ناگوار تھی لیکن آخرت کے خوف سے رُک جاتے تھے چنانچہ امیر معاویہ نے ایک دفعہ کہا ہم سے زیادہ خلافت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہوں وہ لوگ جنھوں نے تم کو

اور تمھارے باپ کو اسلام کے لیئے مارا تھا (فتح مکہ) میں مگر فتنہ وفساد کے خوف سے رک گیا۔
مگر افسوس اُس جملہ کو حذف کر دیا جس میں معاویہ عمر پر بھی اپنی فضیلت ثابت کرتا ہے حالانکہ کوئی غیور بیٹا اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔
مولوی شبلی صاحب کہتے ہیں "حضرت عبداللہ بن عمر اگر چاہتے تو تمام لوگ اُن کی بیعت پر آمادہ ہو جاتے"
مگر یہ ایسا کلمہ ہے کہ اسکی حقیقت کو وہ خوب جانتے ہیں کیونکہ طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص تین مدعی خلافت موجود تھے جن کے استحقاق کو عمر بیان کر چکے اور عمر کا یہ قسم کھانا کہ یہ کسی طرح خلافت کے قابل نہیں ہیں سب کو یاد تھا پھر کیونکر وہ خلیفہ ہو سکتے تھے اور اگر دو چار اُنکی بیعت بھی کرتے تو وہ سب ہلاک کر دیے جاتے۔
دیکھئے تاریخ طبری میں ہے ص۱۵۵ جلد ۵:۔ ثم انهم اتو ابن عمر عبد الله فقالوا انت ابن عمر فقم بهذا الامر فقال ان لهذا الامر انتقاما واللہ لا اتعرض له فاتبغوا غيري
یعنی اس پر عبداللہ بن عمر کے پاس آئے تو انھوں نے جواب دیا کہ اس امر کا ضرور انتقام لیا جائے گا لہذا ہم اسکے متعرض نہیں ہوتے دوسرے کی تلاش کرو جس سے معلوم ہوا کہ وہ ان وجوہ سے خلافت کے متمنی نہیں ہوئے نہ کہ از راہ زہد و قناعت۔
رسالہ کا موضوع بحث یہی ہے کہ صحابہ کا برتاؤ اہلبیت اطہار کے ساتھ کیسا تھا جس کو آپ نے ابن عمر کے حالات میں اچھی طرح ملاحظہ فرمایا کہ عبداللہ اس تقدس اور احتیاط کے ساتھ کہ بقول اہلسنت سُنت رسُول کو نہیں چھوڑتے اس معاملہ میں کیسا سخت تھے کہ یزید کی بیعت کی۔ عبدالملک کی بیعت کی۔ حجاج کے پیچھے نماز پڑھی اور نہ معلوم کتنے فاسقوں اور فاجروں کو اپنا مقتدا بنایا۔ مگر نہ جناب امیرؑ کی بیعت کی نہ امام حسنؑ کی نہ امام حسینؑ کی حالانکہ جس قسم کا اتفاق یا اجماع یزید و عبدالملک پر ہوا اُس سے بڑھ کر جناب امیرؑ اور امام حسنؑ پر ہوا تھا۔ مگر اس شخص کے نفس نے اسکو گوارا نہ کیا کہ جناب امیرؑ کی بیعت کریں۔
جناب امیرؑ کے بیعت کے وقت جو حالت ہوئی وہ اس سے ظاہر ہے کہ تاریخ کامل میں ہے:۔
جب ابن عمر بیعت کے لیئے لائے گئے تو کہا جب تک سب بیعت نہ کریں گے، ہم بیعت نہ کرینگے حضرتؑ نے کہا اچھا کوئی ضامن لا۔ اس نے کہا کوئی کفیل ہمارا نہیں ہے۔ مالک اشتر نے کہا اگر حکم دیجیے تو گردن اڑا دوں جناب امیرؑ نے فرمایا چھوڑ دو اس کے ہم ضامن ہیں کیونکہ ہم اُسکو جانتے ہیں بچپنے سے اس وقت تک یہ بدخلق رہا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص۸۲ یہی عبارت طبری کی بھی ہے (تاریخ طبری جلد ۵ ص۱۵۳)
یہاں آپ کو واقعہ بیعت خلیفہ اول یاد آیا ہوگا کہ جب جناب امیرؑ نے اُن کے بیعت سے انکار کیا تھا تو خلیفہ دوم آگ لکڑی لے کر گھر جلانے گئے تھے اور یہاں جناب امیرؑ خود ابن عمر کی ضمانت اور کفالت کرتے ہیں
اس واقعہ نے کہ ابن عمر نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اور حضرتؑ سے منحرف رہے حضرات اہلسنت کو بہت بیچین کیا ہے جس کے لیئے یہ روایت نکالی جیسا کہ اسدالغابہ میں ہے (ص۲۲ جلد ۶)

حضرت علیؑ کیا تھا بھی اُنکے کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے مگر بعد میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر

نہ لڑنے پر نادم ہوئے۔

عبد اللہ بن حبیب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں :۔

مجھے میرے والد نے خبر دی ہے کہ جب حضرت ابن عمر کے وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے

دل میں کسی بات کی آرزو نہیں پاتا ہاں اسکا مجھے افسوس ہے کہ میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا

اس حدیث کو علامہ ابو عمر نے بھی استیعاب میں لکھا ہے اور انھوں نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے کہ :۔

"علی کے ساتھ ہو کر میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا"

مگر افسوس ابن حجر نے اس پردہ کو فاش کر دیا اور بتا دیا کہ وہ کس کو باغی جانتے تھے۔

عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ ہم کو صرف اسکی حسرت رہ گئی کہ اس فئۃ باغیہ سے قتال نہیں کیا جس کا حکم

خدا نے دیا تھا تو حمزہ نے کہا تم کس کو فئۃ باغیہ قرار دیتے ہو کہا یہی ابن الزبیر جس نے بغاوت کی اس قوم

بنی امیہ پر کہ ان کو اُن کے دیار سے خارج کیا اور اُن کے عہد کو توڑا۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۵۵۶)

جس سے معلوم ہوا کہ وہ کیسے طرفدار بنی اُمیہ تھے کہ عبد اللہ بن زبیر کو باغی قرار دیا جس نے فوج یزیدی

سے خانہ کعبہ میں جنگ کی تھی۔ پھر بھلا وہ بنی امیہ کو کب باغی قرار دے سکتے ہیں۔

عداوت جناب امیرؑ ان میں اس درجہ پر تھی کہ حضرتؑ سے حدیث کی روایت بھی نہیں کرتے تھے

جیسا کہ اصابہ میں ہے :

وھو من المکثرین عن النبیؐ وروی ایضاً عن ابی بکر و عمر و عثمان و ابی ذر

و معاذ و عائشہ و غیرھم۔ (ص ۱۰۷ جلد ۴)

کہ آں حضرتؐ سے بہت روایت کرتے تھے اور نیز ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابوذر۔ معاذ۔ عائشہ وغیرہ سے روایت

کرتے تھے مگر جناب امیرؑ کا نام نہ لیا جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب امیرؑ سے انکو کیسی عداوت تھی ۔

اب یہاں دوسری مصیبت سنیئے کہ انھیں ابن عمر نے یہ روایت کر دی جس سے عجب طرح کی پریشانی اہلسنت

میں پیدا ہوئی۔

عن ابن عمر قال کنا نقول علی عھد رسول اللہ ابوبکر۔ ثم عمر ثم عثمان

ثم نسکت۔ (قرۃ العینین شاہ ولی اللہ ص ۲۴۷)

یعنی ابن عمر کی حدیث ہو کہ ہم عہد رسول اللہؐ میں کہا کرتے تھے۔ ابو بکر۔ پھر عمر۔ پھر عثمان اسکے بعد سکوت کر جاتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ کو وہ چوتھے درجہ میں بھی قابل فضیلت نہیں جانتے بلکہ کل صحابہ کو ایک

درجہ میں قرار دیتے تھے اس پر اہلسنت کے یہاں عجب شورش ہے چنانچہ ابو عمر ابن عبد البر مکی صاحب استیعاب لکھتے ہیں :

جو شخص اس کا قائل ہے کہ ابن عمر کہتے ہیں بعد عثمان ہم سکوت کرتے تھے کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے تو

یہ ایسا امر ہے کہ یحیٰ ابن معین نے اس پر سخت انکار کیا اور کلام غلیظ کہا کیونکہ اسکا قائل اجماع اہلسنت کا سلف سے خلف تک مخالف ہے کیونکہ تمامی اہل فقہ واثر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امیرؑ بعد عثمان سب سے افضل ہیں جسمیں کسی طرح کا اختلاف نہیں اگر اختلاف ہے تو اسمیں کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا عثمان بلکہ سلف میں تو یہ بھی اختلاف رہا ہے کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا ابوبکر مگر بعد عثمان حضرت کے افضلیت میں تو کسی طرح کا اختلاف ہی نہیں لہذا یہ حدیث ابن عمر وہم اور غلط ہے۔ اور کسی طرح معنی اسکے صحیح نہیں ہیں اگرچہ اسناد اس کے صحیح ہوں۔ (قرۃ العینین ص۲۶۷)

ہم کو یہاں اس حدیث سے صرف اسی قدر سروکار ہے کہ ابن عمر کے متعلق یہ حدیث بڑی معرکۃ الآراء ہے لہٰذا یہ بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ابن عمر کو جناب امیرؑ سے ایسی عداوت تھی کہ درجہ چہارم میں بھی حضرت کے خلافت یا فضیلت کے روادار نہیں ہیں کہ بعد عثمان بھی کسی طرح کی فضیلت ثابت ہو بلکہ تمام صحابہ کو ایک درجہ میں مانتے ہیں۔ نہیں نہیں ابن عمر نے اس پر بھی قناعت نہیں کی کہ جناب امیرؑ کو کسی طرح درجہ چہارم خلافت پر رہنے دیں بلکہ عام خلافت سے نکال دیا جیساکہ تاریخ الخلفاء میں ہے۔ (ص۱۴۳)

واخرج ابن عساکر عن عبداللہ بن عمر قال ابو بکر الصدیق اصبتم اسمہ عمر الفاروق قرن من حدید اصبتم اسمہ ابن عفان ذوالنورین قتل مظلوماً یوتی کفلین من الرحمۃ معاویہ وابنہ ملکا الارض المقدسہ والسفاح وسلام منصور وجابر والمھدی والامین وامیر الغضب کلھم من بنی کعب بن لوی کلھم صالح لا یوجد مثلہ قال الذھبی لہ طرق عن ابن عمر ولم یرفعہ احد۔

یعنی ابن عمر سے بارہ خلیفہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ابوبکر[۱] صدیق کا نام تم نے پالیا۔ عمر[۲] فاروق قرن جدید ہیں جنکا نام پالیا عثمان[۳] بن عفان جو مظلوم قتل ہوئے دو حصہ رحمت کا دیا جائے گا۔ معاویہ[۴] اور اُس کا بیٹا۔ یزید[۵] جو مالک ارض مقدس (شام) ہوئے۔ سفاح[۶]۔ منصور[۷]۔ جابر[۸]۔ مہدی[۹]۔ امین[۱۰]۔ امیر غضب[۱۱]۔ جو بنی کعب سے ہیں اور سب صالح ہیں جن کا مثل و نظیر نہیں پایا جاتا۔ کہا ذہبی نے یہ روایت چند طریقوں سے ابن عمر سے منقول ہے مگر کسی نے اسکی نسبت رسولؐ کی طرف نہیں دی۔

اس روایت کو بہ غور ملاحظہ فرمایئے اور پھر ابن عمر کی ایمانداری کی داد دیجیے کہ اس قدر بھی اُن کو گوارا نہ ہوا کہ جناب امیرؑ کا اسم مقدس کسی طرح اس فہرست لیں جو اُنھوں نے بارہ خلیفہ کی بنائی تھی معاویہ یزید کو جو صالح وبےنظیر بتاتے ہیں اُس سے ہم کو بحث نہیں کیونکہ اگر ابوبکر وعمر صالح تھے تو یہ اُن سے زیادہ اصلح تھے۔ اب آیئے اُس زمانہ کو دیکھئے جب کہ جناب امام حسینؑ شہید ہوچکے اور لوگوں نے یزید کے افعال قبیحہ سے تنگ آکر اُس کو معزول کرنا چاہا ہے تو اُن کو کیسی غیرت اور حمیت آئی:

جب اہل مدینہ نے یزید کو خلافت سے خلع کیا تو ابن عمر نے اپنے اولاد و خدم و حشم کو جمع کیا اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ہر غدر کرنے والے کے لئے بروز قیامت ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ

فضیحت ہو) اور ہم نے اُس شخص کی بیعت کی ہے اور یہ بیعت خدا اور رسولؐ کے لہذا ہم جہاں تک جانتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ بیعت کرنے پر اس سے قتال کیا جائے تو اب جو شخص اس سے قتال کرے گا یا اُس کو خلع کرے گا تو ہمارے اُس کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

(صحیح بخاری ص۵۵۵ حاشیہ فتح الباری جلد۶)

اب اس سے بڑھ کر کونسی طرفداری ہو سکتی ہے کہ یزید تو انکا امام اور مقتدا بنا اور جو اُس کو خلع کرنا چاہے اس سے آمادہ مخالفت ہوں پھر امام حسینؑ کی وہ کیا حمایت کرتے۔

چونکہ دنیا کو یزید اور معاویہ کے فسق و فجور کی خبر ہے لہذا ہم کو زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں مگر یہ تو آپنے دیکھ لیا کہ یزید کو جب لوگوں نے خلع کرنا چاہا تو انکو یہ جوش آیا مگر امام حسینؑ کا خون ناحق اُن کے نزدیک اس قابل نہ تھا کہ اُس پر جوش و خروش دکھایا جائے۔

حضرات اہلسنت یہاں آکر صحابہ کی بے بسی و بیکسی دکھاتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے تھے اُن کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر نہ کوئی اختیار تھا مگر یہ سب اوصاف اُسی وقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ اہلبیتؑ اطہار کے حقوق دبائے جاتے ہیں ورنہ دشمنان اہلبیتؑ کی تائید اور امداد میں اُن کو ہر طرح کی قوت و قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ بیعت عبداللہ بن عمر نے جو یزید کی کی تھی اہلسنت کو اس درجہ منفعل اور نادم کیا ہے کہ ہم اُس کی تفصیل نہیں لکھ سکتے ہیں نہ ضرورت ہے کیونکہ ثمرۃ الخلافہ اور تشئید البالی میں بشرح و بسط مذکور ہے اور مولوی حیدر علی نے ازالۃ الغین میں اس کا جواب دیا ہے جس کی رکاکت قابل دید ہے لہذا ہم اُس سے بحث نہیں کرتے صرف یہی دکھاتے ہیں کہ ابن عمر جو ایسے زاہد اور عابد کہے جاتے ہیں محبت اہلبیت طاہرین سے اُن کا دل کسقدر خالی تھا جس کا سبب بجز حب دنیا اور محبت اہل دنیا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ خود مولوی شبلی صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

"شافعی کا بیان ہے کہ میں نے انکو پانچسو تک کی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا ہے (الحدیث ص۲۵ ۱۳۱۶ھ)

پھر بتائیے تو اگر یہ جناب امیرؑ کے طرفدار ہوتے یا جناب امام حسینؑ کے مددگار تو یہ چادر انکو پانچسو کی کہاں سے ملتی اس حالت کے ساتھ مولوی شبلی صاحب کا یہ فقرہ کیا دلچسپ ہے:۔

"باوجود اس فقر و فاقہ کے حضرت عبداللہ بن عمر ہمیشہ مستغنی اور قانع رہے۔"

کیونکہ جو شخص پانچ پانچ سو کی چادر اوڑھے اُس کو کوئی فقیر کب جان سکتا ہے حالانکہ اسی نافع کی روایت فتح الباری میں ہے۔

ان نافع انکران یکون علی عمر دین وقد باع من ورثۃ میراثہ بمائۃ الف (ص۲۸۳ جلد۳)

کہ عمر کے ایک وارث نے اپنے میراث کو ایک لاکھ پر فروخت کیا۔

تو انھیں ورثہ سے ابن عمر بھی تھے انکو کہاں سے فقر آگھیر سکتا ہے حالانکہ خود لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ عبدالعزیز بن مروان نے زمانہ فتنہ میں اُنکے پاس کچھ مال بھیجا تو اُنھوں نے بخوشی قبول کیا"

پھر خود ہی لکھتے ہیں:-

"ایک مرتبہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم یا دینار (طبقات ابن سعد میں تعین نہیں ہے) بھیجے اور چاہا کہ اس لالچ سے یزید کی بیعت کرلیں حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ کیا میرا دین اسقدر سستا ہے"

اس سے اور بھی اس کی تصدیق ہوگئی کہ بیعت یزید اسی لالچ میں کی تھی کیونکہ بیعت کرنا یقیناً صحیح بخاری سے ثابت ہے اور پھر اس قسم کا جوش و خروش دکھانا اسکی حمایت میں تو اب اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ اسی لالچ میں اُنھوں نے یہ بیعت کی وہ اگر اس بیعت کو جائز نہ جانتے تو اُس مال کو واپس کرتے اور مردانہ وار اُسکے مخالفت پر آمادہ ہو جاتے مگر ہائے حب دنیا نے اُن کے باپ کو اس پر آمادہ کیا کہ مخالفت خدا و رسولؐ کر کے خود خلیفہ بنیں وہی دنیا اُن کو اس پر آمادہ کر رہی کہ معاویہ و یزید کے طرفدار ہوں۔ ورنہ دنیا میں کونسا عقلمند یزید ایسے شخص کو اپنا امام اور مقتدا بنا سکتا ہے جس پر سارے جہان کی لعنت برس رہی ہے۔

اس بحث کو اس وجہ سے طول ہو گیا کہ مولوی شبلی صاحب نے ابن عمر کے تعریف میں بڑا طومار باندھا تھا اور اس مضمون کو اہل حدیث بلکہ مرزائیوں نے بھی اپنے اخبار میں شائع کیا تھا لہٰذا حقیقت حال واضح کرنا پڑا کہ یہ کیسے دیندار تھے جس کا نتیجہ بھی انکو خود اس دنیا میں مل گیا کہ جن لوگوں کے خاطر اُنھوں نے اپنے دین و ایمان کو دنیا کے ہاتھ بیچا تھا انھیں نے قتل بھی کیا۔ چنانچہ اسد الغابہ میں ہے کہ:-

بحکم عبدالملک بن مروان حجاج حاکم مدینہ حج میں اُن کی اقتدا کرتا تھا یہ اُس پر بہت شاق تھا اُس نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ زہر کا بجھایا ہوا حربہ ابن عمر کے سر پر مار دے چنانچہ ایسا ہی ہوا چند روز اُس کے اثر سے بیمار رہے اور آخر مر گئے حجاج نے انکے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (ص ۲ جلد ۲)

دفن میں بھی وہی حجاج مزاحم ہوا استیعاب میں ہے:-

وکان اوصی ان یدفن فی الحل فلم یقدر علیٰ ذٰلک من اجل الحجاج و دفن بذی طویٰ فی مقبرۃ المہاجرین (ص ۳۸۱)

یعنی ابن عمر نے وصیت کی تھی کہ (حل) میں دفن کیے جائیں مگر حجاج کی وجہ سے نہ ممکن ہوا لہٰذا ذی طویٰ میں دفن کیئے گئے جہاں مقبرہ مہاجرین تھا۔

دیکھیئے جو حالت عثمان کی ہوئی تھی کہ روضۂ رسولؐ کے قریب نہ دفن ہو سکے۔ بلکہ یہودیوں کے باغ میں دفن ہوئے جہاں یہودی رفع حاجت کیا کرتے) وہی حالت ابن عمر کی ہوئی اور نیز ابن زبیر کی جس کو حجاج نے سولی دلوایا تھا اور بے نماز پڑھے دفن کیا گیا۔

اب اس کے مقابلہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کے مزار اقدس کو دیکھیئے کہ خود حضرت پر کیسے کیسے ظلم ہوئے مگر آج آپ کا مزار اقدس کس عظمت و شان کا ہے کہ سب اُسکی عظمت کرتے ہیں بلکہ حضرت مسلم دہائی

کے مزار اقدس کو دیکھئے کہ اُسی کوفہ میں پشت مسجد کوفہ پر دفن ہیں جہاں ان کی کیسی بے عزتی کی گئی تھی یہ نتیجہ اُس اخلاص کا جو ان حضرات کو خداوند عالم کے ساتھ تھا کہ دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود اُن کو یہ عظمت ملی۔ ابن عمر کے حال میں یہ بھی لکھا ہے :-

ماذکر ابن عمر رسول اللہ الا بکی ولا مر بربعھم الا غمض عینیہ (صلا ۲ اصابہ جلد ۲)

یعنی رسول اللہ کا جب تذکرہ آتا تو یہ رو دیتے اور جب حضرت کے مکانات وغیرہ کی طرف سے گذر ہوتا تو آنکھ بچکایا کرتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح اپنے محبت کا اظہار کرتے مگر حقیقت یہ تھی کہ اولاد رسولؐ کی انھیں ایسی محبت بھی نہ تھی کہ انکے ساتھ کسی طرح اظہار عقیدت کرتے۔

اب ہم بقیہ اصحاب کے حالات پر ایک نظر اجمالی ڈالتے ہیں تاکہ اُن کے اعمال وافعال سے معلوم ہو کہ وہ اس فریضہ مودت اہلبیتؑ کو کس طرح انجام دیتے تھے اگرچہ اہلسنت نے صرف چار ہی آدمی کا نام لیا ہے ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ۔ ابوسعید خدری۔ ابو واقد لیثی۔ ابن عباس جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ مگر ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوکہ ان لوگوں کو چھوڑ دیں لیکن قبل اس کے کہ ہم اُن صحابہ پر نظر ڈالیں ایک حدیث جناب امام جعفر صادقؑ کی کتاب کافی سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ فرائض مہاجرین وانصار کیا تھے اور اسکو کس قدر صحابہ نے نباہا۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں :

لعنکم اللہ یا معشر الانصار ثلثا ما علی ھذا عاھد تم رسول اللہ ولا بایعتموہ

(صافی شرح کافی صلا ۲۶۱ ج ۲)

یعنی خدا کی لعنت ہو تم پر اے گروہ انصار کہ تم نے اس طرح کا عہد نہیں کیا تھا رسول اللہ سے نہ ایسی بیعت کی تھی یہ حدیث حضرتؐ نے اُس موقع پر فرمائی ہے جب کہ اولاد امام حسن کو گرفتار کرکے بحکم منصور دوانقی لے گئے ہیں اور صدمہ سے حضرت کو بیس روز تک بخار آیا ہے پھر اس زمانہ کا کیا ذکر ہو جبکہ خود فرزند رسول احیاء اسلام کو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے اور کسی صحابی نے آپ کی بیعت نہ کی۔

(۱) ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف زہری۔ انکی عظمت ان کے نام سے ظاہر ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کے بیٹے ہیں جنھوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا ۹۵ھ میں اُن کی وفات ہے (اسد الغابہ صلا ۵۵)

خود صحابی بھی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں اگر یہ جناب امام حسینؑ کی رفاقت کرتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں حضرتؑ کی قوت کس درجہ بڑھ جاتی۔

ان کے باپ عبدالرحمان بن عوف خلیفہ ساز اتنے مالدار تھے کہ اسد الغابہ میں ہے انھوں نے اپنے ترکہ میں سونا بہت چھوڑا تھا وہ کلہاڑیوں سے کاٹا گیا اس سے مال کی اس قدر کثرت تھی کہ لوگوں کے ہاتھ بھر گئے اور ایک ہزار اونٹ سو گھوڑے اور تین سو بکریاں جو بقیع میں چرا کرتی تھیں چھوڑیں اور اُن کی چار بیبیاں تھیں جس میں سے ایک عورت کو اسّی ہزار روپیہ دیکر ان کے وارثوں نے رخصت کیا (صلا ۳۱۷ ج ۳)

احنف بن قیس۔ ان کے بارے میں عمر نے خط لکھا تھا کہ احنف اہل بصرہ کے سردار ہیں، اُس وقت سے اُن کی عزت بڑھتی گئی جنگ جمل میں اُن لوگوں سے تھے جو کسی طرف نہ تھے اور جنگ صفین میں یہ جناب امیر کی طرف تھے مگر شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے۔ استیعاب میں ہے:-

کان الاحنف احد اجلة العلماء الدھاة الحکماء العقلاء (صفحہ ۵۶)

یعنی احنف بڑے جلیل القدر ہوشیار۔ عاقل حکیم تھے ۶۷ھ میں وفات ہے (صفحہ ۵۶ اسد الغابہ)

اسود بن حازم ان کا سن حدیبیہ میں تیس ۳۰ برس کا تھا ۱۲۵ برس زندہ رہے مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی (صفحہ ۱۱۸ اسد الغابہ)

(۴) اسود بن عوف۔ یہ بھی صحابی ہیں جو ابن زبیر کی طرف سے حاکم مدینہ تھے اور اُنکے بیٹے جابر بن اسود نے سعید بن المسیب کو اس جرم پر درے لگائے کہ ابن زبیر کی بیعت نہیں کی (صفحہ ۱۲۵ اسد الغابہ)

(۵) اسود بن بلال: محاربی کوفی ۸۰ھ میں بمقام جماجم مارے گئے (صفحہ ۱۲۶ اسد الغابہ)

(۶) اسود بن یزید بن قیس۔ کوفہ کے فقہا اور وہاں کے مشاہیر میں سے تھے ۷۵ھ میں انکی وفات ہے (صفحہ ۱۲۷)

(۷) اسیر بن ظہیر۔ انصاری مدینہ کے رہنے والے ہیں زمانہ عبد الملک میں اُنھوں نے انتقال کیا۔ (صفحہ ۱۳۵)

(۸) اسیر بن عمرو درمکی۔ عبد اللہ بن مسعود کے بڑے شاگردوں میں سے تھے حضرتؐ کے زمانہ کے لوگوں میں سے ہیں ۸۵ھ میں انتقال ہے (صفحہ ۱۳۷ اسد الغابہ)

(۹) اشعث بن قیس۔ یہ اشعث ان لوگوں سے ہیں جو رسول اللہ کے بعد مرتد ہو گئے اور ابو بکر کے پاس قید ہو کر آئے تو کہا اپنی لڑائی کے لیے ہمیں چھوڑ دیجئے اور اپنی بہن کا نکاح ہم سے کر دیجئے اور یہی محمد بن اشعث کی ماں تھیں۔ (صفحہ ۱۴۰ اسد الغابہ)

ہم نے اس نام کو صرف اس وجہ سے لکھا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو محمد بن اشعث قاتلان امام حسینؑ سے ہے اور وہ خلیفہ اول کا حقیقی بھانجا ہے، جعدہ بنت اشعث بھی شاید اسکی بیٹی ہے جو قاتل امام حسنؑ علیہ السلام ہے۔

(۱۰) انس بن حارث۔ شہید کربلا ان کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا یہ میرا بیٹا یعنی حسینؑ سرزمین عراق میں شہید ہو گا پس جو شخص انکو پائے اُن کی مدد کرے۔ چنانچہ انس بھی حسینؑ کیساتھ شہید ہوئے (صفحہ ۱۲۳ اسد الغابہ)

استیعاب صفحہ ۳۴ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور نیز اصابہ ج ا صفحہ ۶۹ میں ہے:۔

مگر بہت سے اکابر اہلسنت کو یہ ناگوار گذرا کہ کسی صحابی کا نام بھی فہرست شہدائے کربلا میں آنے پائے اسی وجہ سے ذہبی نے تو صاف صاف کہہ دیا لا صحبة لہ مگر شکر خدا کہ بہت سے علماء اسکے طرفدار ہو گئے۔ چنانچہ ابن بغوی ابن سکین۔ ابن شاہین۔ دعولی۔ ابن زبیر۔ باوردی۔ ابن مندہ۔ ابو نعیم وغیرہ سب نے ان کے صحابی ہونے کا اقرار کیا مگر امام بخاری نے دوسری روش اختیار کی کہ ان کے صحابیت کو تو مانا مگر حدیث کو چاہا کہ ضعیف کر دیں چنانچہ اصابہ میں ہے:۔

انس نے حضرت سے روایت کی ہے کہ ہم نے سنا ہے آں حضرتؐ فرماتے تھے میرا فرزند حسین زمین کربلا

کے مزار اقدس کو دیکھئے کہ اُسی کوفہ میں پشت مسجد کوفہ پر دفن ہیں جہاں ان کی کیسی بے عزتی کی گئی تھی۔ یہ ہے نتیجہ اُس اخلاص کا جو ان حضرات کو خداوند عالم کے ساتھ تھا کہ دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود اُن کو یہ عظمت ملی۔ ابن عمر کے حال میں یہ بھی لکھا ہے:-

ماذکر ابن عمر رسول اللہ الا بکی ولا مر بربعھم الا غمض عینیہ (ص۱۰۷ اصابہ جلد ۴)

یعنی رسول اللہ کا جب تذکرہ آتا تو یہ رو دیتے اور جب حضرت کے مکانات وغیرہ کی طرف سے گذر ہوتا تو آنکھ بچکایا کرتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح اپنے محبت کا اظہار کرتے مگر حقیقت یہ تھی کہ اولاد رسولؐ کی انھیں ایسی محبت بھی نہ تھی کہ انکے ساتھ کسی طرح اظہار عقیدت کرتے۔

اب ہم بقیہ اصحاب کے حالات پر ایک نظر اجمالی ڈالتے ہیں تاکہ اُن کے اعمال و افعال سے معلوم ہو کہ وہ اس فریضہ مودت اہلبیتؑ کو کس طرح انجام دیتے تھے اگرچہ اہلسنت نے صرف چار ہی آدمی کا نام لیا ہے ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ۔ ابوسعید خدری۔ ابو واقد لیثی۔ ابن عباس جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ مگر ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہو کہ ان لوگوں کو چھوڑ دیں لیکن قبل اس کے کہ ہم اُن صحابہ پر نظر ڈالیں ایک حدیث جناب امام جعفر صادقؑ کی کتاب کافی سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ فرائض مہاجرین و انصار کیا تھے اور اسکو کس قدر صحابہ نے نباہا۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:-

لعنکم اللہ یا معشر الانصار ثلثاً ما علی ھذا عاھد تم رسول اللہ ولا بایعتموہ

(صافی شرح کافی ص۱۶۲)

یعنی خدا کی لعنت ہو تم پر اے گروہ انصار کہ تم نے اس طرح کا عہد نہیں کیا تھا رسول اللہؐ سے نہ ایسی بیعت کی تھی یہ حدیث حضرتؑ نے اُس موقع پر فرمائی ہے جب کہ اولاد امام حسنؑ کو گرفتار کرکے بحکم منصور دوانقی لے گئے ہیں اور صدمہ سے حضرت کو بیس روز تک بخار آیا ہے پھر اس زمانہ کا کیا ذکر ہو جبکہ خود فرزند رسول احیاء اسلام کو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے اور کسی صحابی نے آپ کی بیعت نہ کی۔

(۱) ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف زہری۔ انکی عظمت ان کے نام سے ظاہر ہے کہ عبدالرحمن بن عوف کے بیٹے ہیں جنھوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا ۵ھ میں اُن کی وفات ہے (اسد الغابہ ص۵۵)

خود صحابی بھی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں اگر یہ جناب امام حسینؑ کی رفاقت کرتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں حضرتؑ کی قوت کس درجہ بڑھ جاتی۔

ان کے باپ عبدالرحمان بن عوف خلیفہ ساز اتنے مال دار تھے کہ اسد الغابہ میں ہے انھوں نے اپنے ترکہ میں سونا بہت چھوڑا تھا وہ کلھاڑیوں سے کاٹا گیا اس سے مال کی اس قدر کثرت تھی کہ لوگوں کے ہاتھ بھر گئے اور ایک ہزار اونٹ سو گھوڑے اور تین سو بکریاں جو بقیع میں چرا کرتی تھیں چھوڑیں اور اُن کی چار بیبیاں تھیں جس میں سے ایک عورت کو اسی ہزار روپیہ دیکر ان کے وارثوں نے رخصت کیا (ص۱۲۹ ج۳)

ایقع بن عبید کلاعی۔ بھی صحابی ہیں ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۲۲۳)

ایمن بن خریم۔ بھی صحابی ہیں ان کے باپ بدری تھے مروان کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ (اسد الغابہ ص۲۲۴) مگر جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ یہ ایسے جلیل القدر تھے کہ خود مروان اُنسے طالب نصرت ہوا تھا۔

براء بن عازب۔ بڑے پایہ کے صحابی ہیں رسول اللہ کے ساتھ چودہ جہاد لیے ۲۴ھ میں ملک رے کو فتح کیا جنگ جمل وصفین ونہروان میں جناب امیرؑ کے ساتھ تھے بالآخر کوفہ میں رہ گئے اور وہیں گھر بنالیا تھا اور مصعب بن زبیر کے زمانہ میں وہیں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۲۳۵)

اصابہ میں ہے:۔ ابن حبان نے ۷۲ھ ان کے وفات کا سنہ بتایا ہے اور بہت سی حدیثیں انھوں نے آں حضرتؐ سے روایت کی ہیں اور ابوبکر وعمر وغیرہ سے بھی جو اکابر صحابہ سے تھے اور خود صحابہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ (اصابہ جلد اول ص۱۴۷)

مگر ہائے نصرت امام حسینؑ نہ کرسکے حالانکہ خود کوفہ میں رہتے تھے جہاں کے لوگوں نے حضرتؑ کو دعوت دی تھی مگر ایسا جلیل القدر صحابی نصرت امام حسینؑ کو نہ نکلا حالانکہ حضرتؐ نے تمامی انصار سے اس شرط پر بیعت لی تھی "میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم جن باتوں سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو ان سے میری بھی حفاظت کرنا" کعب بن مالک کہتے ہیں کہ براء بن معرور نے حضرتؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا کہ ہم ضرور ان باتوں سے آپکی بھی محافظت کرینگے جن سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں لہذا اے رسول خدا ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اور قسم خدا کی ہم لوگ بڑے جمعیت اور اتفاق والے ہیں۔

(صفحہ ۱۷۱ ج ۲ اسد الغابہ)

یہ براء بن عازب ایسے مقدس صحابی تھے کہ ریاض مستطابہ میں ہے کہ قبل تشریف آوری رسول اللہ مدینہ میں یہ بہت سے سورے قرآن کے یاد کرچکے تھے مفصل سوروں سے سبح اسم ربک الاعلیٰ کی ایسی سورہ پڑھ چکے تھے یہ اور ابن عمر ایک سن کے تھے اس وجہ سے جناب بدر میں نہیں شریک کیے گئے

ان سے چالیس حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہیں جن میں پندرہ حدیثوں میں بخاری متفرد ہیں اور چھ میں مسلم باقی دونوں کے یہاں متفق علیہ ہیں۔ (ریاض مستطابہ ص۳۹)

ان حالات سے آپ خیال کرسکتے ہیں کہ اگر یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے تو کیا فرزند رسولؐ اس آسانی سے قتل ہوجاتا مگر ہائے کہاں تھا وہ دردِ دین جس سے وہ اُس وعدہ کو پورا کرتے جو بوقت اظہار اسلام کہا تھا کہ ہم آپکی ویسی ہی حفاظت کرینگے جیسا کہ اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں۔

تواریخ ورجال سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آخر انھوں نے فرزند رسولؐ کی نصرت کیوں نہ کی۔ مگر یہ کہ کہا جائے **ابن زیاد** نے روکا ہو جیسا کہ اور اہل کوفہ کے ساتھ یہی برتاؤ کیا مگر یہ عذر چنداں معقول نہیں ہے کیونکہ حضرت حبیب ابن مظاہر مسلم بن عوسجہ بھی تو کوفہ ہی میں رہتے اور اسی محاصرہ ابن زیاد میں مبتلا تھے

مگر نصرت امام کو کربلا پہونچ گئے۔

بریدہ بن حصیب اسلمی۔ یہ بھی بزرگان صحابہ سے ہیں بعد جنگ احد خدمت رسول میں حاضر ہوئے اور جنگ حدیبیہ اور بیعۃ الرضوان میں شریک رہے پہلے یہ بصرہ میں جاکر رہے پھر خراسان چلے گئے اور بمقام مرو سکونت اختیار کی رسول اللہ نے جب جناب امیرؑ کو یمن کی طرف بھیجا کہ خالد بن ولید سے خمس وصول کریں تو بریدہ بھی خالد کے ساتھ تھے انھوں آکر جناب امیرؑ کی شکایت کی رسول اللہ سے " آپ نے فرمایا کہ اے بریدہ کیا تم علی سے بغض رکھتے ہو " میں نے عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا اُن سے بغض نہ رکھا کرو اور روح کبھی یوں کہتے تھے کہ حضرت نے فرمایا اُن سے محبت رکھا کرو کہ خمس میں اُن کا حصہ اس سے زیادہ ہے۔ (اسد الغابہ صلہ ۲۱۴)

اس واقعہ کو صحیح ترمذی میں اسطرح لکھا ہے:-

"حضرت نے ایک لشکر کا سردار بنا کر جناب امیرؑ کو بھیجا تو آپ نے ایک لونڈی کو اپنے حصہ میں لیا جس پر چار صحابی نے باہم عہد کیا کہ جب خدمت رسول اللہ میں پہونچیں گے تو آپ کی شکایت کرینگے چنانچہ جب وہ لوگ آئے تو پہلے ایک کھڑا ہوا اور شکایت کرنے لگا آں حضرت نے اسکے طرف سے منھ پھیر لیا اسی طرح دوسرے تیسرے صحابی نے شکایت کی ہر مرتبہ حضرت نے منھ پھیر لیا۔ جب چوتھا کھڑا ہوا تو حضرت اس کے طرف متوجہ ہوئے اس حالت میں کہ آثار غضب آپکے چہرہ سے نمایاں تھے اور فرمایا تم کیا چاہتے ہو علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو علی سے۔ میں علیؑ سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں وہ ہمارے بعد ہر مومن و مومنہ کے ولی ہیں۔ (صحیح ترمذی صلہ ۲۹۸)

یہ روایت بریدہ اسلمی سے بھی مروی ہے اور اصل اُس کی صحیح بخاری میں ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے دل میں کیسا بغض جناب امیرؑ بھرا تھا کہ باخود ہا عہد کرکے خدمت رسول میں آتے تھے اور شکایت کرتے تھے۔

اور روضۃ الصفا میں ہے:-

بریدہ اسلمی نے اپنے قبیلہ میں ایک علم آراستہ کیا اُسے لیکر مدینہ آئے اور حضرت علیؑ کے دروازہ پر نصب کردیا حضرت عمر کو اسکی اطلاع ہوئی انھوں نے بریدہ سے کہا سب لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے اب تم ابوبکر کی مخالفت کیوں کر رہے ہو بریدہ نے کہا میں اس گھر والے (علی ابن ابی طالبؑ) کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کروں گا۔ اسکے بعد صحابہ اکٹھا ہوئے اور انھوں نے بریدہ کو بلا بھیجا بریدہ آئے لوگوں نے کہا تمھیں کیا ہوا ہے اور یہ کیسی باتیں تمھارے متعلق بیان کی جارہی ہیں بریدہ نے کہا صورت حال یہ ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا نے مجھے اور خالد بن ولید کو علیؑ کی ماتحتی میں یمن کی طرف روانہ کیا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس زمانہ میں علیؑ سے بڑھکر میں کسی اور کا دشمن نہ تھا جب میں سفر سے واپس ہوا تو میں سب سے پہلے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا پیغمبر صلعم نے مجھ سے پوچھا تم نے علیؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے میں نے بنا بر اس کدورت کے جو میں علیؑ کی طرف سے دل میں رکھتا تھا علیؑ کی بدگوئی کی میری باتوں سے پیغمبرؐ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا پیغمبر صلعم نے فرمایا بریدہ کیا تم ایسے شخص کی

بدگوئی کر رہے ہو جو میرے بعد تمام لوگوں سے بہتر اور اُن کا ولی و سید و سردار ہے میں نے جب آن حضرت کی زبان سے یہ بات سُنی عرض کیا یا رسول اللہ میں ہر اُس چیز سے توبہ کرتا ہوں جو آپ کی ناخوشی و برہمی کا باعث ہو میری درخواست ہے کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیے اور میری بخشائش کی خدا سے درخواست کیجئے پیغمبرؐ نے فرمایا علیؑ کو آلینے دو اتنے میں علیؑ آئے اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر نعلین ٹھیک کرنے لگے میں نے پیغمبر خدا سے عرض کی یا رسول اللہ علیؑ آچکے ہیں اب اپنا وعدہ پورا کیجئے پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا اے خاصف النعل یہ بریدہ آئے ہیں اور تمھاری شکایتیں کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا کلیجہ تمھارے خلاف مشتعل ہے میں نے اُن سے کہا ہو کہ تم ایسے شخص کی بدگوئی کر رہے ہو جو میرے بعد تم لوگوں کا سید و سردار اور حاکم ہے ان بُریدہ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے لئے استغفار کروں میں بھی استغفار کر رہا ہوں تم بھی استغفار کرو۔ بُریدہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد پیغمبرؐ نے میرے لئے دعائے مغفرت کی اور علیؑ نے بھی دعا کی اسکے بعد میں اپنے گھر واپس آیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بُریدہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب رہے۔ (روضۃ الصفا صفحہ ۲۳)

مگر افسوس کہ یہ بھی شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے جس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ بہت دور رہتے تھے وفات ان کی ۶۳ھ میں ہوئی بزمانہ حکومت یزید۔ (اصابہ صفحہ ۱۵۱)

بسر بن ارطاۃ۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں بوقت وفات رسولؐ یہ کمسن تھا مگر اہل شام کہتے ہیں اُس نے رسول اللہ سے حدیثیں سُنی ہیں۔ اسکو عمر بن الخطاب نے فتح مصر میں عمرو عاص کی مدد میں بھیجا تھا۔ جنادہ بن امیہ کی روایت ہے کہ سفر دریا میں ایک چور اسکے سامنے لایا گیا تو کہا ہم نے رسولؐ سے سُنا ہے کہ سفر میں چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

بسر جنگ صفین میں معاویہ کی طرف تھا اور حضرت علیؑ اور انکے ساتھیوں کے لئے بہت سخت تھا یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ بسر صحابی نہیں ہیں اور وہ کہتے تھے کہ وہ بُرا آدمی تھا اس وجہ سے کہ اسلام میں اس سے بہت ناشائستہ کام ہوئے منجملہ اُس کے وہ جو مؤرخین اور محدثین نے نقل کیا ہے کہ اس نے عبدالرحمان اور قثم کو جو دونوں عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے اُن کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا اور یہ دونوں بچے کمسن تھے معاویہ نے اسے حجاز اور یمن کی طرف بھیجا تھا کہ شیعہ علیؑ کو قتل کرے اور معاویہ کے لئے لوگوں سے بیعت لے۔ چنانچہ یہ مدینہ (منورہ) آیا اور وہاں بہت بُرے بُرے کام کیے اور یمن گیا اور اسوقت یمن میں عبیداللہ بن عباس حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی طرف سے عامل تھے۔ عبیداللہ وہاں سے بھاگ گئے پس بسر وہاں پہونچا تو یہ فعل (یعنی اُن صاحبزادوں کو ذبح کرنا) وہیں کیا اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ بُسر نے یہ فعل مدینہ میں کیا مگر پہلا قول زیادہ مشہور ہے کہ ابو عمر نے کہا ہے کہ دار قطنی نے لکھا ہے کہ بسر بن ارطاۃ صحابی تو ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مستقیم نہیں رہا جب اُس نے حضرت عبیداللہ کے صاحبزادوں کو قتل

کیا تو اُنکی والدہ عائشہ بنت عبد المدان کو سخت صدمہ ہوا اور اُنھوں نے یہ چند اشعار کہے جن میں کا ایک شعر یہ ہے

ھا من احسن بعیف الذین ھما کالدرتین تشظی عنھما الصدف

یہ اشعار مشہور رہیں پھر انھیں جنون ہوگیا موسم حج میں لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس شعر کو پڑھتی تھیں اور اپنے منھ پر طمانچہ مارتی تھیں اس واقعہ کو ابن انباری اور مبرّد اور طبری اور ابن کلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے پھر بسر مدینہ گیا مدینہ کے بھی بہت سے لوگ بھاگ گئے جن میں جابر بن عبد اللہ اور ابو ایوب انصاری وغیرہ تھے وہاں بھی بسر نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور یمن میں بھی قبیلہ ہمدان پر تاخت کی اور ان کی بیبیوں کو لونڈی بنایا یہ سب سے پہلی مسلمان عورتیں تھیں جو اسلام میں لونڈی بنائی گئیں بسر نے مدینہ میں بہت سے گھر بھی گرادیے تھے یہ حادثہ کتب تواریخ میں مذکور ہے اس میں طول دینے کی حاجت نہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ بسر نے مدینہ میں بعہد خلافت معاویہ وفات پائی اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ بعہد عبد الملک بن مروان ملک شام میں وفات پائی آخر عمر میں سٹھیا گیا تھا۔ (عقل زائل ہوگئی تھی) اس کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے (ص ۱۲۹ اسد الغابہ جلد اول)

ہمنے انکا حال اسوجہ سے لکھا ہے کہ اہلسنت کے یہاں یہ بھی صحابی ہیں اور ان کے ایسے افعال تھے نہ اس خیال سے کہ اُن سے نصرت امام حسینؑ کی امید تھی۔ مگر اُن کے ایسے افعال تھے کہ خود اہلسنت کو بھی اقرار کرنا پڑا چنانچہ مترجم اسد الغابہ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں "بسر کو اگر صحابی مان لیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم اُن صحابہ کے فضائل کے معتقد ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے اب اُن کا شریعت پر مستقیم رہنا خواہ ہمیں روایات سے معلوم ہوا ہو۔ قرآن عظیم سے مثلاً قرآن مجید میں اُنکی تعریف ہو یا خدا نے اپنی رضامندی اُن سے ظاہر فرمائی ہو جیسے مہاجرین و انصار اور اصحاب بیعۃ الرضوان کے لئے ان صحابہ کے مستقیم رہنے کا ہم کو قرآن سے علم ہوا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر اُن کا انجام اچھا نہ ہوتا تو ہرگز اُن کی تعریف نہ فرماتا نہ اپنی رضامندی ظاہر کرتا باقی رہے وہ بعض بعض صحابہ جو مبتلائے فتن ہوئے ان کے فضائل کے ہم معتقد نہیں ہیں صرف بہ پاس ادب صحبت سردار انبیاء صلعم انکا سب و شتم جائز نہیں

اقول الحمد للہ نہ معلوم ہماری کن جانکاہیوں نے آپسے یہ کلمہ کہلوایا جسکے بعد ہمارے آپکے کل اختلافات دفع ہوجاتے ہیں اگر صدق دل سے یہ کلمہ کہا ہو کیونکہ شیعہ سنی میں اختلافی امر یہی ہے کہ آیا کل صحابہ مغفور ہیں یا نہیں اہلسنت اسکے قائل ہیں:

الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم

صحابہ سب کے سب عادل ہیں اُن میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

شیعہ اور اہل فہم اہلسنت بھی اسکے قائل ہیں کہ بہ نصّ قرآن (منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ) صحابہ میں ممدوح و مقدوح دونوں ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے وہ ممدوح ہیں۔

الحمد للہ کہ آپنے بھی اسکا اقرار کیا، "ہم اُن صحابہ کے فضائل کے معتقد ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے" جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو شریعت پر مستقیم نہیں رہے تو وہ کلیہ غلط ہوا الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم

ذریعہ تحقیقات جو آپ نے قرار دیئے یعنی آیات و روایات وہ بسر و چشم کل مسلمانوں کو منظور ہے مگر افسوس کہ قرآن کا

کوئی آیہ یہ نہیں کہتا کہ خداوند عالم کل مہاجرین و انصار سے رضی ہے بلکہ اور شرائط بھی اُسکے ساتھ ہیں۔
چنانچہ خود آیہ رضوان سورہ فتح میں ہے:۔

وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّالحات منھم مغفرۃ واجراً عظیماً۔

یعنی اُن لوگوں میں سے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور عمل نیک کیا ان سے خدا نے مغفرت و اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے

منھم نے بتا دیا کہ سب ایسے نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں پھر آیہ لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ میں بھی قید ایمان موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ یا کل مہاجرین و انصار مغفور نہیں ہیں بلکہ وہی جو مومن ہیں لہٰذا قرآن تو تمامتر آپکے خلاف ہے اس سے تمامتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ کل صحابہ ممدوح ہیں نہ کل مغفور بلکہ منکم من یرید الدنیا و یمیز الخبیث من الطیب موجود ہے جس سے اکثر صحابہ کا طالب دنیا اور خبیث ہونا ظاہر ہے۔

رہے روایات تو تمامی صحاح ستہ میں لن یزالوا مرتدین منذ فارقتھم اور من اصحابی من لا یرانی موجود ہے جس سے ثابت ہوا کہ عموماً تمامی صحابہ ممدوح نہیں ہیں لہٰذا بجز اس کے چارہ نہیں کہ عموم آیات کے ساتھ خصوص روایات ملا کر نتیجہ نکالا جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ وہ روایات قبول ہوں جو متفق علیہ فریقین ہوں کہ سنی شیعہ کسی کو بھی اسکے قبول میں عذر نہ ہو پھر دیکھئے نتیجہ کس کے حسب خواہ نکلتا ہے۔

بہر حال آپ کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ "باقی رہے وہ بعض صحابہ جو مبتلائے فتن ہوئے اُنکے فضائل کے ہم معتقد نہیں" جس سے بخوبی ظاہر ہوا کہ اگرچہ وہ بظاہر صحابی ہیں مگر بوجہ ابتلائے فتن آپ اُنکے فضائل کے معتقد نہیں تو آپ غور فرمائیے خلفائے ثلٰثہ سے بڑھکر کون مبتلائے فتنہ ہوا۔ چونکہ فتنہ رسول کے بعد سے شروع ہوتا پھر دیکھئے کون مبتلائے فتنہ ہوا کیا آپ کہہ سکتے ہیں جن لوگوں نے بطمع دنیا جنازہ رسولؐ میں شرکت نہ کی اُن سے بڑھ کر کوئی مبتلائے فتنہ ہوا خدا فرماتا ہے۔

احسب النّاس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللّٰہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔

کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے وہ فتنہ میں ڈالے نہ جائیں گے۔ حالانکہ پہلے لوگوں کو بھی فتنہ میں ڈالا ہے کہ خدا معلوم کرے ظاہر کرے صادقوں کو اور کاذبوں کو۔

رہا آپ کا یہ جملہ "صرف بپاس ادب صحبت سرور انبیاء اُن کا سب و شتم جائز نہیں سمجھتے" تو اس خیال سے عام مخلوقات خدا زیادہ قابل احترام ہیں کیونکہ وہ خدا کے پیدا کیئے ہوئے ہیں اور حضرت آدم و حوا کے نسل سے ہیں پھر اُن کا سب و شتم بلکہ قتل کیوں واجب ہوا۔ آپکے خلفاء تو ایسے صحابی کے سب و شتم بلکہ قتل کو بھی واجب کہیں جو اُن کے مخالف رائے ہوں لیکن آپ دشمنان رسولؐ و اہلبیت اطہار کے احترام کو ضروری قرار دیں۔ ان ھذا لشئی عجاب۔

دوسرا حاشیہ پھیر دیتے ہیں۔ "منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علیؑ کہتا تھا یہ انھیں باغیوں کا گروہ تھا جنھوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور طرح طرح کے فتنے برپا کیئے انھیں کا قتل معاویہ کو منظور تھا" یہ ظلم و ستم جو بسر نے حضرت عبید اللہ کے معصوم بچوں پر کیئے جنکے سننے سے ہمارے دل آج کانپتے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

اقول یہ تحقیقات سب سے نرالی ہے کہ منافق اپنے کو شیعہ علیؑ کہیں حالانکہ خود صحیح مسلم وغیرہ صحاح میں ہے :-
منافق کی شناخت اسی سے ہوتی تھی کہ وہ دشمن
"انا کنا نعرف المنافقین ببغض
علی ابن ابی طالبؑ"
علیؑ تھے۔
پھر یہ کلام آپ کا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ "منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علیؑ کہتا تھا" کیونکہ
اگر صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہو تو آپ کا کلام غلط ہے اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ غلط۔
شیعیان علی سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت
علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور اُنکے ساتھ ہو کے اُن کے مخالفین سے لڑتے تھے جو تمام تر اہلسنت کے عقائد رکھتے تھے گو یہ لفظ
یعنی شیعہ اب زیادہ تر مخالفین اہلسنت پر اطلاق پاتا ہے مگر زمانۂ قدیم میں اہلسنت ہی کے لئے یہ لفظ مستعمل ہوتا تھا اور باعتبار
لغت کے یہ لفظ بالکل عام ہے جو شخص کسی کے گروہ میں ہو اُسکو اُس کا شیعہ کہتے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے خود قرآن مجید
میں حضرت ابراہیمؑ کو نوح علیہ السلام کا شیعہ فرمایا ہے (صـ۱۱۱)
محمود مترجم صاحب تذکرہ اسود میں اس کے قبل لکھ چکے ہیں۔ کیوں صاحب وہاں بھی اسی بسر بن ارطاۃ کا ذکر تھا کہ معاویہ نے قتل شیعیان علیؑ کے لئے اسے بھیجا تھا جس پر آپ نے
شیعہ کی یہ تعریف کی کہ وہ قدمائے اہلسنت تھے اور وہ ہمراہیان جناب امیرؑ سے تھے یہاں آکر کیا ہوگیا جو شیعہ کا خطاب
منافقوں کو عنایت کیا گیا ہاں اگر یہ مطلب ہو کہ وہی منافق قدمائے اہلسنت تھے تو یہ دوسری بات ہے مگر وہ تو کسی زمانہ
میں بھی شیعہ نہیں کہے گئے کیونکہ شیعہ اور منافق میں تو وہی نسبت ہے جو روز اور شب میں ہوتی ہے کہ دونوں کبھی
جمع نہیں ہوسکتے۔
بہر حال اڈیٹر صاحب النجم کا یہ کہنا کہ معاویہ کا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کو قتل کریں جو شریک قتل عثمان ہوئے
محض غلط ہے کیونکہ خود تاریخ کامل میں ہو۔ (صـ۱۵۳ جلد ۵)
کہ بسر بن ارطاۃ جب داخل مدینہ ہوا تو منبر پر جاکر آواز دی۔ یا دینار۔ یا نجار یا زریق یہ تین قبیلے تھے جن سے اسکو
رشتۂ قرابت تھا اُسکے بعد کہا ہمارا شیخ یعنی عثمان کہاں ہے اگر معاویہ نے اس کا عہد نہ لیا ہوتا تو ہم مدینہ میں ایک
جوان کو بھی زندہ نہ چھوڑتے۔" جس سے معلوم ہوا کہ باشندگان مدینہ قاتلان عثمان سے تھے مگر بسر نے اُن سب کو چھوڑ دیا۔
رہا واقعہ شہادت فرزندان عبید اللہ بن عباس تو تاریخ کامل میں اسطرح ہے :-
کہ بسر مدینہ سے جانب مکہ روانہ ہوا تو ابو موسیٰ اشعری اُسکے خوف سے بھاگ گئے اس کے بعد جانب یمن روانہ
ہوا۔ عبید اللہ بن عباس وہاں کے عامل تھے وہ بھاگ کر جناب امیرؑ کے پاس آئے اور عبید اللہ بن عبد المدان
حارثی کو اپنا نائب کیا بسر نے جاکر انھیں قتل کیا اور اُنکے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور دونوں فرزندان عبید اللہ بن عباس
کو جو کمسن تھے اُن کا نام عبد الرحمان اور قثم تھا اور وہ دونوں ایک شخص کے پاس تھے جو قبیلہ کنانہ سے تھا اور صحرا
میں رہا کرتا تھا جب بسر نے اُن لڑکوں کو گرفتار کیا اور چاہا کہ قتل کریں تو اس کنانی نے کہا انکو کیوں قتل کرتا ہے
حالانکہ دونوں بے قصور ہیں اور اگر تو انکو قتل کرتا ہے تو مجھے بھی قتل کر ڈال چنانچہ بسر نے اسے بھی قتل کیا

اور دوسری روایت میں ہے کہ پہلے وہ لڑا ہے اور مارا گیا اور ان دونوں لڑکوں کو بھی اس کے ساتھ دفن کر دیا

فخرج نسوة من بنی کنانه فقالت امرءة منهن یا هذا قتلت الرجال فعلام یقتل هذین والله ما کانوا یقتلون فی الجاهلیة والاسلام والله یا ابن ابی ارطاة ان سلطان لا یقوم الا بقتل الصبی الصغیر والشیخ الکبیر ونزع الرحمة وعقوق الارحام لسلطان سوء وقتل بسر فی مسیره ذالک جماعة من شیعة علی ؑ بالیمن (ص ۱۵۳)

یعنی بنی کنانہ کی عورتوں نے نکل کر غل مچایا کہ ابن ارطاۃ تو نے مردوں کو قتل کیا پھر ان لڑکوں کو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ بچے نہ تو جاہلیت میں قتل کیے جاتے تھے نہ اسلام میں۔ جو سلطنت ایسی ہو کہ بغیر قتل اطفال و شیخ کبیر نہ قائم ہو اور جب تک بیرحمی اور عقوق ارحام اس میں شامل نہ ہو تو وہ سلطنت نہایت بد ہے۔ اسی سفر میں بسر نے بہت سے شیعیان جناب امیرؑ کو قتل کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اُن کا جرم صرف اسی قدر تھا کہ وہ شیعہ جناب امیرؑ تھے نہ یہ کہ کوئی اُن میں قاتلان عثمان سے ہو بلکہ قاتلان عثمان کو تو اُسنے دیدہ و دانستہ مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔

اس واقعہ قتل فرزندان عبید اللہ بن عباس کا اثر جناب امیرؑ پر کیا ہوا اسی تاریخ کامل میں ہے ص ۱۵۴

یعنی جناب امیرؑ نے جب اس واقعہ کو سُنا تو بہت روئے اور بسر پر بددعا کی کہ خدایا اسکے عقل و دین کو سلب کرے چنانچہ یہ بددعا قبول ہوئی اور وہ دیوانہ ہو گیا کہ کہا کرتا تلوار لاؤ لوگ لکڑی کی تلوار دیدیا کرتے اور وہ مشک وغیرہ پر مارا کرتا۔ جب معاویہ کی حکومت قائم ہوئی تو ایک روز عبید اللہ بن عباس اسکے پاس گئے اور بسر بھی وہاں بیٹھا تھا تو عبید اللہ بن عباس نے کہا ہم تو چاہتے تھے جس وقت تو نے ہمارے لڑکوں کو قتل کیا زمین ہم کو گھاس بنا کر وہاں اُگا دیتی بسر نے کہا یہ میری تلوار حاضر ہے عبید اللہ نے چاہا لے لیں معاویہ نے روکا اور کہا خدا تجھے رسوا کرے کہ شیخ خرف ہو گیا ہے اگر یہ تلوار ان کے ہاتھ میں پڑ جاتی تو پہلے ہمکو قتل کرتے عبید اللہ نے بیشک پہلے تجھے قتل کرتے تب اس ملعون کو۔

افسوس کہ صاحب اسد الغابہ نے اسکو تو لکھا ہے کہ بسر آخر میں مجنون ہو گیا تھا مگر اس کو نہ لکھا کہ یہ اثر بددعائے جناب امیرؑ تھا نہ معلوم اس میں کیا مصلحت تھی۔

بہر حال بسر بن ارطاۃ بھی قریش سے اور لوی بن غالب بن فہر کے اولاد سے تھا استیعاب میں ہو کہ خلیفہ دوم نے اسکو بھی مدد عمرو عاص کے لیئے مصر روانہ کیا تھا (گویا یہی اسکی ابتدائی تاریخ ہے) دو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کرتا ہے مصنف استیعاب لکھتے ہیں "یہ اسلام میں بہت سے امور عظیم کا مرتکب ہوا جس میں سے یہ بھی ہے کہ عبید اللہ بن عباس کے دونوں فرزند صغیر کو اُن کے ماں کے سامنے ذبح کیا دارقطنی کہتے ہیں بعد رسول اس میں استقامت نہیں رہی لما وجه معاویه بسر بن ارطاة لقتل شیعة علی رضی الله عنه اس کو معاویہ نے اس غرض سے۔ مکہ

مدینہ یمن کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جاکر شیعیان جناب امیرؑ کو قتل کرے۔

اغار بسر بن ارطاۃ علی ھمدان وقتل و سبی نساء ھم فکن اول مسلمات سبین فی الاسلام وقتل احیاء من بنی سعد۔

یعنی بسر بن ارطاۃ نے قبیلہ ہمدان کو غارت کیا اور لوگوں کو قتل کیا اور عورتوں کو قید کیا یہ پہلا واقعہ ہے کہ مسلمان عورتیں قیدی بنائی گئیں۔ اسلام میں یہ پہلی عورتیں تھیں جو قید کی گئیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بنی حنیفہ کی عورتیں جو جنگ یمامہ میں قید ہوئیں زمانۂ ابوبکر میں انکو یہ لوگ مسلمان نہیں مانتے تھے ورنہ پہلا قید تو انھیں عورتوں کا ہوا تھا) اور چند قبیلوں کو بنی سعد سے قتل کیا۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ وہ دو ڈر سے پناہ مانگتے تھے ایک اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں۔ دوسرے اس ڈر سے کہ مسلمان عورتیں قید کی جائیں۔ بعد قتل عثمان معاویہ نے بُسر بن ارطاۃ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو مسلمان عورتیں قید کرکے لائی گئیں اور بازار میں اُنکی قیمت لگائی گئی۔ بسر کو معاویہ نے جب روانہ کیا تو وہ شام سے مدینہ آیا وہاں ابوایوب انصاری جناب امیرؑ کے عامل تھے بھاگ کر خدمت جناب امیرؑ میں حاضر ہوئے اور بسر منبر رسولؐ پر گیا اور کہا ہمارا وہ شیخ کہاں ہے جس کو کل ہم چھوڑ گئے تھے مقصود اس سے عثمان تھے اُس کے بعد اہل مدینہ سے خطاب کرکے کہا اگر معاویہ سے ہم عہد کرکے نہ آئے ہوتے تو اس مدینہ میں کسی کو زندہ نہ چھوڑتے مگر سب کو قتل کر ڈالتے اسکے بعد حکم دیا کہ سب معاویہ کی بیعت کریں اُسکے بعد بنی سلمہ کو بلوا بھیجا اور کہا جب تک جابر بن عبداللہ انصاری کو حاضر نہ کرو گے تم کو امان نہ ملے گی۔ حضرت جابر۔ ام سلمہ زوجۂ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات بیان کئے اور کہا یا تو بیعت ضلالت ہم اختیار کریں یا قتل کئے جائیں حضرت ام سلمہ نے کہا جاکر بیعت کرلو تب جابر بُسر کے پاس آئے اور بیعت کی اس کے بعد بُسر نے بہت سے مکانات مدینہ گروا دیے وہاں سے مکہ کا قصد کیا۔ ابوموسیٰ اشعری وہاں کا حاکم تھا یہ خبر سنکر وہ بھاگ گیا تو بسر نے کہا وہ ناحق بھاگا ہم اُسکو قتل نہ کرتے کیونکہ اس نے تو جناب امیرؑ کو خلافت سے خلع کیا تھا اسکے بعد یمن گیا اور وہاں نائب عبیداللہ بن عباس عبداللہ بن عبدالمدان حارثی کو اور اسکے بیٹے کو قتل کیا اور حضرت عبیداللہ کے دونوں کمسن فرزندوں کو ذبح کیا تب جاکر شام لوٹ آیا۔

بُسر کو معاویہ نے صفین کی لڑائی میں حکم دیا تھا کہ جاکر جناب امیرؑ سے مقابلہ کرے کیونکہ اگر حضرتؑ کو قتل کرے گا تو پھر دنیا و آخرت دونوں کا کام بن جائے گا۔ آخر وہ مقابلہ کے لئے نکلا اور جناب امیرؑ نے اُسکو زمین پر گرادیا تو اُسکے ساتھ بھی وہی پیش آیا جو عمر بن العاص کے ساتھ پیش آیا تھا جس پر یہ اشعار اُسی زمانہ میں تصنیف ہوئے۔

وفی کل یوم فارس لیس ینتھی	وعورتہ وسط العجاجہ بادیہ
ہر روز نیا سوار آتا ہے جس کی انتہا نہیں ہوتی	حالانکہ شرمگاہ اُس کی سرراہ کھلنے والی ہے
یکف لھا عنہ علی سنانہ	ویضحک منھا فی الخلاء معاویہ
باز رکھتے ہیں بسبب اسکی شرمگاہ کے علیؑ اپنے نیزہ کو	اور ہنستا ہے اُس پر تنہائی میں معاویہ
بدت امس من عمرو فقنع راسہ	وعورۃ بسر مثلھا حذو حاذیہ

کل عمرو عاص کی شرمگاہ کھلی کہ حضرتؑ نے منہ چھپالیا   اسی طرح بسر کی شرمگاہ کھلی برابر برابر

فقولا لعمرو وابن ارطاۃ انظرا   سبیلکما لا تلقیا اللیث ثانیہ

پس کہو عمرو عاص اور بسر بن ارطاۃ سے کہ دیکھو   اپنی راہ کہیں پھر شیر سے دوبارہ سامنا نہ ہو۔

ولا تحمدا الا الحیا وخصاکما   ھما کانتا واللہ للنفس واقیہ

اور نہ شکرگذار ہو مگر اپنی شرمگاہ اور خصیوں کا   کہ یہی دونوں بخدا جان کے بچانے والے ہیں

فلولا ھما لم ینجو من سنانہ   وتلک بما فیھا عن العود ناھیہ

پس اگر وہ دونوں نہ ہوتے تو ہرگز حضرتؑ کے نیزہ سے نہ بچتے   اور یہ بات بسبب اُس عار کے دوبارہ مقابلہ سے مانع ہو

متی تلقیا الخیل المغیرۃ صبحۃ   وفیھا علیٰ فاترکا الخیل ناحیہ

جب کسی لشکر غارت دار کو دیکھو   کہ اس میں علیؑ ہوں تو لشکر سے نکل بھاگو

وکونا بعیدا حیث لا یلتقی القنا   نحورکما ان التجارب کافیہ

اور دور کھڑے ہو کہ نیزہ نہ پہونچ سکے   تم لوگوں کے گلے تک کیونکہ تجربہ کافی ہو چکا ہے

واضح رہے کہ یہ طریقہ کشف عورتین کا جو عمرو عاص نے اور بسر بن ارطاۃ نے کہ دونوں مشہور صحابی ہیں اختیار کیا۔ اس میں ان دونوں نے شاگردی کی ہے طلحہ کافر کی کیونکہ جنگ اُحد میں جو ۳ھ ہجری میں روبرو حضرت رسولؐ کے ہوئی جناب امیرؑ نے علمدار لشکر کفار پر کہ نام اُس کا طلحہ بن ابی طلحہ تھا حملہ کیا تو اُس کی عورتیں بھی کھل گئی یعنی بے ستر ہو گیا تو جناب امیرؑ نے اُسکو چھوڑ دیا جیسا کہ شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:۔

اسکے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو علمدار لشکر قریش تھا باہر آیا اور دعوت مبارزت دی میدان جنگ کے سورما اور لڑائی کے شیر علی مرتضیٰ میدان میں آئے اور اُسکے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر شگافتہ ہو گیا اور وہ بھاگ کر اپنی صف میں آگیا علیؑ کے ساتھیوں نے علیؑ سے کہا آپنے طلحہ کا کام کیوں نہیں تمام کر ڈالا آپنے جواب دیا کہ جب طلحہ زخم کھا کر نیچے گرا اسکی شرمگاہ کھل گئی اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسکی جان بخشی کروں مجھے شرم معلوم ہوئی کہ پھر اس پر حملہ کروں مجھے یقین تھا کہ طلحہ عنقریب مرجائے گا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۴۶ تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۵۸) پس یہ حرکت عمرو عاص اور بسر بن ارطاۃ کی باقتدا اُسی کافر کے تھی مگر فرق یہ ہے کہ اُس سے بے اختیاری میں یہ فعل سرزد ہوا اور ان دونوں نے قصداً یہ حرکت کی۔

علامہ ابن اثیر اسکے بعد لکھتے ہیں:۔

جناب امیرؑ نے جو ان دونوں کے کشف عورت پر منہ پھیر لیا تو اس وجہ سے کہ حضرتؑ کا عمل باغیوں کے بارے میں یہ تھا کہ نہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے اور نہ زخمی پر حملہ کیا جائے اور نہ قیدی قتل کیا جائے حضرتؑ کے جتنے حروب ہیں اسلام میں سب میں آپ کی یہی سیرت رہی اور یہی مذہب علمائے امصار کا ہے حجاز وعراق میں مگر ابوحنیفہ کہتے ہیں یعنی اگر بھاگ کر فئۃ مسلمین میں چلے تو اُسکا تعاقب کیا جائے اور اگر کسی گروہ میں جائے

تو اُس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (تاریخ کامل جلد دوم ص۶۷)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

یعنی معاویہ نے اُسکو اوائل سنہ۴۰ھ میں حجاز و یمن کی طرف اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہاں جاکر دیکھے جو شخص اطاعت جناب امیرؑ میں ہو اُسکو قتل کرے اسکی موت بقولے ۸۶ھ میں ہے۔ (اصابہ جلد ۱ ص۱۵۳)

اب کہاں ہیں مولوی عبد الشکور مترجم اسد الغابہ جو اس عبارت کو دیکھیں اور پھر اپنے تحریف پر نظر کریں کہ آیا معاویہ نے قاتلان عثمان کے قتل کو بھیجا تھا یا صرف ان لوگوں کے قتل کو جو اطاعت جناب امیرؑ میں تھے کیونکہ اگر قتل قاتلان عثمان منظور تھا تو حضرت جابر کے ساتھ کیوں وہ سلوک کیا گیا کیا وہ بھی قاتلان عثمان سے تھے۔ بہرحال حضرات اہلسنّت کو ایسے ایسے صحابہ پہ جہاں تک ناز ہو سکتا ہو ناز کریں جو ظلم میں سب سے آگے اور جب شر سے مقابلہ ہو جائے تو .... عریاں کر دیں۔

نصائحؑ کافیہ میں ہے کہ معاویہ نے قصہ تحکیمین کے بعد ہی جناب امیرؑ کے زندگی میں بسر بن ارطاۃ کو ایک لشکر کے ساتھ غارت گری کے لیئے بھیجا اور ضحاک بن قیس فہری کو دوسرے لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا اور قبیلہ غامد سے ایک ایک شخص کو تیسرے لشکر کا سردار بنایا وامرھوان یسیروا فی البلاد فیقتلوا کل من وجدوہ من شیعہ علی بن ابی طالبؑ واصحابہ حکم دیا کہ تمام شہروں میں جائیں اور جہاں جہاں شیعہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السّلام پائیں اُن سب کو قتل کریں اور جو طرز عمل اُن کا ہو سب میں فساد کریں اور حضرتؑ کے اصحاب کو قتل کریں ولا تبقوا بایدیھم من النساء والصبیان نہ عورتوں کو چھوڑیں نہ بچوں کو، بسر بن ارطاۃ یہاں سے روانہ ہو کر مدینہ پہونچا اور بہت سے اصحاب جناب امیرؑ کو قتل کیا وھدم بھا دوراً اور بہت سے لوگوں کے مکانوں کو گرا دیا اور وہاں سے مکہ کیطرف گیا اور خاندان آل مہلب سے لوگوں کو قتل کیا پھر سراۃ گیا اور وہاں بھی جس جسکو اصحاب جناب میرؑ سے پایا قتل کیا پھر نجران آیا اور عبد اللہ بن عبد المدان حارثی اور اُسکے بیٹے کو قتل کیا جو عبید اللہ بن عباس کے سسرالی رشتہ دار تھے اور جناب امیرؑ کی طرف سے عامل تھے پھر یمن آیا وہاں عبید اللہ بن عباس عامل جناب امیرؑ تھے اُن کو نہ پایا ووجد ابنین لہ صبیین فاخذھما بسر لعنہ اللہ وذبحھما بیدہ بمدیۃ کانت معہ اُنکے دو کمسن بچے مل گئے اُنکو بسر نے پکڑ کر اپنے ہاتھ سے چھری سے ذبح کیا اسکے بعد معاویہ کی طرف لوٹ گیا۔

معاویہ کے اور لشکروں نے بھی اسی قسم کی کارروائی کی چنانچہ غامدی نے انبار کے طرف رُخ کیا اور وہاں ابن حسان بکری کو قتل کیا وقتل رجالاً کثیرین ونساء من الشیعہ (ص۲۱) یعنی بہت سے مردوں اور عورتوں کو قوم شیعہ سے قتل کیا اسکے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ غارت گری اور یہ سب خونریزی اس غرض سے ہوئی کہ خون عثمان کا قصاص لیا جائے کیا عورتیں اور بچے بھی اس میں شریک تھے جن کو اہلسنّت کے مقدس صحابیوں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

بسر بن ارعی العیر کا سنہ وفات نہیں لکھا ہے مگر یہ بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے حضرتؐ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھا اُس نے کہا اس ہاتھ سے نہیں کھا سکتے تو حضرتؐ نے ناخوش ہو کر اُس سے کہا اب

نہ کھا سکے گا۔ چنانچہ پھر اُس کا داہنا ہاتھ اُسکے منہ تک نہ اُٹھتا تھا (صفحہ ۱۲۵ اسدالغابہ)

ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت کو ناز ہے کہ وہ رسول کے فرمانبردار اور مطیع تھے حالانکہ کیسے کیسے سرکش ان میں ہیں اس روایت کو صحیح مسلم میں لکھا ہے مگر نام غائب کر دیا اور دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ بسبب کبر سنی کے اُس نے کہا جس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول نے ناحق بددعا دی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ وہ منافق تھا مگر امام نووی اس کو رد کرتے ہیں کہ لوگوں نے اُس کو صحابہ میں لکھا ہے مگر ابن حجر اُس کو بھی رد کرتے ہیں (اصابہ صفحہ ۱۵۱ ج اول)

بشر بن حنظلہ جعفی کا بیان ہے کہ ہم وائل بن حجر حضرمی کے ساتھ جا رہے تھے کہ ان کے دشمنوں نے آکے گھیرا اور پوچھا کہ ان میں وائل ہے کہا نہیں انھوں نے پہچان کر کہا یہ وائل ہیں تو ہم لوگوں نے قسم کھائی یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے ماں باپ کے بیٹے ہیں (صفحہ ۲۵۵)

کیا اب بھی کوئی سنی تقیہ پر اعتراض کرے گا جبکہ ان کے صحابہ کا اس پر عمل تھا اور حضرتؐ نے اُنکی تائید فرمائی۔

بشر بن عاصم بن سفیان ثقفی یہ حضرت عمر کی طرف سے قبیلہ ہوازن کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے عمر نے جب اُنکو مقرر کیا تو یہ نہ گئے عمر نے کہا تم جانتے ہو میری بات کا ماننا اور سننا تم پر فرض ہے کیوں نہیں گئے اُنھوں نے کہا یہ تو ہمکو معلوم ہے مگر میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام پر مامور کیا جائے گا وہ قیامت کے دن جہنم کے پل پر لاکر کھڑا کیا جائیگا اگر اچھا کام کیا ہے تو نجات پائیگا اور بُرا کام کیا ہے تو وہ پل پھٹ جائے گا اور وہ جہنم میں بقدر ستر برس کی مسافت کے گہرائی کے گر جائے گا عمر وہاں سے بہت غمگین اور محزون اُٹھے راہ میں حضرت ابوذر سے ملاقات ہوئی تو عمر نے اس حدیث کو بیان کیا اُنھوں نے کہا میں نے بھی رسول خدا سے یہ حدیث سنی ہے اور انھوں نے زہری کے بعد وفات پائی اور زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ (صفحہ ۲۵۹ اسدالغابہ۔ اصابہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

افسوس کہ ایسا صحابی ۱۲۴ھ تک زندہ رہے اور امام حسینؑ کی مدد نہ کرے اُنھوں نے جو اس حدیث کو بیان کیا تو غالباً عمر کے تنبیہ کے لئے مگر وہاں نشہ حکومت چڑھا ہوا تھا اسکی کب شنوائی تھی۔

بشر غنوی اُنھوں نے سلمہ بن عبدالملک سے بیان کیا کہ حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ قسطنطنیہ کو فتح کرلوگے اُس وقت مسلمانوں کا سردار بہت عمدہ شخص ہوگا اور وہ لشکر بھی بہت عمدہ لشکر ہوگا تب اُس نے قسطنطنیہ کا جہاد کیا (صفحہ ۲۶۰)

اس روایت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ محض خوشامد میں سلمہ بن عبدالملک کے یہ حدیث وضع کی گئی ہے ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرتؐ ایسی حدیث فرمائیں جبکہ مروان کے آخری نسب تک حضرتؐ لعنت کر چکے ہیں جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

استاذن الحکم بن ابی العاص علی رسول اللہ صلعم ائذنوا لہ لعنہ اللہ ومن خرج من صلبہ الا المومنین وقلیل ماھم یشرفون فی الدنیا ویضعون فی الاخرۃ۔ (صفحہ ۳۴۲)

یعنی حکم بن ابی العاص نے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو آپ نے فرمایا اسکو اجازت دو خدا اُس پر لعنت کرے اور جو اُسکے صلب سے پیدا ہو بہ استثناء مومنین کے جو بہت کم ہیں دنیا میں تو عزت پائینگے اور آخرت میں ذلیل ہونگے۔

بشیر بن عقربہ جہنی اصابہ میں ہے کہ اس نے ۸۰ھ کے بعد وفات پائی۔ (ص۱۵۹) مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دست کش رہا عبدالملک کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے جو شخص بغرض ریا و سمعہ خطبہ کہے تو خدا اسکو داخل جہنم کرے گا۔

بشیر بن حارث انصاری کا بیان ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا جب تم قرآن کے کسی حرف میں اختلاف کرو کہ یے ہے یا تے تو اُسکو یے کے ساتھ لکھ دو۔ (ص۲۶۵ اسد الغابہ)

کیا اچھی تعلیم ہے اور کیا خوب قرآن کی تعظیم ہے اس پر اہلسنت کو قرآن دانی کا دعوی ہے خدا رحم کرے۔

بشیر بن خصاصیہ بصرہ کے رہنے والے ہیں حضرت نے اُن سے شہادتین حج و زکوٰۃ جہاد کی فرمائش کی تو کہا ہمارے پاس دس اونٹ کل ہیں پھر زکوٰۃ کیونکر دیں جہاد کے بارے میں سنا ہے کہ جو بھاگ جاتا ہے خدا اُس پر عذاب کرتا ہے لہذا ہمکو خوف ہے کہ موت کے خوف سے بھاگ جاؤں تو حضرتؐ نے اُن کے ہاتھ کو زور سے حرکت دی اور فرمایا نہ صدقہ دو گے نہ جہاد کرو گے پھر داخل جنت کیونکر ہو گے۔ (ص۲۲۶)

بشیر بن ابی زید نام ان کا ثابت بن زید ہے ابو زید اُن چھ آدمیوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا جنگ حرہ میں مارے گئے مگر افسوس کہ ان کو بھی شریک جمع قرآن نہیں کیا نہ اور لوگوں کو جو جامع قرآن تھے نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔ (ص۲۶۶)

بشیر بن سعد بن ثعلبہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر صدیق سے انصار میں سب سے پہلے انھیں نے بیعت کی (ص۱۶۸)

بشیر عدوی ان کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس نے ان سے کہا فلاں فلاں حدیث پھر پڑھو جب وہ پڑھ چکے تو ابن عباس نے فرمایا ہم رسول خدا سے حدیثیں روایت کرتے تھے جب آپ پر جھوٹ نہ جوڑا جاتا تھا مگر جب لوگوں نے ہر قسم کی حدیثیں بنانا شروع کیں تو ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا۔ (ص۲۷۵ اسد الغابہ)

اب تو صحابہ کرام کے دروغ گوئی اور افترا بر رسول میں کسی کو شبہ نہ ہو گا کہ خود حضرت ابن عباس کا بیان ہے۔

بشیر بن ربیعہ جھمی سعد بن ابی وقاص نے مال خراج تقسیم کیا تو اس میں کچھ بچ رہا عمر کو لکھا کیا کریں تو انھوں نے لکھا حاملان قرآن پر تقسیم کر دو عمرو بن معدیکرب اُس میں سے حصہ لینے آیا تو سعد نے پوچھا قرآن کس قدر یاد ہے اُس نے کہا ہم تو جہاد میں مشغول تھے لہذا قرآن کچھ نہ یاد کیا تب بشیر خثعمی آیا اُس سے پوچھا گیا تو کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کو بھی کچھ نہ دیا۔ اور عمر کو لکھا گیا وہاں سے حکم آیا بسبب تلاوت بسم الرحمن الرحیم دو دو ہزار ان دونوں کو دے دو۔

دوسرے سال پھر اُسی طرح کچھ مال بچا تو عمر کو لکھا گیا کہ پہلے تو سات قاری قرآن تھے اب ستر ہو گئے عمر نے لکھا وہ روپیہ اُن لوگوں کو دو جو جہاد میں زیادہ محنت کرتے ہیں۔ (ص۱۷۳ اصابہ)

اس روایت سے جہاں سے قدر و عافیت صحابہ کی معلوم ہوئی کہ بجز بسم اللہ انکو کچھ بھی یاد نہ تھا اور اُس پر مقدس

صحابی رسولؐ کہے جاتے نہیں وہاں مال کی قدر دمنزلت بھی معلوم ہوئی کہ اس سال سات تھے تو انعام پانے پر وہ ستر ہوگئے پھر عمر صاحب کی محبت قرآن کو دیکھئے کہ جب تعداد اُن کی بڑھ گئی تو انعام موقوف کر دیا گیا اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے صحابہ کی روایت یا بیان کوئی وقعت رکھتا ہے اور عمر صاحب کو کس درجہ قرآن کی محبت تھی۔

اللہ اللہ کیا یہ صحابی نماز بھی نہ پڑھتے تھے جو کسی کو سورۂ الحمد اور قل ہو اللہ احد یاد ہوتا جو صرف ایک آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لاکر سنایا۔

کیا ہزاروں صحابہ میں جو مصروف جنگ و پیکار تھے یہی سات صحابی تھے جو مستحق انعام قرار پائے کیونکہ اس کی تو شرط نہ تھی کہ پورا قرآن یاد ہو ایک سورہ پر بھی انعام کے مستحق ہو سکتے تھے مگر افسوس کہ سات ہی آدمی ایسے نکلے جو اتنے بڑے جم غفیر میں قرآن کے پڑھنے والے تھے اسکے ساتھ انھیں صحابہ کے اجماع و تواتر سے قرآن کی ترتیب ہوئی۔

بشیر بن معاذ اسدی کہتے ہیں کہ ہم دس برس کے تھے کہ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے حضرتؐ کو دیکھا کہ جناب جبرئیل کی طرف نظر کرتے ہیں جو مثل ظل ابر تھے وہ حرکت کرتا تو آپ رکوع کرتے۔ ایک سو ساٹھ برس کے سن میں وفات پائی۔ (اصابہ ص۱۶۲)

مگر نصرت امام حسین علیہ السلام سے دستکش رہے۔

بشیر بن ابی زید انصاری یہ بھی صحابی ہیں جن کے باپ نے عہد رسولؐ میں قرآن جمع کیا جنگ حرہ میں ۶۳ھ میں قتل ہوئے۔ (اصابہ ص۱۶۳)

مگر نصرت امام حسین ؑ سے محروم رہے۔

بشیر بن نعمان یہ بھی جنگ حرہ میں مارے گئے۔ (اصابہ ص۱۶۵)
مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔

تمیم بن جراشہ ثقفی یہ اُن لوگوں سے ہیں جو وفد بنکر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ سے ایک تحریر چاہی جسمیں چند باتوں کی اجازت ہو حضرتؐ نے کہا لکھوالو وہ جناب امیرؑ سے لکھوانے گئے اس میں سود اور زنا کی اجازت مانگی حضرتؑ نے انکار کر دیا تب وہ خالد بن سعید بن عاص (صحابی) کے پاس لکھوانے کے لیے گئے جناب امیرؑ نے فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ ان چیزوں کو لکھوانا چاہتے ہیں خالد نے کہا ہم کو کیا جو یہ کہیں گے وہ ہم لکھ دینگے جب حضرتؐ کے پاس یہ تحریر پیش ہوئی آپؐ نے ربا اور زنا کے متعلق آیتیں پڑھ کر کٹوا دیا۔ (ص۲۲ ج ۱ اسد الغابہ)

اس سے جہاں ان تازہ مسلمانوں کا حال معلوم ہوا وہاں قدیم صحابیوں کا بھی حال معلوم ہوا کہ انھوں نے بے تامل لکھ دیا اور یہ نہ سمجھے کہ ان جاہلوں کو پہلے ہی سمجھا دینا چاہیئے کہ حضرتؐ کو دوبارہ زحمت نہ کرنی پڑے۔

تبیع حمیری ۱۰۱ھ میں ان کی وفات ہے۔
مگر نصرت امام ؑ نہ کی۔ (اصابہ ص۱۹۵ ج۱)

تمیم بن معتل ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔
مگر نصرت امامؑ نہ کی۔ (ص۱۹۵ اصابہ)

ثور بن ثلدہ یہ وہی شخص ہے جس نے معاویہ سے کہا تھا
امیہ بن عبد الشمس ادرکتہ وقد عمی یقود عبدہ ذکوان فقال معاویہ
انما ھوابنہ قال ھذا شیئ قلتموہ انتم۔ (ص۱۱۵ اصابہ)

یعنی معاویہ نے پوچھا تم نے ہمارے اجداد سے کسی کو دیکھا ہے کہا امیہ بن عبد الشمس کو جو اندھا ہو گیا تھا اور غلام اُسکا ذکوان لیئے پھرتا تھا تو معاویہ نے کہا وہ اس کا بیٹا تھا ثور نے کہا یہ قول تم لوگوں کا ہے۔

یہ ۱۲۰ھ میں مرا مگر نصرت امامؑ نہ کیا۔ اس روایت سے حال دیانت معاویہ بھی معلوم ہوا کیونکہ خود صحابہ اسکو کاذب کہتے ہیں۔

تمیم بن زید بن عبداللہ بن زید انصاری کی روایت ہے کہ میں نے رسول خدا کو دیکھا کہ آپنے وضو فرمایا ہے اور آپنے دونوں پیروں پر پانی پھیر لیا۔ (ص۱۲۴ اسد الغابہ جلد ۲)

اس پر اڈیٹر النجم حاشیہ دیتے ہیں " اصل لفظ عربی کا یہ ہے مسح الماء علی رجلیہ ہمارے زمانہ کے بعض دھوکہ دینے والے لوگوں نے اپنے رسالہ الوضو میں اس قسم کے الفاظ بعض حدیثوں سے نقل کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ اہلسنت کے یہاں بھی وضو میں پیروں کا مسح آیا ہے "

(رسالہ وضو حضرت حجۃ الاسلام آقا مولانا السید علی اظہر طاب ثراہ کے تصنیفات سے ہے جس میں بہت سے روایتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ طریقۂ رسولؐ وضو میں یہی تھا جو حکم قرآن ہے کہ پیر پر مسح کرو مگر خلیفہ دوم نے اسکی ایجاد کی کہ بجائے مسح غسل کیا کرو پھر ان روایات بخاری کی بھی تنقید کی گئی جس سے وہ غسل قدمین کا حکم نکالتے ہیں اس رسالہ نے تمامی اہلسنت میں تہلکہ ڈال دیا اور ہزار ہا اہلحدیث مسح رجلین پر عمل کرنے لگے۔)

اڈیٹر النجم سے چونکہ جواب اُس کا ممکن نہ تھا اس لیئے یہاں اس قدر لکھ دیا ملاحظہ ہو رسالہ وضو صفحہ ۹

جس میں بتصریح ابن حجر عسقلانی اس روایت کے راوی امام بخاری۔ احمد بن حنبل۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن ابی عمر۔ بغوی۔ طبرانی۔ باوردی سب ہی ہیں جسکے آخر میں لکھا رجالہ ثقات کل رواۃ اسکے معتمد ہیں بلکہ ابو عمر نے جو ضعیف کہا تو اسکو رد بھی کیا۔

ثابت بن ضحاک جنگ حدیبیہ میں شریک تھے وفات اُنکی بقول بعض فتنۃ الزبیر میں ہوئی (ص۲۶)
مگر معرکہ کربلا سے محروم ہی رہے۔

ثابت بن قیس جو جنگ یمامہ میں مارے گئے اُن کے بدن پر نہایت قیمتی زرہ تھی دوسرے صحابی کا جو گذر ہوا تو اس مردہ جسم سے وہ زرہ اتار لی ثابت نے خواب میں دکھایا کہ فلاں شخص نے ہماری زرہ اُتار لی زرہ کے اوپر اس نے ایک دیگ بند کر دی ہے اور دیگ پر کجاوہ رکھ دیا ہے خلیفہ سے کہہ کر اُس

زرہ کو لینا میرے پر اس قدر قرض ہے اور فلاں فلاں غلام میرا آزاد ہے ابوبکر نے اس وصیت کو قبول کیا (ص۱۲۱)

یہ خواب تھا اور صرف ایک شخص نے دیکھا تھا اسکی تو تصدیق کرلی گئی جس پر مصنف لکھتے ہیں نہیں معلوم ان کے سوا اور کسی کی وصیت بعد موت جائز رکھی گئی، مگر رسول اللہ کو نہ وصیت نامہ لکھنے دیا نہ دعویٰ ہبہ جناب سیدہ کو مانا جس پر جناب امیرؑ اور ام ایمن نے گواہی بھی دی تھی۔

دوسرا فائدہ اس روایت کا یہ بھی ہے کہ وہ بھی مقدس صحابی تھے جنھوں نے اس طرح زرہ چرائی اور اس ترکیب سے چھپائی تو محض صحابی ہونے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے جب تک ایمان نہ ہو۔

ثابت بن مخلد ضبی
صحابی تھے جو جنگ حرہ میں مارے گئے۔
مگر کربلا میں نہ شریک ہوئے (ص۱۲۱)

ثعلبہ بن حاطب
حضرتؐ کے دعا سے بڑے مالدار ہو گئے تھے مگر جب صدقہ دینے کا حکم ہوا تو اُنھوں نے انکار کیا اور حضرتؐ نے اُن پر بد دعا کی (ص۵۳)

جابر بن سمرہ
سعد بن ابی وقاص کے بہن کے بیٹے ہیں کوفہ میں رہتے تھے وہیں گھر بنا لیا اُنھوں نے رسول اللہ سے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں ۶۶ھ میں بعہد مختار وفات کی۔ (ص۵۹)
مگر کوفہ سے نکل کر جناب امام حسینؑ کے نصرت کو نہ گئے۔

جابر بن عبداللہ انصاری
رسول اللہ کے ساتھ ستره ۱۸ غزوہ میں شریک ہوئے صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ تھے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے ۷۸ھ میں وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۹۴ سال کی تھی۔ (ص۸)

اڈیٹر النجم نے ان پر بھی اعتراض کیا ہے کہ شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے مگر شاید یہی سبب ہو کہ وہ آخر میں نابینا ہو چکے تھے ورنہ بڑے بزرگ صحابی تھے زیارت اربعین سب سے پہلے انھیں نے پڑھی ہے جب مدینے سے اسی غرض سے کربلا آئے تھے ان کے فضائل و مناقب سے کتب رجال فریقین مملو ہے جناب امام محمد باقرؑ کے زمانہ تک آپ زندہ رہے اور رسول اللہ کا سلام حضرت کو پہونچایا اصابہ میں ہے کہ انکا بھی ایک حلقۂ درس تھا مسجد رسول میں۔

جابر بن عتیک
۹۱ برس کے سن میں وفات پائی ۶۱ھ۔ (ص۱۸)
واقعہ کربلا کے ایک برس بعد مگر شریک جہاد نہ ہوئے۔

جابر بن سمرہ
ان کا بیان ہے کہ دو ہزار مرتبہ سے زیادہ اُنھوں نے حضرت کیساتھ نماز پڑھی کوفہ میں رہتے تھے مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی ۷۴ھ میں وفات ہے (ص۲۲۱ ج۱)

جاجل
ابومسلم الصدقی اس حدیث کے راوی ہیں:۔ الی
ان احصاھم لھذا القرآن من امتی منافقوھم (ص۱۲۵ اصابہ جلد اول)
یعنی اس قرآن کے ہمارے اُمت میں سب سے زیادہ حافظ وہ لوگ ہیں جو منافق ہیں۔

اہل سنت کو مبارک باد کیونکہ حضرت حفاظ پر وہی فخر کرتے ہیں۔

جدبن قیس | منافق تھا جو بیعت الرضوان سے دست کش رہا حسب بیان حضرت ابن عباس ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی اسی کے بارے میں نازل ہوا۔ (ص۲۳۹ اصابہ)

جرحد بن خویلد | یہ اصحاب صفہ سے تھے گھر بھی مدینہ میں تھا آخر خلافت یزید میں انکی وفات ہے۔ (ص۲۴۲ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

جعد بن قیس مرادی | ننانوے برس کا ہو کر مرا۔ (ص۲۴۶ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہا۔

جندب بن عبداللہ بن سفیان | یہ زمانہ مصعب بن زبیر تک زندہ رہا۔ (ص۲۶۰ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم ہی رہا۔

جندب بن کعب | نے ایک ساحر کو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ یہ تماشا دکھاتا کسی کی گردن مار دیتا پھر آواز دیکر اس کو زندہ کر دیتا اُس نے یہ کہہ کر تلوار کا ہاتھ مارا کہ اگر تجھ میں قدرت ہے تو زندہ ہو جا۔

یہ واقعہ ولید بن عقبہ کے سامنے کا ہوا جو عثمان کی طرف والی کوفہ تھا اسنے جندب کو قید کیا جب عثمان تک یہ مرافعہ گیا تو کہا اگر رسول سے ہم تیرے بارے میں نہ سنے ہوتے تو مدینے کے سب سے عمدہ تلوار سے تجھے قتل کرڈالتے اسکے بعد حکم دیا کہ جبل دخان کی طرف جلاوطن ہو جا۔ (ص۲۶۲ اصابہ)

یہ ہے ایمان حضرت عثمان کہ بحمایت اپنے بھائی ولید کے ایک مہاجر کو قتل کیا چاہتے ہیں کہ کیوں اس ساحر کو قتل کیا۔

جراد بن طہیہ | کا بیٹا شبیب جناب امام حسینؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوا۔ (ص۲۷۲)

جبیر بن حارث اعرابی | ۶۰ھ تک زندہ رہا۔ (ص۲۷۹ اصابہ)

جعفر بن نسطور رومی | بھی ۳۲۰ برس زندہ رہا۔ (ص۲۸۱)

جبیر بن عبداللہ قبطی | ان کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی۔ (ص۹۲)

مگر شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے حالانکہ حضرت ماریہ بوبی لے کر مقوقس کے یہاں سے آئے تھے۔ (ص۲۳۲ اصابہ)

جبیر بن عینک | ۶۱ھ تاریخ وفات ہے ص۹۲ مگر اصابہ میں ۷۰ھ ہے۔

جرثوم بن ناسب | بیعت حدیبیہ میں شریک تھے ۷۵ھ میں بعہد عبدالملک وفات پائی۔ مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔

جنادہ بن ابی امیہ | ۸۰ھ میں بمقام شام وفات پائی۔ مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔ (ص۱۳۷)

جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی علقی | کنیت ان کی ابو عبداللہ ہے کوفہ میں رہتے تھے پھر بصرہ چلے مصعب بن زبیر کے ساتھ کوفہ گئے تھے ان سے حسن بصری

وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(ص۱۴۷)

مصعب بن زبیر کا واقعہ ۶۶ھ و ۶۵ کا ہے انکی شرکت کی مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ کوفہ میں رہتے تھے۔

جندع انصاری اوسی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا سے سنا فرماتے تھے کہ جو شخص عمداً میرے اوپر جھوٹ بولے اُسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے اور میں نے آں حضرتؐ سے سنا ہے اگر نہ سنا ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں کہ حجۃ الوداع سے لوٹ کر غدیر خم میں پہونچے تو آپ لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھنے کھڑے ہو گئے اور آپ نے علی مرتضیٰؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا من کنت مولیٰہ فھذا علی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ عبیداللہ راوی کہتے تھے میں نے زہری سے کہا کہ یہ حدیث تم ملک شام میں نہ بیان کرو تم خود اپنے کانوں سے سب علیؑ سن رہے ہو زہری نے کہا (بس اسی حدیث پر تم کو ایسا خیال آیا۔ خدا کی قسم میرے پاس علیؑ کے فضائل اس قدر ہیں کہ اگر میں انھیں بیان کروں تو قتل کر دیا جاؤں۔ (ص۱۵۳ اسد الغابہ جلد۲)

اس بیان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ زمانہ کیسا پُر آشوب تھا پھر بھی وہ خیر القرون کہا جاتا ہے پھر بتلایئے جب امام زہری اس خوف سے فضائل جناب امیرؑ نہ بیان کر سکتے تھے کہ قتل کیئے جائیں گے تو اور کسی تابعی یا صحابی کا کیا حال ہو گا کیونکہ امام زہری خلفائے بنی اُمیہ میں بہت مقرب تھے۔ اُن کے سامنے جناب امیرؑ کو گالیاں دی جاتی تھیں اور انھیں کچھ بھی اسلامی جوش نہ آتا تھا اگر یہ حدیث محض فضائل کے متعلق ہوتی تو کیوں اس قدر خوف ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نص ہے خلافت پر۔

جنادہ بن اُمیہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ جو شخص امامت جماعت کرے اُس حال میں کہ لوگ اُس کے جماعت سے کراہت کرتے ہوں، تو اسکی نماز ترقوہ سے آگے نہیں بڑھتی اُنھوں نے شام میں اقامت کی ۶۷ھ میں وفات ہے۔ (اصابہ ص۲۵۷ ج۱)

مگر افسوس نہ نصرت امامؑ کی اور نہ جب اہلبیتؑ داخل شام ہوئے تو کوئی خدمت انجام دی۔

جبیر بن حبّہ یہ حضرت عمر کے لشکروں کے سردار رہے ہیں زمانہ عبدالملک میں ان کی وفات ہے عراق میں کاتب دیوان تھے پھر زیاد نے انکو حاکم اصفہان بنایا۔ (ص۲۳۵ اصابہ)

مگر معرکہ کربلا میں اُنھوں نے شرکت نہ کی نہ کسی طرح امامؑ کی نصرت کی۔

حارث بن بدل سعدی کا بیان ہے کہ میں نبیؐ کے ہمراہ شریک تھا جب آپ کے اصحاب کے قدم ہٹ گئے سوا عباس بن عبدالمطلب اور ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب کے (ص۱۶۵)

اہلسنّت غور کریں کہ آپ کے خلفائے ثلاثہ کیسے بہادر تھے کہ رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے، اور بجز جناب امیرؑ و حضرت عباس و ابو سفیان بن حارث کوئی نہ رہا کیونکہ انکی روایات سب اس پر متفق ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام موجود تھے۔

حارث بن عمرو ہذلی ۔۔۔ھ میں انتقال کرتے ہیں۔ (ص۱۹۵ اسد الغابہ)

مگر نصرت امام سے دست بردار رہتے ہیں۔

حارث بن عمرو انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی کرلی تھی مجھے حکم دیا کہ میں اسکی گردن ماردوں۔ (ص۱۹۸)

مگر امام ابوحنیفہ ایسے شخص پر حد زنا بھی نہیں جاری کرتے خدا رحم کرے۔

حارث بن عمرو بن غزیہ مزنی کی وفات ۷۰ھ میں ہوئی۔ (ص۱۹۹)

مگر نصرت امام ع سے محروم رہے۔

حارث ابن عوف ابو واقد لیثی بڑے مقدس صحابی ہیں حنین میں حضرت ص کے ساتھ تھے ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں انکی وفات ہوئی (ص۲۰۱)

استیعاب میں سنہ وفات ۶۸ھ لکھا ہے اور یہ کہ مدینہ میں مقبرہ مہاجرین میں دفن ہوئے فتح مکہ میں یہ علمبردار تین قبیلہ کے تھے۔ بنی لیث۔ ضمیرہ۔ سعد بن بکر۔ (ص۲۰۲)

مگر اہلبیت رسول سے آپ کو کسی قسم کا تعلق نہ تھا جو نصرت امام ع کرتے۔

حارث بن مسلم تمیمی ان کے باپ کا بیان ہے کہ رسول نے ہمکو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا ہم نے آگے بڑھ کر اُن لوگوں سے کہا لا الہ الا اللہ کہہ دو تو جان بچ جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا جب میرے ساتھی آئے تو اُنھوں نے میری ملامت کی تم نے ہمیں مال غنیمت سے محروم کردیا حالانکہ وہ ہمارے لیے ثابت ہوچکی تھی ہم جب وہاں سے لوٹے تو لوگوں نے رسول خدا سے شکایت کی حضرت نے ہمکو بلا کر تعریف کی اور فرمایا کہ انہیں ہر شخص کے عوض اسقدر تیرے لئے نیکیاں لکھی ہیں یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز تک زندہ رہے اُس نے ان کا وظیفہ مقرر کردیا۔ (ص۲۰۸)

یہ ہے ان صحابہ کرام کا ایمان کہ لوگوں کے مسلمان ہونے سے اس وجہ سے ناراض ہوتے ہیں کہ مال غنیمت اب نہ ملیگا ہائے کیا اسی کا نام محبت اسلام ہے پھر اُنسے کب اس کی امید ہوسکتی ہے کہ امام ع کی نصرت کریں۔

حارث بن منبہ انس بن حارث نے منبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ص نے فرمایا میرا فرزند سرزمین عراق میں شہید کیا جائے گا جو شخص اس وقت کو پائے اُس کی مدد کرے۔ چنانچہ انس بن حارث حضرت امام حسین ع کے ساتھ شہید ہوئے۔ (ص۲۱۱)

مگر افسوس اور صحابہ کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ امام ع کی مدد کریں۔

حارثہ بن نعمان کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل نے رسول اللہ سے کہا یہ اسی لوگوں میں سے ہیں رسول خدا نے پوچھا اسکے کیا معنی جبرئیل نے کہا اسی آدمیوں کے سوا اور سب لوگ آپکے پاس سے بھاگ جائینگے (ص۲۲۳)

کیا اس پر بھی اہلسنت اپنے کل صحابہ کے ایمان و اسلام کو ثابت کرسکتے ہیں۔

حبیب بن بدیل بن ورقا کہتے تھے کہ ایک روز حضرت علی ع محل سے برآمد ہوئے تو چند سواروں نے

جو تلواریں لیئے تھے آپ کا استقبال کیا اور کہا السّلام علیک یا امیر المومنین السّلام علیک یا مولانا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' حضرتؑ نے پوچھا کہ یہاں اصحاب نبی سے کون کون لوگ ہیں، پس بارہ آدمی کھڑے ہوگئے جن میں قیس بن ثابت بن شماس اور ہاشم بن عتبہ اور حبیب بن بدیل بن ورقا بھی تھے ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے نبیؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ (ص۲۳۷ جلد ۲ اسد الغابہ)

حبیب بن سباع

کہتے تھے ایک روز صبح کو ہم رسول خداؐ کے حضور میں گئے ہمارے ہمراہ ابو عبیدہ بن جراح بھی تھے ابو عبیدہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم سے بھی بہتر کوئی شخص ہے۔ ہم اسلام لائے اور ہمراہ آپ کے جہاد کیا اور ہم آپ پر ایمان لائے حضرتؐ نے فرمایا تم سے بھی بہتر کچھ لوگ ہیں کچھ لوگ ہیں الگ تمھارے بعد ہوں گے جو مجھ پر ایمان لائینگے۔ (ص۲۱۱)

کیا اس پر بھی اہلسنت اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صحابہ خصوصًا خلفائے ثلاثہ سب سے افضل ہیں حالانکہ بنص رسولؐ اس زمانہ کے مسلمان ان سے یقینًا افضل ہیں الّا من فضلہ اللہ۔

حتات بن یزید بن علقمہ

رسول خدا صلعم نے اُن کے اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان میں مواخات کرادی تھی جب حضرت معاویہ کو خلافت حاصل ہوئی تو حتات اور جاریہ بن قدامہ اور احنف بن قیس اُن کے پاس گئے یہ دونوں بھی قبیلہ بنی تمیم سے تھے حتات عثمان کے دوستوں سے اور جاریہ اور احنف حضرت علیؑ کے اصحاب سے تھے حضرت معاویہ نے ان دونوں کو حتات سے زیادہ دیا تو حتات نے اُن سے کہا کہ تم نے محرّق (یعنی جلادینے والے) اور مخذل (یعنی پریشان کرنے والے) کو مجھ پر فضیلت دی حضرت معاویہ نے کہا (میں نے فضیلت نہیں دی) بلکہ میں نے ان سے اُن کا دین مول لیا ہے اور تمکو اس محبت پر چھوڑ دیا ہے جو تم کو حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہے حتات نے کہا مجھ سے بھی میرا دین مول لیجئے جلادینے والا انھوں نے جاریہ بن قدامہ کو کہا کہ انھوں نے ابن حضرمی کو جلادیا تھا اور پریشان کرنیوالا احنف بن قیس کو کہا کہ انھوں حضرت عائشہ وطلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے لوگوں کو پریشان کردیا تھا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حتات حضرت معاویہ کے پاس گئے اور انھیں کے یہاں وفات پائی اور حضرت معاویہ اس اخوت کے سبب سے اُن کے وارث ہوئے حضرت معاویہ اس زمانہ میں خلیفہ تھے فرزدق نے اس معاملہ میں معاویہ سے مخاطب ہوکر یہ اشعار کہے تھے۔

ابوک وعمی یا معاوی اورثا ۔۔۔ تراثا فیحتاز التراث اقاربہ

اے معاویہ تمھارے چچا اور میرے باپ نے اپنے ترکہ کا اپنے وارثوں کو وارث بنایا اور یہ قاعدہ ہی ہے کہ مرنے والے کے قریبی رشتہ دار میراث پاتے ہیں۔

فما بال میراث الحتات اکلتہ ۔۔۔ ومیراث صخر جامد لک ذائبہ

تو حتات کا ترکہ تم نے کیسے کھالیا جبکہ صخر کی میراث تم کو مل ہی چکی ہے۔

فلو کان ھذا الامر جاھلیۃ ۔۔۔ علمت من المرء القلیل حلائبہ

اگر یہ معاملہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تو تم کو معلوم ہوجاتا کہ وہ شخص کون ہے جس کے دوست کم ہیں۔

اس قصیدہ میں اس سے زیادہ اشعار ہیں اور فخریہ اشعار ہیں سب عمدہ کلام ہے ان کا تذکرہ ابو عمر نے

کیا ہے۔ (ص۲۵۱ اسد الغابہ ج ۲)

ہم نے اسکو صرف اس غرض سے لکھا ہے کہ اوّلاً ایمانداری معاویہ معلوم ہو کہ حکم میراث بذریعہ مواخات منسوخ ہو چکا مگر معاویہ نے اس کو بھی منسوخ کیا اس سے بڑھ کر کیا محبت مال ہو سکتی ہے کہ تمام ممالک اسلامی کا مالک اسطرح ناجائز وارث بنتا ہے پھر یہ لوگ جائز وارث کو کیوں نہ محروم کریں۔ ثانیاً صحابہ ایسے تھے کہ چند پیسوں کے لالچ میں اپنا دین بیچ ڈالتے تھے پھر ان سے کیا امید ہو سکتی ہے ثالثاً حتات ایسا دین فروش تھا کہ خود کہہ رہا ہے کہ ہمارا ایمان مول لے لو مگر معاویہ نہیں لیتا۔ رابعاً معاویہ بھی اسکا اقرار کرتا ہے کہ محبت جناب امیرؑ عین ایمان ہے جس کو معاویہ جاریہ اور احنف سے مول لے رہا ہے تو کیا اب بھی اہلسنت کو کفر و نفاق معاویہ میں شبہہ ہو سکتا ہے جو ایسے ایسے مقدس صحابہ کا ایمان مول لینا چاہتا ہو۔ خامساً اشعار فرزدق سے جہاں معاویہ کا دین سے خارج ہونا معلوم ہوا وہاں تمامی صحابہ کے نسب کا حال بھی معلوم ہوا کیونکہ وہ صرف آل نبیؐ کو ہر عیب سے پاک و صاف کہہ رہا ہے ورنہ اپنے قبیلہ کو سب سے افضل و اعلیٰ کہہ رہا ہے۔ اللھم صلّ علیٰ محمّد وآل محمّد۔

یہ حتات جو اپنا دین بیچ رہا ہے اُن لوگوں سے ہے جو جناب امیرؑ کے یہاں سے بھاگ کر معاویہ کے پاس آیا تھا جیسا کہ استیعاب میں ہے :- وھرب من علی رضا الی معاویۃ۔ (ص۱۵۳)

تین چار شعر اور بھی اسکے استیعاب میں منقول ہیں :-

لعمر ابیک فلا تکذبن ۔۔۔ لقد ذھب الخیر الّا قلیلا

لقد فتن الناس فی دینھم ۔۔۔ وخلّی ابن عفان شرا طویلا

وحال ابو الحسن دونھا ۔۔۔ فما تستطیع الیھا سبیلا

اور اصابہ میں ہے۔ (ص۳۲۵ ج اوّل)

وابقی ابن عفان شرا طویلاً جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر تو سب جاتا رہا صرف تھوڑا سا بچ رہا عثمان بن عفان بڑا شر چھوڑ کر چلا گیا جناب امیرؑ کی حالت اُن سے جداگانہ ہے کہ وہاں کسی کا گذر نہیں۔

یہ اشعار ہیں اُس مقدس صحابی کے جو طرفدار حضرت عثمان تھا اور اپنا دین بیچنا چاہتا تھا مگر معاویہ نے نہ لیا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ عثمان سے تو بجز شر طویل کچھ نہ باقی رہا۔ افسوس کہ اسد الغابہ میں ان اشعار کو جگہ نہیں ملی حالانکہ استیعاب و اصابہ میں موجود ہے۔

حجّاج بن علاط

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا تو حجّاج بن علاط نے عرض کیا یا رسول اللہ مکہ میں میرا کچھ مال ہے اور وہیں میری بی بی بھی ہے میں چاہتا ہوں کہ وہاں جاؤں تو کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے کہ میں آپ کی کچھ برائیاں کر دوں یا کچھ کہہ دوں۔ ہمیں عبید اللہ بن احمد بن علی نے اپنے سند سے یونس بن بکیر کے حوالے سے خبر دی وہ محمد بن اسحاق سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے مجھ سے کہا مجھ سے بعض اہل مدینہ نے بیان کیا کہ جب حجاج بن علاط سلمی اسلام لائے تو خیبر میں رسول خدا صلعم کے ہمراہ شریک ہوئے اور عرض کیا کہ یا

رسول اللہ مکہ میں کچھ مال میرا تاجروں کے پاس ہے اور کچھ مال میری بی بی ام ابی شیبہ بنت ابی طلحہ کے پاس ہے جو بنی عبد الدار کی بہن ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ میرے اسلام سے واقف ہو جائینگے تو میرا مال ھضم کرلیں گے پس آپ مجھے اجازت دیجئیے کہ میں وہاں جاؤں شاید اپنا مال لے آؤں رسول خدا صلعم نے فرمایا میں نے تمھیں اجازت دی پھر انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہاں مجھے یہ بھی ضرور ہے کہ کچھ کہوں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہو تم کو اجازت ہے، چنانچہ حجاج گئے وہ کہتے تھے کہ جب میں (مقام) ثنیہ بیضاء میں پہونچا تو وہاں قریش کے کچھ لوگ ملے جو خبروں کا تجسس کر رہے تھے جب انھوں نے مجھے دیکھا تو کہا کہ یہ حجاج ہیں ان کے پاس کچھ خبر ہوگی میں نے کہا کہ اُس شخص (یعنی محمد صلعم) کو تو بڑی شکست ہوگئی تم نے سنا ہوگا اور آپکے اصحاب بھی مقتول ہوگئے اور محمد قید کرلیئے گئے لوگوں نے کہا کہ ہم اُن کو قتل نہ کرینگے اُن کو مکہ لے جائینگے اور وہاں سب لوگوں کے سامنے قتل کرینگے پھر ہم مکہ پہونچے تو ان لوگوں نے مکہ میں شور مچادیا کہ یہ حجاج آئے ہیں اور خبر لائے ہیں کہ محمد قید کرلیئے گئے اب صرف اس بات کا انتظار ہے کہ وہ یہاں لائے جائیں اور تم لوگوں کے سامنے قتل کیئے جائیں میں نے کہا تم لوگ میرا مال جمع کردو کیونکہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں محمد کا جو مال لوٹا گیا ہے اُس کو مول لوں گا قبل اسکے کہ تاجر لوگ وہاں پہونچیں۔ چنانچہ اُن سب لوگوں نے اچھی طرح میرا مال جمع کردیا اور میں نے اپنی بی بی سے کہا کہ میرا مال لاؤ تاکہ میں خیبر جاؤں اور وہاں سے سستا مال خرید لاؤں اُس نے بھی میرا مال مجھے دیدیا جب اس خبر کا مکہ میں بہت چرچا ہوا تو عباس میرے پاس آئے اُس وقت میں ایک تاجر کے خیمہ میں کھڑا تھا وہ نہایت شکستہ خاطر اور رنجیدہ میرے پاس آکے کھڑے ہوگئے اور انھوں نے کہا کہ اے حجاج یہ خبر کیسی ہے میں نے کہا کہ آپ ٹھہر جائیے مجھ سے خلوت میں ملیئے وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ اے حجاج تمھارے پاس کیا خبر ہے میں نے کہا میرے پاس واللہ وہ خبر ہے کہ آپ کو خوش کردیگی میں نے واللہ آپکے بھتیجے کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اللہ نے خیبر اُن پر فتح کردیا اور وہاں کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے اور اُن کے مال آپکے بھتیجے کو اور اُن کے اصحاب کو ملے اور میں نے اُنکو اس حال میں چھوڑا ہے کہ انھوں نے خیبر کی شاہزادی (حضرت ام المومنین صفیہ) سے نکاح کیا ہے اور میں تو مسلمان ہوں یہاں صرف اپنا مال لینے آیا ہوں پھر رسول خدا صلعم کے پاس لوٹ جاؤں گا آپ اس خبر کو تین دن تک محفوظ رکھیئے ورنہ مجھے خوف ہے کہ میرا تعاقب کیا جائے گا بعد اسکے میں چلدیا جب تیسرا دن ہوا تو حضرت عباس نے اپنا لباس پہنا اور خوشبو لگائی بعد اسکے عصا لے کر مسجد میں گئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا قریش کے لوگوں نے اُن کو دیکھا تو کہا کہ اے ابو الفضل تم اس سخت مصیبت پر ایسی سنگدلی کرتے ہو حضرت عباس نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم خیبر فتح ہوگیا اور محمد اور اُن کے اصحاب کو مل گیا اور محمد نے وہاں کی شاہزادی سے نکاح کیا ہے اُن لوگوں نے پوچھا کہ تم سے یہ خبر کس نے بیان کی حضرت عباس نے کہا حجاج بن علاط نے وہ تو مسلمان ہوگئے ہیں اور انھوں نے محمد کے دین کی پیروی کرلی یہاں وہ صرف اپنا مال لینے آئے تھے وہ پھر وہیں لوٹ جائینگے کفار قریش نے یہ سنکے بہت واویلا کیا اور کہا اے خدا کے بندو دیکھو وہ خدا کا دشمن ہمیں دھوکہ دے گیا پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد (فتح خیبر کی) خبر اُن لوگوں کو پہونچ گئی ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے (ترجمہ اسد الغابہ صفحہ ۹۵)

کیا اسکے بعد بھی کوئی سنی تقیہ پر اعتراض کرسکتا ہے کہ خود رسول اللہ اس کو اپنی بُرائی بیان کرنے کی

اجازت دیتے ہیں اور یہ صحابی ایسا سفید جھوٹ بول رہا ہے جسکی کوئی حد نہیں۔ استیعاب میں ہے :-

واخص لهم رسول الله ان يقول فيهم بماشاء عند اهل مكة عام خيبر من اجل

مالہ و ولدہٖ۔ (صفحہ ۱۳۶ جلد اول)

حجر بن عدی

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ اور اُن کے بھائی ہانی حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے فضلائے صحابہ میں تھے جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے مشاہیر صحابہ سے ہیں جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اُس نے سختی اور بدچلنی شروع کی تو حجر نے اُسکی بعیت واپس کردی اور حضرت معاویہ کی بعیت اُنھوں نے واپس نہ کی تھی شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت اُنکی پیرو ہوگئی ایک دن تاخیر نماز کی بابت اُنھوں نے اور ان کے صحابہ نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے اُنکی شکایت حضرت معاویہ کو لکھ بھیجی حضرت معاویہ نے لکھا کہ انکو معہ ان کے اصحاب کے میرے پاس بھیجدو چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو وائل بن حجر حضرمی کے ساتھ بھیجدیا اُنکے ساتھ بڑی جماعت تھی جب یہ مقام مرج عذرا میں پہونچے تو اُنھوں نے کہا کہ میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام میں تکبیر کہتا ہوں پھر یہ اور ان کے اصحاب مرج عذرا نامی قریہ میں جو دمشق کے قریب ہے اُترے حضرت معاویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دیا مگر حضرت معاویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی وہ چھوڑ دیے گئے۔ اور حجر اور اُنکے ساتھ چھ آدمی قتل کردیے گئے اور چھ آدمی چھوڑ دیے گئے جب لوگوں نے اُنکے قتل کا ارادہ کیا تو اُنھوں نے دو رکعت نماز پڑھی بعد اسکے کہا کہ اگر تم میری طرف کسی ایسی بات کا گمان نہ کرتے جو مجھ میں نہیں ہے (یعنی بزدلی) تو بیشک میں ان دونوں رکعتوں کو طول دیتا بعد اسکے اُنھوں نے کہا کہ میرے ہتھیار نہ اُتارنا اور میرے خون کو نہ دھونا میں قیامت کے دن معاویہ سے اسی حال سے ملوں گا جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی بد سلوکی کی خبر ملی تو اُنھوں نے عبدالرحمان بن حارث کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لئے حجر اور اُنکے اصحاب کی بیحرمتی نہ کرنا مگر عبدالرحمان ایسے وقت میں پہونچے کہ وہ قتل ہوچکے تھے تو عبدالرحمان نے حضرت معاویہ سے کہا کہ ابو سفیان تو حجر اور اُن کے اصحاب کے ساتھ بہت بردباری کیا کرتے تھے یہ بات تم میں کیوں نہ ہوئی تمنے انکو قید کیوں نہ کردیا کسی دبائی مقام میں کیوں نہ بھیجدیا حضرت معاویہ نے کہا اُس وقت میری قوم میں تمھارے ایسے نیک مشورہ دینے والے لوگ نہ تھے عبدالرحمان نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب نہ تکو حلیم سمجھیں گے اور نہ صاحب عقل تم نے ایسے لوگوں کو قتل کردیا جو مسلمان بھی تھے اور تمھارے پاس قید کرکے بھیجے گئے حضرت معاویہ نے کہا میں کیا کرتا زیاد نے مجھے اُنکے بہت سخت حالات لکھے تھے اور لکھا تھا کہ یہ لوگ ایسا رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جو پھر بند نہ ہوسکے جب حضرت معاویہ مدینہ میں آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے حضرت عائشہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ایسی طویل گفتگو کی کہ حضرت معاویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ہم دونوں اپنے پروردگار کے یہاں ملیں نافع کہتے تھے کہ حضرت ابن عمر بازار میں تھے جب اُن کو حجر کے وفات کی خبر ملی تو اُن سے صبر نہ ہوسکا اُٹھ کھڑے ہوئے اور رونے کی آواز ان سے بلند ہوگئی

محمد بن سیرین سے قتل کے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا انھوں نے کہا ان دونوں رکعتوں کو حجر اور خبیب نے پڑھا ہے اور یہ دونوں بڑے فاضل تھے حسن (بصری) حجر اور انکے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ کہتے تھے ربیع بن زیاد حارثی کو جو حضرت معاویہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے حجر کے قتل کی خبر پہونچی تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ربیع کیلئے اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اُسے اپنی طرف اٹھالے اور جلدی کر چنانچہ وہ اس مقام سے ہٹنے نہیں پائے تھے کہ انکی وفات ہو گئی حجر کا وظیفہ دو ہزار یا پانچسو تھا اُن کا قتل ۵۱ھ میں ہوا اُن کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے مستجاب الدعوۃ تھے اُن کا تذکرہ ابو عمر و ابو موسیٰ نے لکھا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ)

اس تحریر پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ دیتے ہیں "شیعیان علیؑ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ رہتے تھے نہ فرقہ روافض"

اقول۔ معلوم نہیں کہ آپنے روافض اور شیعہ میں کیا فرق نکالا ہے کیونکہ شیعہ ہی کو تو آپ رافضی کہتے ہیں گذشتہ صفحات میں اس رسالہ کے آپ کے تحقیقات کا جواب ہو چکا ہے کہ کبھی تو آپ شیعہ کو قدمائے اہلسنت کہتے ہیں اور کبھی منافق کا خطاب دیتے ہیں یہاں آکر شیعہ اور روافض کو الگ کر دیا بہرحال آپ کو اپنے معاویہ کی فکر کرنی چاہیئے کہ اُس نے کیسے کیسے مقدس صحابی کو بلا جرم و خطا قتل کیا جس پر ابن عمر سا صحابی زور سے رویا ہے اور حضرت عائشہ نے اس قدر معاویہ کی کی ملامت کی تو کیا اب بھی معاویہ کے انجام میں آپ کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے کہاں تک آپ آیات و احادیث کی تکذیب کرینگے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

کہ معاویہ جب داخل مدینہ ہوا اور عائشہ کے ملاقات کو گیا تو عائشہ نے کہا اگر ہم کسی کو چھپا رکھتے جو بعوض محمد ابن ابی بکر تجھے قتل کرتا تو تیرا کیا نتیجہ ہوتا گیا در بارہ حجر تجھے خدا کا خوف نہیں ہوا کہ تونے اُنکو قتل کیا معاویہ نے کہا اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اُس پر گواہی دی مسروق راوی ہیں کہ عائشہ کہتی تھیں کہ اگر معاویہ جانتا کہ اہل کوفہ میں کچھ ہمت و غیرت ہے تو ہرگز وہ اس کی جرأت نہ کرتا مگر ہندہ جگر خوار کے بیٹے نے سمجھ رکھا تھا کہ آدمی جتنے تھے کوفہ میں وہ سب مارے گئے قسم خدا کی حجر اور انکے اصحاب جمجمہ عرب تھے از راہ فقہ و قوت۔ (استیعاب ص۱۳۵)

ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:۔

حجر ابن عدی جناب امیرؑ کی صحبت میں رہے اور حضرتؑ کے شیعہ ہوئے۔ مالک اشتر اور حجر بن عدی شریک دفن و کفن حضرت ابوذر تھے بمقام ربذہ (جہاں عثمان نے ابوذر کو نکلوا دیا تھا)

وجہ قتل زیاد جو معاویہ کی طرف سے حاکم کوفہ تھا اُس نے خطبہ میں اسقدر طول دیا کہ نماز عصر کا وقت جاتا تھا اُس پر حجر نے اسکو یاد دلایا کہ نماز جاتی ہے مگر وہ خطبہ پڑھتا رہا اُس پر حجر نے اور لوگوں نے بھی اُس پر کنکریاں پھینکیں زیاد منبر سے اترا اور معاویہ کو لکھ بھیجا۔ معاویہ نے لکھا کہ ہمارے پاس بھیجو جب حجر معاویہ کے پاس پہونچے تو کہا السلام علیک یا امیر المومنین معاویہ نے کہا کیا ہم امیر المومنین ہیں اُنکو لیجاؤ قتل کرو حجر نے کہا دیکھو ہمارے جسم سے بیڑیاں وغیرہ نہ نکالنا نہ ہمکو غسل دینا ہم اسی طرح سے خدا کے سامنے معاویہ سے مخاصمہ کریں گے۔ ابن عمر نے جب

ان کے شہادت کی خبر سنی تو وہ بازار میں تھے روتے ہوئے بآواز بلند وہاں سے روانہ ہوئے عائشہ نے معاویہ پر اس بارہ میں عتاب کیا اور کہا ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ہمارے بعد کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے جس پر خدا غضبناک ہوگا اور اہل آسمان۔ ابراہیم بن جنید نے کتاب الاولیا میں نقل کیا ہے کہ یہ جب معاویہ کے پاس جا رہے تھے تو راہ میں ضرورت غسل جنابت ہوئی آپ نے موکل سے کہا جو پانی تم کو کل دینے والا ہے وہ آج ہی دیدیے کہ ہم غسل کرلیں کل نہ دینا موکل نے کہا خوف ہے کہ راہ میں تم پیاسے مرجاؤ اور معاویہ ہم کو اس وجہ سے قتل کرے لہذا پانی نہیں دیا حجر نے خدا سے دعا کی جس پر ایک ابر کا ٹکڑا نمایاں ہوا اور پانی برسا جس سے بقدر ضرورت انھوں نے لے لیا لوگوں نے کہا دعا کیجیے کہ خدا ہم کو اس بلا سے نجات دے تو انھوں نے دعا کیا خداوندا جو ہمارے حق میں بہتر ہو اسکو اختیار کر اسکے بعد وہ قتل کیے گئے شہادت آپ کی سنہ ۵۳ھ میں ہوئی آپ کے دو بیٹے تھے عبیداللہ عبدالرحمان دونوں مختار کے ساتھ شہید ہوئے جبکہ مصعب نے کوفہ پر غلبہ پایا۔ (اصابہ جلد ا صفحہ ۳۲۹)

اب تو کچھ بتانیکی ضرورت نہ رہی کیونکہ ان کے مستجاب الدعا ہونیکو اصابہ۔ استیعاب۔ اسد الغابہ سب میں لکھا ہے مگر افسوس معاویہ نے کسی کا خیال نہ کیا حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ اس کی خبر دے گئے ہیں کہ خدا اور فرشتے اُن کے قتل پر غضبناک ہوں گے۔

جرم اُن کا صرف اس قدر قرار دیا گیا ہے کہ زیاد کو نماز کا وقت یاد دلایا کہ خطبہ کی وجہ سے نماز جاتی ہے کیا اب بھی کسی کو نفاق معاویہ میں شبہ ہو سکتا ہے دو فرزند ان کے تھے وہ سب مختارؒ کے شریک تھے کہ امام حسینؑ کے خون کا انتقام لیں مگر مصعب نے ان دونوں کو بھی قتل کیا۔

شہادت حجر بن عدی اُن وقائع عظیم سے ہے جس پر تاریخ و حدیث کی ساری کتابیں لڑ رہی ہیں تصانیف کا فیہ میں ہے جو فاضل اجل محمد بن عقیل حسینی کی تصنیف ہے اور وہ حیدرآباد میں مُدرّس اعلیٰ ہیں۔

یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں اور بیہقی دلائل النبوۃ میں روایت کرتے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا اے اہل کوفہ بہت قریب ہے کہ تم میں سے سات آدمی قتل ہونگے مقام عذرا میں جن کی مثال اصحاب اخدود کی ہوگی (جن کا ذکر قرآن میں ہے (وقتل اصحاب الاخدود) گڑھا کھود کر رہنے والے قتل کیے گئے سورۂ واذ السماء انشقت) پس قتل کیے گئے حجر اور اصحاب اُنکے کہا امام بیہقی نے کہ حضرت علیؑ کا اس طرح کہنا بغیر اسکے نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ سے سنا ہو ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ معاویہ جب عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عائشہ نے کہا تو نے حجر اور اُن کے اصحاب کو قتل کیا حالانکہ ہم نے یہ حدیث سنی ہے کہ مقام عذرا میں سات آدمی قتل کیے جائینگے جن کے لئے خدا اور اہل سما غضب میں آئینگے۔ یعقوب بن سفیان نے روایت کیا ہے کہ عائشہ نے معاویہ کے اس حرکت پر نہایت ناراضی دکھائی کہ حجر کو اور انکے اصحاب کو بمقام عذرا قتل کیا اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ مقام عذرا میں سات آدمی قتل کیے جائینگے جن کے لئے

خدا اور رسول غضبناک ہوگا۔

ان احادیث کو دیکھ کر اب اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائیے۔

ومن یقتل مومنًا متعمدًا فجزاؤہ جھنم خالدًا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ و اعد لہ عذابًا عظیمًا۔ (سورہ نساء پ ۵ ع ۱۰)

یعنی جو شخص کسی مومن کو عمدًا و قصدًا مار ڈالے تو اُسکی جزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کا غضب اُس پر ہے اور اُس پر خدا لعنت کریگا اور ایسے شخص کے لئے عذاب عظیم مہیا کیا گیا ہے۔

اب ہم اہلسنّت کو مبارکباد دیتے ہیں کہ کیسے امام کو آپنے مقتدا بنانا ہے جس پر خدا کی لعنت ہے اور اسکے رسول کی۔ اصلی وجہ قتل اسکو تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ زیاد نے صرف اس جرم پر انھیں معاویہ کے پاس بھیجا تھا کہ انھوں نے نماز عصر کو یاد دلایا تھا کہ تیرے خطبہ کیوجہ سے اُسکا وقت نکلا جاتا ہے مگر وقت شہادت جو بات چیت ہُی اس سے پوری حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ نصائح کافیہ میں ہے:۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ہدبہ بن فیاض قضاعی حصین بن عبداللہ کلابی آیا شریف بدر کا کو حجر کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے اُن لوگوں کو جا کر قتل کرے تو قبل قتل ہدبہ نے کہا ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم سے کہیں کہ اگر تم لوگ تبرّا کرو گے علیؑ سے اور اُن پر لعنت کرو گے تو تم کو چھوڑ دینگے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تم کو قتل کرینگے ان لوگوں نے جواب دیا ہم اسکو نہیں کر سکتے لہٰذا حکم دیا کہ قبر کھودی جائے اور کفن حاضر کیا جائے حجر اور انکے اصحاب نے اُس شب کو تمام شب عبادت کیا صبح کو جب بارادہ قتل حجر کے طرف بڑھے تو کہا ہمکو دو رکعت نماز پڑھ لینے دو اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم کہو گے ہم موت سے ڈرتے ہیں تو ضرور زیادہ پڑھتے اسکے بعد حجر اور انکے اصحاب سے چھ آدمی قتل کئے گئے۔

عبد الرحمان بن حسان عنزی کریم خثعمی (منجملہ قیدیان) نے کہا ہم کو معاویہ کے پاس لے چلو کہ جو وہ چاہتا ہے ہم بھی کہیں گے معاویہ نے اجازت دی جب داخل ہوئے تو خثعمی نے کہا اے معاویہ خدا سے ڈر کہ تو اس دنیا سے دار الآخرت کے طرف جانیوالا ہے وہاں تجھ سے سوال کیا جائے گا کہ کیوں ہم لوگوں کو ناحق قتل کیا معاویہ نے پوچھا تو علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے خثعمی نے کہا جو تو کہتا ہے وہی ہم بھی کہتے ہیں ہم اس دین سے برات کرتے ہیں جس دین پر حضرت علیؑ عبادت خدا کیا کرتے تھے معاویہ سنکر چپ ہو رہا شمر بن عبداللہ نے کہا اس کو ہم کو بخشدیجئے معاویہ نے دیدیا اور یہ شرط لیا کہ کوفہ میں نہ داخل ہو لہٰذا انھوں نے موصل میں قیام کیا۔

پھر عبد الرحمان بن حسان سے پوچھا کہ تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو اُس نے کہا اس بارے میں نہ سوال کرو کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہو معاویہ نے کہا قسم بخدا ہم اس سوال کو نہیں چھوڑ سکتے اُس نے کہا ہم خدا کو گواہ کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ ان لوگوں سے تھے جو خدا کو بہت یاد کرتے اور حکم بحق کرتے اور عدل کے ساتھ قیام کرتے اور لوگوں سے درگذر کرتے معاویہ نے کہا پھر عثمان کے بارے میں کیا کہتا ہے عبد الرحمان نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے باب ظلم

کو کشادہ کیا اور باب حق کو بند کیا معاویہ نے کہا تو نے اپنے کو قتل کیا عبد الرحمان نے جواب دیا بلکہ تجھے قتل کیا معاویہ نے اس کو زیاد کے پاس واپس کیا اور لکھ بھیجا کہ سب سے بدتر طریقہ سے قتل کرو چنانچہ زیاد نے اسے زندہ دفن کردیا۔

علامہ ابن اثیر جزری نے اس واقعہ کو تاریخ کامل جلد ۳ میں بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۷ لغایت ۱۹۴ جو اس رسالہ مختصرہ میں نہیں آسکتا مگر چند فقرات اسکے ضروری ہیں:-

(۱) معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو ۴۱ھ میں حاکم کوفہ بناکر بھیجا ہے تو کہا:-

وقد اردت ایصاءك باشیاء کثیرة انا تارکها اعتماداً علی بصرك ولست تارکا ایصائك بخصلة لا تترك شتم علی وذمه والترحم علی عثمان والاستغفار له والعیب لاصحاب علی والاقصاء لهم والاطراء بشیعة عثمان والادناء لهم فقال المغیرہ قد جربت وجربت وعملت قبلك لغیرك۔ (صفحہ ۱۸۷)

ہمنے چاہا تھا کہ بہت سے باتوں کے بارےمیں تجھے وصیت کریں مگر چونکہ تیری عقل و فہم پر پورا اعتماد ہے لہٰذا سب کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ وصیت ضروری ہے جس کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے کہ تو اسکو کبھی نہ چھوڑنا کہ حضرت علی کو گالیاں دیا کرے اور اُن کی مذمت بیان کرے اور عثمان پر رحمت بھیجا کر اور اُنکے لیئے استغفار کیا کرے اور حضرت علیؑ کے اصحاب کا عیب بیان کر اور اُنکو دور رکھا کر اور شیعیان عثمان کی تعریف کیا کر اور اُنکو اپنے سے نزدیک کر مغیرہ نے کہا تم کو بھی تجربہ ہو چکا ہے اور ہمکو بھی اور پہلے خلفا کی طرف سے بھی ہم کام کر چکے ہیں۔

(۲) فاقام المغیرہ عاملاً علی الکوفه وهو احسن شئ سیرة غیر انه لا یدع شتم علیؑ والوقوع فیه والدعاء لعثمان والاستغفار له۔

یعنی مغیرہ نے طرح انتظام کیا مگر جناب امیرؑ کے گالے دینے اور مذمت کرنیکو کبھی نہ چھوڑا اسی طرح عثمان کے لیئے دعا اور استغفار کو کبھی نہ ترک کیا۔

اسکے بعد وفات مغیرہ ہے اور حکومت زیاد اور حجر بن عدی کے گرفتاری کا حکم اور اُن کا کوفہ سے بھاگنا اور صیفی کا گرفتار ہونا۔ اسکے بعد زیاد کا لوگوں کا گواہ بنانا۔

(۳) فشهد اسحٰق وموسیٰ ابنا طلحه بن عبید الله والمنذر بن الزبیر وعمارہ بن عقبه بن ابی معیط وعمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرهم وکتب فی الشهود شریح بن الحرث القاضی وشریح بن هانی فاما شریح بن هانی فکان یقول ما شهدت وقد ندمت۔ (صفحہ ۱۹۱)

یعنی زیاد نے جو خط بنام معاویہ لکھا اُس پر اسحٰق۔ موسیٰ پسران طلحہ نے گواہی کی اور منذر بن الزبیر نے اور عمارہ بن عقبہ (جو غالباً برادر مادری حضرت عثمان ہے) اور عمرو بن سعد ابی وقاص (قاتل امام حسینؑ) اور شریح بن حارث کا نام لکھ دیا اور شریح بن ہانی کا، حالانکہ شریح بن ہانی اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص کو کیسی عداوت تھی جناب امیرؑ سے کہ اس جھوٹی شہادت

میں وہ شریک ہوئے۔
اب ہم اس واقعہ کو تمام کرتے ہیں، حجر کے ساتھ یہ لوگ بھی شہید کیے گئے۔ شریک حضرمی۔ صیفی بن مسلمہ شیبانی قبیصہ بن ضبیعہ عبسی۔ محرز بن شہاب سعدی تیمی۔ کدام بن حیان عنزی۔ عبدالرحمان بن حسان عنزی جن کو زیاد نے زندہ دفن کیا۔ (صفحہ ۱۹۱ کامل)

(۴) یعنی امام حسن بصری کہتے ہیں کہ ۴ خصلتیں معاویہ میں ایسی تھیں کہ ان میں سے ایک بھی اسکے ہلاکت کو کافی تھی ایک یہ کہ امت محمدیؐ پر بزور تلوار مسلط ہوا بغیر مشورہ کے حالانکہ بہت سے اصحاب صاحبان فضیلت اس میں موجود تھے دوسرے اپنے بیٹے کو خلیفہ کیا جو شراب خوار تھا ہر وقت بدمست رہتا ریشم پہنتا اور طنبورہ بجاتا تیسرے یہ کہ زیاد کو اپنا بھائی بنایا حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے الولد للفراش و للعاهر الحجر۔ چوتھے یہ کہ حجر اور اس کے اصحاب کو قتل کیا پس وائے ہو اس پر حجر کیطرف سے اور وائے ہو اس پر حجر کے اصحاب کی طرف سے
حضرت حجر نے بوقت شہادت کہا تھا ہمکو یوں ہی بیڑیوں سمیت دفن کرنا ہم معاویہ سے سمجھ لیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصائح کافیہ میں ہے :۔

قال ابن سیرین بلغنا ان معاویہ لما حضرتہ الوفاۃ جعل یقول یومی منک یا حجر طویل۔ (صفحہ ۵۹)

کہ جب وقت وفات معاویہ قریب ہوا تو کہنے لگا اے حجر ہمارا دن تم سے بہت طویل ہے۔
چونکہ اس رسالہ کی بنا اختصار پر ہے اس لیے زیادہ طول دینا مناسب نہیں اگر اس سے زیادہ مفصل حال دیکھنا ہو تو نصائح کافیہ اور تشئید المطاعن وغیرہ ملاحظہ فرمائیے کیونکہ ہم جو کچھ لکھا ہے وہ اصابہ، استیعاب، اسد الغابہ، تاریخ کامل نصائح کافیہ ہے جس سے آل و اصحاب کے تعلقات پر پوری روشنی پڑتی ہے صرف اس جرم پر اصحاب کبار قتل کیے جاتے تھے کہ وہ شیعہ جناب امیرؑ تھے اس شرط پر زندہ چھوڑے جاتے تھے کہ وہ جناب امیرؑ سے تبرا کریں ورنہ زندہ دفن کر دیے جاتے کیسے کیسے مقدس صحابی سب وشتم جناب امیرؑ کو علانیہ منبروں پر ادا کرتے پھر دنیا میں مذہب شیعہ کیونکر باقی رہ سکتا تھا مگر یہ بھی معجزہ جناب امیرؑ و ائمہ اطہار ہے کہ اب بھی وہ مذہب حق باقی ہے اور مطابق وعدہ خدا و وعدہ رسولؐ سب پر غالب ہے اگرچہ عدد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔

حذیفہ بن یمان

نبی صلعم کے حضور میں ہجرت کر کے آئے تھے اُن کا نام اس طرح لیا جاتا تھا حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین منافقوں کے حالات رسول خدا نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہ بتائے تھے۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ کیا میرے عمال میں کوئی منافق ہے حضرت حذیفہ نے کہا ہاں ایک ہے حضرت عمر نے پوچھا وہ کون ہے اُنھوں نے کہا میں نہ بتاؤں گا حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس منافق کو معزول کر دیا۔ نبی صلعم سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ اس سے بچیں

ایک شخص نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت فتنہ کون ہے انھوں نے کہا یہ کہ نیکی اور بدی دونوں تمہارے سامنے پیش کی جائیں اور تم نہ سمجھ سکو کہ کس کو اختیار کریں اُن کی وفات حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد ہوئی ۳۶ھ (اسد الغابہ ص۳۹۲ ج ۲)

اصابہ میں ہے :-

وروی مسلم عن عبد اللہ بن یزید الخطمی عن حذیفۃ قال لقد حدثنی رسول اللہ ما کان وما یکون حتّٰی تقوم الساعۃ

یعنی صحیح مسلم میں ہے کہ حذیفہ نے کہا رسول اللہ نے ہمکو خبر دی ہے کل ان باتوں سے جو ہو چکیں یا ہونگی روز قیامت تک۔

کیا اس حدیث کو کبھی دیکھکر اہل حدیث اس پر ایمان نہ لائینگے کہ رسول اللہ کو علم ما کان وما یکون یعنی علم غیب تعلیم خدا حاصل تھا۔

روایت اسد الغابہ میں یہ ہے کہ عمر اپنے عمال کے نسبت پوچھتے تھے کہ ان میں کوئی منافق ہے یا نہیں حالانکہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

کسی نے حذیفہ سے سوال کیا کہ تمکو نام منافقین کا کیونکہ معلوم ہوا حالانکہ ابوبکر و عمر تک نجانتے تھے خدیفہ نے کہا شب عقبہ ہم سواری رسول خدا کے پیچھے پیچھے جاتے تھے حضرت کو کچھ نیند آگئی تھی کہ ہمنے سنا کچھ لوگ کہتے ہیں اگر ہم لوگ حضرت کو اونٹ سے گرادیں کہ گردن ٹوٹ جائے تو اُنکے ہاتھ سے خلاصی پائیں حذیفہ کہتے ہیں کہ یہ سنکر ہم درمیان میں آگئے اور آواز کو بلند کیا حضرت بیدار ہوگئے پوچھا کون ہے میں نے عرض کیا میں ہوں حذیفہ پھر پوچھا یہ کون لوگ ہیں میں نے سب کے نام بتائے حضرت نے فرمایا یہ سب منافق ہیں کسی کو انکا نام نہ بتانا اور تاریخ سے منقول ہے کہ رسول خدا نے بجز حذیفہ کسی کو منافقین کے نام نہ بتائے ہم لوگ بارہ آدمی تھے۔ (اسماء الرجال ص۲۱۱)

پھر اوسی کتاب میں ہے :-

وکان عمر یسأل حذیفۃ عن حدیث العقبۃ ویسئلہ عن علامات النفاق هل تری فیہ شیئًا۔

کہ عمر پوچھا کرتے تھے حدیث عقبہ کو اور علامات نفاق کو اور اس بات کو کہ آیا ہم میں بھی کچھ علامت نفاق پاتے ہو۔

پھر تعجب ہے کہ اصل واقعہ کو یہ لوگ چھپا کر کیوں ایسی باتیں بناتے ہیں۔ میزان الاعتدال علامہ ذہبی میں ہے کہ عمر نے کہا :-

(ص۳۲۶)

یا حذیفۃ باللہ انا من المنافقین کہ اے حذیفہ قسم خدا کی ہم منافقوں سے ہیں۔

پھر نہ معلوم اس قسم کے افترا پردازی سے کیا کیا فائدہ۔

حر بن قیس یہ بھتیجے ہیں عیینہ بن حصین کے حر نے عیینہ کے لیئے اجازت طلب کی عمر نے اجازت دی تو عیینہ نے عمر سے کہا اے ابن خطاب خدا کی قسم تم ہمیں مال نہیں دیتے اور ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے۔ (اسد الغابہ ص۲۷)

اب اس سے بڑھ کر کونسی شہادت ہو سکتی ہے اسکی کہ عمر ناانصافی کرتے کیونکہ خود صحابی رسول گواہی دے رہا ہے

حرام بن ملجان اصابہ میں اسی کے ترجمہ میں ہے۔ وکان مسلما کہ اپنا اسلام خوف سے ایک عورت کے مخفی بکتم اسلامہ لامرءة من قومہ (ص۲۷) رکھتا تھا۔

کیا اب بھی تقیہ پر اعتراض ہو سکتا ہے جب ایسا صحابی اپنے اسلام کو مخفی رکھتا تھا۔

حرقوص بن زہیر سعدی عمر نے ان کو مسلمانوں کے مدد کے لئے بھیجا تھا یہ پہلے جناب امیرؑ کے ساتھ بھی جنگ صفین میں تھے مگر آخر میں خارجی ہو گئے جب حضرت علیؑ نے خوارج سے قتال کیا تو یہ خوارج کے ساتھ اور اسی زمانہ میں ۳۷ھ میں مقتول ہوئے اسد الغابہ ص۲۷۵)

حریز بن شراحیل کندی صحابی ہیں انھوں نے ۶۶ھ میں شہادت پائی ص۲ اسد الغابہ مگر افسوس نصرت امام حسین نہ کی۔

حزن بن ابی وہب رسول اللہ نے اُن کا نام سہل رکھا اُنھوں نے عرض کیا کہ میں اپنا نام نہ بدلونگا۔ (اسد الغابہ جلد)

کیا ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت نازاں ہیں جو حضرت کے حکم سے اپنا نام بھی بدلنا پسند کرتے۔

حسان بن ثابت انصاری بڑے اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے کفار و مشرکین کی ہجو کیا کرتے حضرت عائشہ پر تہمت لگانے میں یہ بھی شریک تھے حسان بن ثابت۔ مسطح بن اثاثہ۔ حمنہ بنت جحش۔ حضرت نے ان لوگوں کو اسی اسی دُرّے مارے یہ نہایت بزدل تھے حضرت نے غزوہ خندق میں اُنکو بھی عورتوں کے ساتھ ایک بلند مقام پر پہونچا دیا تھا جو بمنزلہ قلعہ تھا ایک کافر آیا تو حضرت صفیہ نے کہا اسے قتل کرو کہا ہم اس کام کے نہیں حضرت صفیہ نے خود اُسے قتل کیا تو حسان سے کہا جا کر اس کا لباس وغیرہ اتار لو حسان سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ (ص۳ اسد الغابہ جلد ۳

ہمنے اس غرض سے اُن کا حال لکھا ہے کہ اہلسنت دعوی کرتے ہیں الصحابۃ کلھم عدول صحابی جتنے ہیں وہ عادل ہیں تو اب وہ غور کریں کہ جب خود رسول اللہ کے روبرو حضرت کی محبوبہ پر ایسی تہمت لگائی جس پر اسی اسی دُرّے لگائے گئے تو پھر اس پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ وہ بعد وفات رسول اپنے ذاتی اغراض کیلئے افترا کریں اسی لیئے کہ اسلامی دنیا میں جو کچھ فساد ہوا وہ انھیں صحابہ کے بدولت۔

تاریخ کامل میں سولہ آدمیوں کا نام لکھا ہے جنھوں نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اُن میں حسان بن ثابت کا بھی نام ہے

فاما حسان فکان شاعرا لا یبالی ما یصنع و اما زید بن ثابت فولاہ عثمان

الدیوان و بیت المال (صفحہ ۵۰ جلد ۳)

یعنی حسان تو مرد شاعر تھے انکو کچھ پروا نہ تھی کہ کیا کرتے ہیں اور زید بن ثابت کو عثمان نے دیوان اور بیت المال کا متولی قرار دیا تھا۔ اس وجہ سے اُنھوں نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی یہی زید بن ثابت کاتب قرآن بھی ہیں جنھوں نے حسب خواہش عثمان ترتیب دیا تھا۔

جناب امام حسن علیہ السلام کا نام بھی اسی فہرست میں لیا گیا ہے لہذا ہم کو بھی یہیں لکھنا پڑا ورنہ آپ کا ذکر خیر تو رسول اللہ کے ساتھ ہوتا۔

سیدنا و ابن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

فرزند جگر گوشہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم

ابن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ قریشی ہاشمی کنیت ابو محمدؑ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں والدہ اُنکی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ جوانان اہلجنت کے سردار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کے زندگی) کی بہار ہیں (صورت میں بھی) آپ کے مشابہ تھے اُنکا نام حسن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور اُن کی کنیت ابو محمد آپ ہی نے قائم کی تھی اور ولادت سے ساتویں دن آپ نے عقیقہ کیا تھا اور اُنکے بال منڈوائے تھے اور حکم دیا تھا کہ اُن کے بالوں کے ہموزن چاندی خیرات کیجائے اہل کساکے پانچویں شخص ہیں۔

ابو محمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام جاہلیت میں کسی کا معلوم نہیں ہوتا اور اُنھوں نے ابن اعرابی سے اُنھوں نے مفضل سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا اللہ تعالی نے یہ دو نام احسن اور حسین چھپا رکھے تھے یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں صاحبزادوں کا نام حسنؑ اور حسین رکھا ابن اعرابی کہتے ہیں میں نے مفضل سے کہا کہ وہ شخص یمن میں تھے (انکا نام بھی تو حسنؑ اور حسینؑ تھا) مفضل نے کہا ان کا نام حَسن ساکن السین اور حُسین بفتح حا و کسر سین تھا ان دونوں صاحبزادوں سے پہلے حسنؑ اور حسینؑ کسی کا نام نہ تھا صرف حسن کے نام سے ایک گاؤں بلاد ضبہ میں ہے (جسکی نسبت) ابن عنمہ (شاعر) نے یہ شعر لکھا ہے۔ عداۃ اضر بالحسن السبیل اسی مقام میں بسطام بن قیس شیبانی قتل کیے گئے۔

حسن بن ابی طالب جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھیں نصف رمضان ۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور مدینہ منورہ میں ۴۹ھ ہجری میں اُن کی وفات ہوئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی ولادت نصف شعبان ... ہجری کی ... ہوئی اور بعض کہتے ہیں ...

کے ایک سال بعد اور بعض کہتے ہیں دو سال بعد پیدا ہوئے ہجرت کے اور غزوہ اُحد کے درمیان میں دو برس چھ مہینے پندرہ دن کا فصل تھا۔ ام فضل نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا ایک عضو آپ کا میرے گھر میں ہے حضرت نے فرمایا کہ تم نے اچھا (خواب) دیکھا فاطمہ سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کو تم قثم کا دودھ پلاؤ گی چنانچہ حضرت حسنؑ پیدا ہوئے اور ام فضل نے انکو قثم کا دودھ پلایا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے تھے جب حسنؑ پیدا ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اسکا نام کیا رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے حضرت نے فرمایا وہ (حرب) نہیں ہے بلکہ اس کا نام حسن ہے پھر جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو ہم نے اُن کا نام بھی حرب رکھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے (بدستور سابق) فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اسکا کیا نام رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے حضرت نے فرمایا وہ (حرب نہیں ہے) بلکہ (اسکا نام) حسینؑ ہے پھر جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اسکا نام حرب رکھا آپ نے فرمایا وہ (حرب نہیں ہے) بلکہ (اس کا نام محسن ہے بعد اسکے آپ نے فرمایا کہ میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو ہارون (پیغمبر علیہ السلام) کے بیٹوں کے نام تھے (یعنی) شبر اور شبیر اور مشبر (حضرت حسنؑ سے ام المومنین) عائشہ نے اور شعبی اور سوید بن غفلہ اور شقیق بن سلمہ اور ہبیرہ بن یریم اور شعیب بن نجبہ اور اصبغ بن نباتہ اور ابو الجوزا اور معاویہ بن خدیج اور اسحاق بن بشار اور محمد بن سیرین وغیرہم نے روایت کی ہے)

حضرت حسنؑ بن علی فرماتے تھے مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات تعلیم فرمائے ہیں جنکو میں (وتر کی دعائے قنوت) میں پڑھ لیا کرتا ہوں (وہ کلمات یہ ہیں:-

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک وانک لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

یزید بن ابی مریم نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے حضرت حسنؑ بن علیؑ سے عرض کیا کہ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں یاد ہوں تو بیان کیجئے اُنھوں نے کہا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بات یاد ہے میں نے (ایک مرتبہ) صدقے کے چھواروں میں سے ایک چھوارا لیکر اپنے منہ میں رکھ لیا تھا حضرت نے اسکو (میرے منہ سے) نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب (دہن) مل چکا تھا اور اُسکو صدقے کے چھواروں میں ملا دیا کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ ایک چھوارے کی کیا بات تھی (آپ نے کھا لینے دیا ہوتا) آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے یعنی آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس بات میں تم کو شک ہو اُسکو ترک کردو کیونکہ سچائی نام اطمینان کا ہے اور شک جھوٹی چیز ہے اور حضرت ہمیں اس دعا

کی تعلیم دیا کرتے تھے اس کے بعد انھوں نے قنوت کی حدیث ذکر کی۔

سفیان ثوری نے خبر دی کہ وہ کہتے تھے حضرت حسنؑ بن علیؑ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص نماز پڑھ کر اپنے مصلا پر بیٹھا رہے یہاں تک کہ آفتاب نکل آئے تو یہ کام اُس کے لئے دوزخ سے حجاب ہو جائے گا یا فرمایا کہ دوزخ ایک پردہ ہو جائے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں سوا دو خالہ زاد بھائیوں یعنی حضرت عیسیٰ اور یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے۔ اُسامہ بن زید نے خبر دی وہ کہتے تھے کہ میں ایک رات کو کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ میرے پاس باہر تشریف لائے اور آپ کسی چیز کو اُٹھائے ہوئے (چادر میں چھپائے ہوئے) تھے مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ کس چیز کو اُٹھائے ہوئے ہیں پھر جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا حضرت یہ کیا چیز ہے جسکو آپ اُٹھائے ہوئے ہیں آپ نے چادر کھول دی تو (معلوم ہوا کہ) وہ حسنؑ اور حسینؑ ہیں جنکو آپ اپنی گود میں لیئے ہوئے تھے پھر آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں لے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان دونوں سے محبت رکھ اور جو شخص انسے محبت رکھے تو بھی اُس سے محبت رکھ۔ (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میرا بیٹا (یعنی حسن) سردار ہے اسکے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیاں صلح کرا دے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں حسنؑ اور حسینؑ (گھر سے باہر) آئے سُرخ کرتے پہنے ہوئے چلے آ رہے تھے اور اُنکے پیر لڑکھڑاتے تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اُتر پڑے اور اُنکو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھا لیا بعد اسکے فرمایا اللہ سچ فرماتا ہے انما اموالکم واولادکم فتنة میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آ رہے ہیں اور اُنکے پیر لغزش کرتے ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور اُنکو اُٹھا لیا۔ نیز وہ کہتے تھے انس بن مالک سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے حسن بن علی سے زیادہ (صورت میں) رسول خدا صلی اللہ وسلم کے مشابہ کوئی نہ تھا۔ ابن عباس سے نقل کر کے خبر دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) حضرت حسن کو اپنے شانہ پر سوار کیئے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ اے صاحبزادے تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سوار بھی تو اچھا ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسنؑ بن علیؑ کو اپنے شانے پر سوار کیئے ہوئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ میں اُسکو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ۔ عمر بن ابی سلمہ ربیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر کے خبر دی کہ وہ کہتے تھے حضرت ام سلمہ کے گھر میں جب یہ آیت نازل ہوئی انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا تو ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بھی ان لوگوں میں ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بہتری پر ہو۔ زید بن ارقم سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دو گرانقدر چیزیں تم میں چھوڑے جاتا ہوں جب تک اُنکے ساتھ تمسک کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک چیز ان میں سے بہ نسبت

دوسرے کے بڑی ہے (وہ دونوں یہ ہیں) کتاب اللہ جو مثل ایک رسّی (کے) ہے آسمان سے زمین کیطرف لٹکی ہوئی اور میری عترت یعنی میرے اہلبیت اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر (ساتھ ہی ساتھ) پہونچ جائے گی پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت رکھو بوجہ اُن نعمتوں کے جو روزانہ تم پر فائض ہوتی ہیں اور بوجہ اللہ کی محبت کے مجھ سے محبت رکھو اور بوجہ میری محبت کے میرے اہلبیتؑ سے محبت رکھو لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت حسنؑ بن علیؑ نے کئی حج پاپیادہ کیئے اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ میں اس حال میں اس سے ملوں کہ میں اسکے گھر تک پاپیادہ نجاؤں اور تین مرتبہ اُنھوں نے اپنا نصف مال اللہ کی راہ میں دیا (نصف بھی اس طرح کہ) ایک جوتی رکھ لیتے تھے اور ایک جوتی دیدیتے تھے اور دو مرتبہ اپنا پورا مال دیدیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حسن بھی اسباط میں سے ایک سبط ہیں حضرت حسن بہت ہی بردبار اور کریم و پرہیزگار تھے اُنکی پرہیزگاری ہی نے اُنھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے اللہ کے یہاں کے ناز و نعیم پر قناعت کر کے دنیا اور اُسکی سلطنت چھوڑدی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم بنوں اور میری حکومت میں کسی کا خون تچھنے سے بھی گرایا جائے۔ حضرت عثمان بن عفان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے حضرت علی سترہ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے تھے حضرت حسن کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے جان دیدینے کے اقرار پر بیعت کی تھی یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے اُنکے والد حضرت علی سے بھی بیعت کی تھی مگر وہ حضرت حسن کے زیادہ اطاعت کرنے والے اور اُنسے زیادہ محبت رکھنے والے تھے حضرت حسن قریب سات مہینہ کے عراق اور اُسکے ماسوا یعنی خراسان اور حجاز اور یمن وغیرہ کے خلیفہ رہے پھر حضرت معاویہ شام سے اُن کی طرف چلے اور یہ حضرت معاویہ کی طرف چلے جب دونوں لشکر مقابل میں آگئے تو حضرت حسن نے خیال کیا کہ ایک کو دوسرے پر فتح نہیں ملسکتی جب تک کہ دوسرے لشکر کا اکثر حصہ مقتول نہ ہو جائے لہٰذا اُنھوں نے حضرت معاویہ کو پیغام دیا کہ میں تمھیں خلافت دیئے دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تمھارے بعد پھر میں خلیفہ کیا جاؤں اور اس شرط پر کہ اہل مدینہ اور اہل حجاز و عراق سے ان چیزوں کو طلب نہ کرنا جو میرے والد کے وقت میں اُنھیں مل چکی ہیں اس کے علاوہ اور قواعد بھی تھے حضرت معاویہ نے اسکی درخواست منظور کرلی اور وہ معجزہ نبویّہ ظاہر ہوا جو حضرت نے فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرادے گا اور اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہوگی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو سردار فرمایا۔

حضرت حسن اپنے والد امیر المومنین (علی مرتضیٰ) کی وفات کے بعد (خطبہ پڑھنے) کھڑے ہوئے اور اللہ عزّوجلّ کی حمد کے بعد فرمایا ہمیں اہل شام (کی لڑائی) سے کسی شک یا ندامت نے نہیں روکا ہم اہل شام سے سلامتی اور صبر کے ساتھ لڑتے تھے مگر اب عداوت کی وجہ سے سلامتی جاتی رہی اور جزوع کی سبب سے صبر چلا گیا جب صفین کیطرف

تم بلائے جاتے تھے تو اس وقت تمہارا دین دنیا سے مقدم تھا مگر اب تمہاری دنیا تمہارے دین سے مقدم ہو گئی ہے آگاہ ہو ہم تو اب بھی تمہارے لئے ویسے ہی ہیں جیسے تھے مگر تم ہمارے لئے اب ویسے نہیں رہے جیسے تھے اس وقت دو قسم کے لوگ تمہارے مقتول ہو چکے ہیں جن کے لئے تم رو رہے ہو اور کچھ لوگ نہروان میں مقتول ہو چکے ہیں جن کا انتقام تم طلب کر رہے ہو جو لوگ باقی رہ گئے ہیں وہ ناکام ہیں اور جو رو رہے ہیں وہ پریشان ہیں۔

سنو! معاویہ نے ہمیں ایک ایسی بات کی طرف بلایا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف پس اگر تم موت کے خواہشمند ہو تو ہم معاویہ کی بات نامنظور کر دیں اور اللہ عزوجل کے سامنے تلوار کی باڑھ سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کے خواہشمند ہو تو ہم معاویہ کی بات مان لیں اور جس بات پر تم راضی ہو اسی کو اختیار کریں تو سب لوگوں نے ہر طرف سے انھیں آواز دی کہ ہم باقی رہنے کے خواہشمند ہیں جب سب نے متفق ہو کر یہی بات کہی تو حضرت حسن نے صلح منظور کر لی۔

ایک شخص حضرت حسن بن علیؑ کے سامنے کھڑا ہوا جبکہ انھوں نے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی اس شخص نے کہا کہ تم نے مومنوں کے منھ میں کالک لگا دی یا یہ کہا کہ اے مومنوں کے روسیاہ کرنے والے حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے مجھے طعنہ نہ دے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (خواب میں) دکھایا گیا تھا کہ بنی امیہ آپ کے منبر پر کھڑے ہیں یہ بات آپ کو بہت ناگوار ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراك ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شہر۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ ہزار مہینوں سے مراد وہ ہزار مہینے ہیں) جن میں میرے بعد بنی امیہ بادشاہت کریں گے۔

اس وقت کی تعیین میں اختلاف ہے جس میں حضرت حسنؑ نے خلافت حضرت معاویہ کے حوالے کی بعض لوگ کہتے ہیں جمادی الاولیٰ سنہ ۴۱ھ میں اور بعض لوگ کہتے ہیں ربیع الآخر میں پہلے قول کے موافق حضرت حسن کی خلافت چھ مہینے پانچ دن رہی اور جو لوگ کہتے ہیں ربیع الآخرہ میں یہ واقعہ ہوا اُن کے قول کے موافق چھ مہینے اور کچھ دن رہی اور جو لوگ کہتے ہیں جمادی الاولیٰ میں یہ واقعہ ہوا اُن کے نزدیک آٹھ مہینے رہی واللہ اعلم

ان تمام اقوال میں انھیں لوگوں کا قول صحیح ہے جو کہتے ہیں سنہ ۴۱ھ میں یہ صلح ہوئی۔

جب حضرت حسنؑ نے معاویہ سے بیعت کی تو قبل اس کے حضرت معاویہ کوفہ میں آئیں حضرت حسنؑ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اے لوگو! ہم تمہارے سردار اور تمہارے مہمان ہیں اور ہم تمہارے نبی کے اہلبیت ہیں جن سے خدا نے ناپاکی کو دور کر دیا ہے اور انھیں خوب پاک کر دیا ہے اس کلمہ کو کئی مرتبہ کہا یہاں تک کہ سب لوگ رونے لگے اور ان کے رونے کی آواز کانوں میں آئی جب حضرت معاویہ کوفہ پہونچے تو لوگوں نے اُن سے بیعت کی عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ سے کہا کہ آپ حضرت حسنؑ سے کہئے کہ خطبہ پڑھیں حضرت معاویہ نے کہا [illegible]

بن عاص نے کہا میں اسکو مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ان کی ناقابلیت ظاہر ہو جائے کیونکہ وہ ان باتوں کو نہیں جانتے حضرت معاویہ نے کہا اے حسن اٹھو اور لوگوں سے بیان کرو اور جو ہمارے اور تمھارے درمیان واقعات گزرے ہیں انکو ظاہر کرو پس حسن اس بات کے بیان کرنے کو کھڑے ہو گئے جس کے متعلق انھوں نے پہلے سے کچھ غور نہ کیا تھا انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی بعد اسکے فی البدیہہ یہ فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے تمھیں ہمارے اگلے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے ہدایت کی اور ہمارے پچھلے کے (یعنی میرے) ذریعہ سے تمھارے جانوں کی حفاظت کی آگاہ رہو سب سے زیادہ عقلمندی پرہیزگاری ہے اور سب سے زیادہ بیوقوفی بدکاری ہے اور یہ معاملہ جس کے متعلق میرا اختلاف ہوا (دو حال سے خالی نہیں) یا تو وہ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں اور یا یہ میرا حق ہے جو میں نے اللہ عزوجل کے لیے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لیے اور تمھاری جانوں کی حفاظت کے لیے ترک کر دیا پھر جب حضرت معاویہ کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا۔ وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا کہ اب منبر اتر پڑیے اور عمرو بن عاص سے کہا کہ تمھارا یہی مقصد تھا حضرت حسنؑ کے وفات کے وقت میں بھی اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں ۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی بعض لوگ کہتے ہیں ۵۰ھ میں اور بعض لوگ کہتے ہیں ۵۱ھ میں خضاب لگایا کرتے تھے۔ آپکی وفات کا سبب یہ ہوا کہ ان کی بی بی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے انھیں زہر پلا دیا تھا اور دست آنا شروع ہوئے اور یہ حالت ہوئی کہ ان کے نیچے طشت رکھ دیا جاتا تھا اور دوسرا اٹھایا جاتا تھا قریب چالیس دن کے یہی حالت رہی اور اسی سے وفات ہو گئی جب آپکا مرض بڑھ گیا تو اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ اے بھائی مجھے تین مرتبہ زہر پلایا گیا مگر اس مرتبہ ایسا نہیں پلایا گیا میرے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کے گر رہے ہیں حضرت حسینؑ نے پوچھا کہ آپکو زہر کس نے پلایا ہے حضرت حسنؑ نے فرمایا کہ یہ تم کیوں پوچھتے ہو کیا تم ان لوگوں سے لڑنا چاہتے ہو میں انھیں اللہ عزوجل کے حوالہ کرتا ہوں جب آپکی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ کے پاس ایک آدمی بھیجکر اس امر کی اجازت طلب کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون کیا جاؤں حضرت عائشہ نے اسکو منظور کر لیا پھر اپنے بھائی سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم پھر عائشہ سے اجازت طلب کرنا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دفن کیا جاؤں میں نے ان سے اجازت طلب کی تھی اور انھوں نے منظور کر لیا تھا مگر شاید انھوں نے میری مروت کیوجہ سے ایسا کیا ہو لہذا میرے بعد اگر وہ اجازت دیں تو تم مجھے ان کے گھر میں دفن کر دینا مگر مجھے خیال ہوتا ہے کہ بنی امیہ تمھیں روکیں گے لہذا اگر وہ ایسا کریں تو تم ان سے اسکے متعلق مزاحمت نہ کرنا اور مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

چنانچہ جب آپکی وفات ہو گئی تو حضرت حسینؑ حضرت عائشہ کے پاس اس کی اجازت طلب کرنے کے لیے گئے حضرت عائشہ نے کہا مجھے خوشی سے منظور ہے جب یہ خبر مروان کو اور باقی بنی امیہ کو پہنچی تو انھوں نے کہا خدا کی قسم وہ وہاں ہرگز نہیں دفن کیے جا سکتے حضرت حسینؑ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اور ان کے ساتھ والوں نے ہتھیار اٹھائے مروان نے بھی ہتھیار اٹھائے حضرت ابوہریرہ نے اسکو سنا تو انھوں نے کہا خدا کی قسم یہ بڑا ظلم ہے کہ حسنؑ کو انکے باپ کے پاس دفن ہونے سے روکا جاتا ہے واللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں پھر وہ حضرت حسینؑ

کے پاس گئے اور اُنکو سمجھایا اور خدا کا واسطہ دلایا اور کہا کہ آپ کے بھائی نے نہ کہا تھا کہ اگر تمھیں (بنی امیہ کی مخالفت کا) خوف ہو تو مجھے مسلمانوں کے مقبرہ میں لیجانا حضرت حسینؑ نے مان لیا اور انھیں جنت البقیع میں اُٹھا لے گئے بنی امیہ میں سے کوئی شخص سوا سعید بن عاص کے اُنکے ساتھ نہ تھا سعید بن عاص مدینہ کے حاکم تھے حضرت حسین خود اُن کے پاس گئے تھے تاکہ وہ نماز جنازہ پڑھا دیں اور اُن سے فرمایا تھا کہ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں ہرگز تمھارے پاس نہ آتا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اُن کے جنازہ میں خالد بن ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی شریک تھے انھوں نے بنی امیہ سے اجازت مانگی تھی اور انھوں نے انکو اجازت دیدی تھی حضرت حسنؑ نے اپنے بھائی حضرت حسینؑ کو وصیت کی تھی اور اُن سے کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ نبوت اور خلافت دونوں کو خدا ہمارے گھر میں جمع نہ کرے گا لہذا اہل کوفہ تمھیں دھوکہ دے کے تمھیں لڑائی پر آمادہ نہ کریں۔ فضل بن دکین کہتے تھے جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مرض بڑھ گیا تو انھیں جزع کی حالت طاری تھی ایک شخص اُن کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اے ابو محمد یہ جزع کیسی جس وقت آپ کی روح آپ جسم سے جدا ہو گی اُس وقت آپ اپنے والدین علیؑ اور فاطمہؑ اور نانا نانی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہ اور اپنے چچا یعنی حمزہ اور جعفر اور اپنے ماموں یعنی قاسم اور طیب اور طاہر اور ابراہیم اور اپنی خالہ یعنی رقیہ اور ام کلثوم اور زینب کے پاس پہونچیں گے یہ سن کر اُن کی وہ حالت دور ہو گئی جب حضرت حسنؑ کی وفات ہوئی تو بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک اُنکے لیے نوحہ کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا۔ (صفحہ ۲۱ جلد ۳)

تنقید :- اس تحریر میں چند امر تنقید طلب ہیں۔

(۱) جناب امیرؑ نے خود آپ کا نام حرب رکھا تھا بعد اسکے رسولؐ نے تبدیل کر کے حسنؑ رکھا حالانکہ بہت سی روایات اہلسنت اس کے خلاف ہیں۔ خود تاریخ خمیس میں ہے جو مشہور کتب تواریخ اہلسنت سے ہے۔

جب امام حسن پیدا ہوئے تو رسول اللہ نے فرمایا اے اسماء ہمارے فرزند کو لاؤ اسماء نے جب حاضر کیا تو پوچھا ہمارے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے جناب امیرؑ نے عرض کیا ہم اس بارے میں سبقت نہیں کر سکتے تھے آپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بھی خدا پر سبقت نہیں کر سکتے۔ تب حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا کہ خدا بعد تحفہ درود و سلام فرماتا ہے کہ علیؑ تم سے بمنزلہ ہارونؑ کے موسیٰؑ سے ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔ لہذا جو نام فرزند ہارون کا تھا وہی نام رکھو۔ پوچھا کیا نام تھا کہا شبر حضرتؐ نے فرمایا ہماری زبان تو عربی ہے حضرت جبرئیل نے کہا تو پھر حسن نام رکھو حضرت نے یہی نام رکھا۔ سال بھر کے بعد جب جناب امام حسین پیدا ہوئے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہی تقریر ہوئی اور حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا نام حسینؑ رکھو۔ (تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۴۱۸)

یہ روایت صرف تاریخ خمیس ہی میں نہیں ہے بلکہ ہدایت السعداء۔ شرف النبوۃ۔ وسیلۃ المتعبدین۔ ذخائر العقبیٰ۔ ریاض النضرہ۔ کتاب البلاذری فضائل الخلفاء میں موجود ہے جنکی کل عبارتیں کتاب مستطاب عبقات الانوار حدیث منزلت میں منقول ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳۷ لغایۃ ۳۴۹۔

اس سے نہ صرف اس مضمون کا ابطال ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے پہلے حرب نام رکھا تھا بعدہ رسول اللہ نے حسنؑ و حسینؑ رکھا بلکہ اسکا بھی کہ حضرت محسن پیدا ہو چکے تھے اور ان کا نام رسول اللہ نے محسن رکھا کیونکہ یہ نام قبل از ولادت رکھا گیا تھا۔

افسوس کہ توہین شان خاندان رسالت میں کسی وقت کوتاہی نہیں کی گئی اس لیئے یہ روایت تصنیف ہوئی کہ جناب امیرؑ نے بعد ولادت حرب نام رکھا حالانکہ ہم شرفا کے روزمرہ میں دیکھتے ہیں کہ جہاں اس قسم کے تعلقات ہوتے ہیں وہاں بزرگوں کی موجودگی میں کبھی اس کا اقدام نہیں کیا جاتا کہ بزرگوں کے رہتے ہوئے کوئی نام رکھے چہ جائیکہ اس خاندان میں یہ بات ہو جو خاندان رسالت اور مہبط وحی ہو جب جناب سیدہؑ کا عقد بلا حکم خداوند عالم نہ کیا جائے وہاں نام بغیر حکم خدا کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔

محقق دہلوی شیخ عبد الحق اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

وسماهما ان جبرئیل جاء باسمهما فی قطعة حریر من عند الله هدیة الی رسول الله

(صفحہ ۱۶ اورق قلمی)

حضرت جبرئیل ایک قطعہ حریر پر دونوں نام لکھے ہوئے لائے بطور تحفہ خدا کی طرف سے۔

پھر کیونکر عقل باور کر سکتی ہے کہ قبل از نزول وحی جناب امیرؑ نے یہ نام رکھ دیا ہو جبکہ بغیر حکم رسول آپ کوئی کام نہ کرتے ہوں۔ غرض جہاں وہ حصہ روایت غلط ہے کہ جناب امیرؑ نے حرب نام رکھا تھا وہاں یہ حصہ بھی پورے طور سے موضوع ہے کہ تیسرا لڑکا محسن نامی حضرت کے زمانہ میں پیدا ہوا کیونکہ بجز اس روایت کے کوئی ذکر اسکا نہیں پایا جاتا کہ وہ کب پیدا ہوئے ہاں معارف بن قتیبہ میں ہے۔ هلك وهو صغير (ص۹۲)

مگر یہ سب پردہ داری ہے اصلی کہ انکی شہادت عمر بن الخطاب کے ظلم و ستم سے ہوئی جس کا قصہ تمام عالم میں مشہور ہے یہاں تک کہ ابراہیم بن سیار نظام جو مذہب نظامیہ کا امام ہے وہ بھی اس پر مجبور ہوا کہ امر حق کو قبول کرے چنانچہ ملل و نحل شہرستانی میں ہے۔ (صفحہ مطبوعہ)

ان عمر ضرب بطن فاطمة یوم البیعة حتی القت المحسن من بطنها وکان یصیح احرقوها بمن فیها وما کان فی الدار غیر علی وفاطمة والحسن والحسین

کہ عمر نے شکم جناب سیدہ پر مارا جس سے حضرت محسن کا اسقاط ہوا وہ کہتا تھا کہ اس گھر کو جلا دو حالانکہ اس مکان میں بجز جناب سیدہ اور جناب امیر و حسنین کوئی نہ تھا۔

چونکہ اس بحث کی کافی تحقیقات رسالہ "النار الموقدہ" میں ہو چکی ہے لہٰذا زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرات اہلسنت نے اس ظلم صریح کے اخفا میں بہت کوشش کی ہے۔

ہاں بعض اشخاص نے یہ استبعاد کیا ہے کہ قبل از ولادت کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی اور اس کا نام کیونکر رکھا جا سکتا ہے لہٰذا اس کا دفعیہ اس عبارت سے کر لیجئے کہ محب الدین طبری ریاض النضرہ

میں بسلسلہ ذکر فراست و کرامات ابی بکر لکھتے ہیں :-

وانہ قد القی فی نفسی انھا جاریۃ فولدت ام کلثوم (جلد ۱ صفحہ ۱۲۹)

یعنی ابو بکر نے عائشہ سے کہا ہم چار وارث چھوڑے جاتے ہیں دو بیٹا تین بیٹی تو عائشہ نے کہا تیسری بیٹی کون ہے تو کہا بنت خارجہ (زوجۂ ابو بکر کا نام) حاملہ ہے اور ہمارا گمان ہے کہ وہ لڑکی ہو جس کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئی۔

یہ وہی ام کلثوم ہے جس سے عمر نے عقد کرنا چاہا اور اُسنے انکار کیا اور یہ سب واقعات حضرت ام کلثوم بنت جناب امیرؑ کی طرف منسوب ہوئے۔

تو کیا اسکو باور کر سکتے ہیں کہ ابو بکر تو بتا جائیں ہمارے لڑکی پیدا ہوگی اور جناب رسول اللہ کو اسکا علم نہ ہو کہ جناب سیدہ کے ایک اور بیٹا ہونے والا ہے حالانکہ ان احادیث میں اسکی تصریح موجود ہے کہ میں ہی نام رکھتا ہوں جو ہارون پیغمبر کے بیٹوں کے نام تھے یعنی "شبر اور شبیر اور مشبر" جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ حضرت کے عہد میں پیدا ابھی ہو چکے تھے۔

(۲) اس واقعہ کو سب نے لکھا ہے کہ حضرت نے صدقہ کا خرما جناب امام حسنؑ کے منہ سے نکال لیا جسکے نسبت ابن حجر لکھتے ہیں :-

وھذہ القصۃ اخرجھا اصحاب الصحیح من حدیث ابی ھریرۃ (صفحہ ۱۱ جلد ۲)

اس حدیث کو کل اصحاب صحیح نے لکھا ہے بروایت ابو ہریرہ مگر وہ اشخاص بہت کم ہیں جنہوں نے اس پر غور کیا ہو کیونکہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جو زمانہ آپ کے رضاعت کا تھا اس پر رسول کا فرمانا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ حرام علینا ای میاں تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

حسب تحریر قاضی نور اللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ احقاق الحق میں معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر عسقلانی نے اسکا جواب دیا ہے کہ جناب امام حسنؑ اور دوسرے لڑکے برابر نہیں ہو سکتے لان الحسن فی ذالک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ (صفحہ ۲۲۲ احقاق الحق)۔

معلوم ہوا کہ جناب امام حسنؑ اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ فرماتے تھے مگر افسوس نسخہ حاضرہ میں یہ عبارات نہیں ملتی [illegible] نکال دی گئی مگر ہمکو اس سے بحث نہیں کیونکہ حضرت نے اس حدیث سے اسکو ظاہر کر دیا کہ رسول کا اہلبیتؑ کون ہے کیونکہ صحیح مسلم میں باب اسکے لئے قائم کیا گیا ہے۔ باب لاتحل الصدقۃ لرسول اللہ واھلبیتہ (صفحہ ۳۴۳ [illegible] وہاج شرح صحیح مسلم)

جس سے معلوم ہوا کہ اہلبیتؑ حقیقتاً یہی حضرات ہیں کیونکہ ازواج وغیرہ کے لئے صدقہ عام طور سے مباح تھا چنانچہ اسی صحیح مسلم میں ہے انی لانقلب الی اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علی فراشی ثم ارفعھا لاکلھا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فالقیھا (صفحہ ۳۴۶ [illegible] صحیح مسلم [illegible])

کہ ہم اکثر اپنے ازواج کے پاس جاتے ہیں ہمارے فرش پر خرما گرا پڑا ہوتا ہے جسکو اُٹھاتے ہیں کہ کھا جائیں پھر خیال ہوتا ہے کہ شاید صدقہ ہو لہذا پھینک دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول داخل اہل بیتؑ نہیں ہیں ورنہ ان پر بھی صدقہ حرام ہوتا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ فنظر الیہ فاذا ھو یلوک تمرۃ فحرک خدہ وقال الق یا بنی ۲ الق یا بنی۔ (ص ۱۳۹ جلد ۴)

یعنی حضرت نے جو دیکھا کہ امام حسنؑ خرما کو کھائے جاتے ہیں تو آپ نے حضرت کے رخسار کو پکڑ کر حرکت دیا اور کہا اے فرزند پھینک دے اے فرزند نکال دے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو کس درجہ اس میں اہتمام تھا۔ پھر حیف ہے کہ اہلسنت نے اس سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکالا کہ اگر ازواج بھی داخل اہلبیتؑ ہوتیں تو حضرت کبھی اسکی اجازت نہ دیتے کہ وہ صدقہ کھائیں۔

(۳) سیّد اشباب اہل الجنۃ

یہ حدیث تمام مسلمانوں کے نزدیک ثابت و مسلم ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ اصابہ میں بھی ہے۔

ومن حدیث حذیفہ رفعہ الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنۃ و لہ طرق ایضا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱)

حذیفہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا: حسنؑ و حسینؑ سردار ہیں جوانان اہل جنت کے۔ یہ حدیث اور بھی طریقوں سے مروی ہے۔

اپنی شہرت اور کثرت طرق کے لحاظ سے یہ حدیث تواتر کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہے جس کی بنا پر کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں مگر بعض متعصب طبیعتیں آج کل اس سے انکار کرنے لگی ہیں مولوی عبدالشکور صاحب مترجم اسد الغابہ اس حدیث سے انکار کی تو جرات نہ کر سکے مگر حاشیہ کے ذریعہ اپنے دل کا غبار نکالنے سے باز نہ رہے چنانچہ اس حدیث پر حاشیہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”جوانان جنت کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو نیک اور صالح آدمی بحالت جوانی دنیا سے گئے ان سب کے یہ سردار ہونگے۔ ورنہ جنت میں تو جتنے لوگ ہیں سب جوان ہوں گے بوڑھا کوئی بھی نہ ہوگا۔“

مگر افسوس آپ علامہ ابن اثیر کی شروع کی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت یہ حاشیہ چڑھانا بھول گئے شروع میں خود آپ ہی کے ترجمہ کی لفظیں ہیں۔

”والدہ ان کی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) کی بہار ہیں“

اس عبارت میں جناب سیدہ کو تمام عورتوں کا سردار اور حسنینؑ کو تمام جوانان اہل جنت کا سردار تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر آپ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ بہشت میں سب ہی جوان ہوں گے تو پھر اس قید کی کیا ضرورت پڑی کہ جو

لوگ جوانی میں مرینگے اُن کے سردار ہوں گے؟

اگر آپ صحیح ترمذی مطبوعہ نول کشور کا حاشیہ دیکھ لیتے تو یہ حاشیہ لکھنے کی آپ کو نوبت نہ آتی۔

قیل یعنی افضل من شابا فی سبیل اللہ من اصحاب الجنۃ کذا نقل الطیبی وفیہ نظر لانہ لا وجہ لتخصیص فضلھما علی من مات شابا بل ھما افضل من کثیر من مات شیخا فالاولی ما قیل ان المراد سید اھل الجنۃ لان اھل الجنۃ کلھم شباب لکن یخص بما سوی الانبیاء و الخلفاء الراشدین

طیبی نے یہ معنی لکھے ہیں کہ جو لوگ بحالت جوانی مرے حسن و حسین اُن سے افضل ہیں مگر اس میں نظر ہے کیونکہ اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ دونوں بہت سے ایسے لوگوں سے افضل ہیں جو بوڑھے ہو کر مرے لہذا یہی کہنا ٹھیک ہے کہ یہ دونوں تمام اہل جنت کے سردار ہیں اس لئے کہ جنت والے سب کے سب جوان ہوں گے ہاں انبیاء اور خلفاء راشدین سے افضل نہیں ہیں۔

(صحیح ترمذی مطبوعہ نول کشور صفحہ ۶۶۴)

صحیح ترمذی کے اس حاشیہ سے اڈیٹر النجم کے اس نظریہ کی تو قطعی تردید ہوگئی کہ حسنین علیہم السلام جنت میں انھیں لوگوں کے سردار ہوں گے جو بحالت جوانی مرے۔ رہ گئی یہ بات کہ حسنین علیہم السلام انبیاء و خلفائے راشدین سے افضل نہیں یہ ایجاد بندہ ہے محشی نے اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں پیش کی حدیث کے الفاظ بالکل صاف ہیں اور حضرت یحییٰ و عیسیٰ کا استثنا بتا رہا ہے کہ حکم عام ہے اور تمام اہل جنت کو شامل ہے اگر خلفائے ثلاثہ اہل جنت ہیں تو یقیناً حسنینؑ ان لوگوں سے بھی افضل ہیں۔

کاش اڈیٹر صاحب النجم اپنی نقل کردہ حدیث ہی پر غور کرتے جس میں مذکور ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں سوا دو خالہ زاد بھائیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ بن زکریا کے"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ کو چھوڑ کر حسنین علیہم السلام تمام جوانان جنت کے سردار ہیں خواہ وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء کیونکہ اس حدیث میں پیغمبر خدا نے صرف انھیں دونوں بزرگواروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ سرداری انھیں لوگوں سے متعلق ہے جو حالت جوانی میں مرے۔

یہاں اڈیٹر صاحب النجم نے یہ حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"یعنی حضرت حسنینؑ کو ان دونوں (حضرت عیسیٰ و یحییٰ) پر فضیلت نہیں ہے یہی عقیدہ اہلسنت ہے کہ نبی پر غیر نبی کو فضیلت نہیں ہو سکتی" (صفحہ ۱۲)

یہ کہنا بھی خلاف واقعہ اور الفاظ حدیث کے مغائر ہے کیونکہ رسول اللہ تو کل انبیاء پر حسنینؑ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں حضرت عیسیٰ و یحییٰ کو چھوڑ کر اور آپ کل انبیاء کو مستثنیٰ کرتے ہیں یا تو آپ سچے ہیں یا رسول اللہ۔

اڈیٹر صاحب النجم نے ایک حاشیہ اور تحریر فرمایا ہے۔

یعنی کیسا سر مراد وہ لوگ ہیں جنکا آیت تطہیر کے نازل ہونیکے بعد ایک چادر اوڑھا دی تھی اور اُن کیلئے

یہ دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ ان کو میرے اہلبیت میں داخل فرمائے۔

اس افترا و بہتان اور غلط بیانی کا کیا جواب، یا جلئے پیغمبر خدا کی تو یہ لفظیں ہیں اللّٰھم ھولاء اھلبیتی خداوندا یہی ہیں میرے اہلبیت جس کا صریحی مطلب ہے کہ ان لوگوں کے سوا اور کوئی اہلبیت میں داخل نہیں مگر آپ رسول اللہ پر افترا کرتے ہیں کہ حضرتؐ نے فرمایا یا اللہ ان کو بھی میرے اہلبیتؑ میں داخل فرمائے یہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس افترا پردازی سے اڈیٹر صاحب النجم ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ خلافت نہیں جس پر آپ نے قبضہ کر لیا یہ تو عطیہ خداوندی ہے جسے ہتھیانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

(۳) پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا جو شخص اُن سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ۔ اس پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ لکھتے ہیں:۔

"ان سے محبت رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف زبان سے محبت کا دعوے کرے جیسے مشرکین قریش ابراہیم سے محبت کا دعوے کرتے تھے بلکہ محبت قابل اعتبار وہی ہے کہ اپنے محبوب کی پیروی بھی کریں" (صہ ۱۵)

کاش اڈیٹر صاحب النجم یہ بھی بتا دیتے کہ محبت کا معیار کیا ہے کیونکر پیروی کیجائے۔ ان کی پیروی تو جب ہی ممکن ہے جب اُن کو مطابق حکم رسول امام بھی مانیں اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو ہماری متابعت کرو۔ اب بتائیے کہ اگر رسولؐ کو رسول نہ مانئے تو کیا اُن سے محبت ہو سکتی ہے؟ اور آپ نے تو اچھی طرح ثابت کر دیا کہ آپ کو کسی طرح محبت نہیں کیونکہ جتنی حدیثیں رسولؐ کی ابھی تک آپ نے لکھیں سب میں تاویل کر دی اور رسولؐ پر افترا کر کے اُن کے معانی بدل دیئے رسولؐ تو فرمائیں وہ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں اور آپ فرمائیں مراد وہ لوگ ہیں جو جوانی میں مریں رسول اللہ فرمائیں اللّٰھم ھولاء اھلبیتی خداوندا یہی ہیں میرے اہلبیت اور آپ فرمائیں اُن کے لئے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ ان کو میرے اہلبیت میں داخل کرے۔ پھر کیونکر آپ دعوائے محبت کر سکتے ہیں۔

(۴) آپ لوگ اس حدیث سے اسلام معاویہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا مسلمانوں کے دو بڑے گروہ میں صلح کرا دے گا مگر نہ معلوم آپ اُس حدیث کو کیوں بھول جاتے ہیں جو حضرت نے عمار کے بارے میں فرمایا تقتلہ الفئۃ الباغیۃ جس میں حضرت نے بتصریح تمام گروہ معاویہ کو فئتہ باغیہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ تمام عالم کو معلوم ہے منافق بھی مسلمان ہی کہلاتے تھے پھر اس جملہ سے آپ وہ اسلام کہاں ثابت کر سکتے ہیں جو متنازع فیہ ہو ورنہ اس کا تو کوئی بھی مدعی نہیں ہے کہ معاویہ وغیرہ ایسے کافر تھے جیسا کہ ابوجہل وغیرہ کافر تھے۔

(۵) انما اموالکم واولادکم فتنۃ اس پر اڈیٹر صاحب حاشیہ دیتے ہیں:۔

اس سے شبہ نہ ہو کہ آں حضرتؐ پر محبت اولاد وغیرہ غالب تھی ہرگز نہیں حضرت کو جس سے بھی محبت تھی وہ محض اللہ کے لیئے۔ (صہ ۱۵)

مگر افسوس آپ حضرات کا عملدرآمد اسکے بالکل خلاف ہے کیونکہ ہر شخص دیکھ رہا ہے جہاں کوئی حدیث آپکو ان حضرات کے بارے میں ملتی ہے اس میں ایسی تاویل بلکہ تحریف کرتے ہیں کہ خواہی نخواہی اُسکے

معنی بدل جائیں۔

جس حدیث کو آپ نے لکھا ہے اور اس پر آپ کو حاشیہ دینے کی ضرورت پڑی ایسی حدیث ہے کہ خود امام ترمذی نے جو اسکے بیان کرنے والے ہیں اس پر جرح کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ھذا حدیث حسن غریب انما نعرفہ من حدیث الحسین بن واقد۔ (ص۲۶)

یہ حدیث حسن غریب ہے جس کو ہم صرف حسین بن واقد کے طریق سے جانتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ خود ترمذی نے پہلے ہی قدح کی مگر شکر خدا کہ آپ نے اس کو صحیح مانا اور وہ حاشیہ چڑھایا جس میں کوئی عذر نہیں کیونکہ حضرتؐ کی محبت محض بحکم خدا تھی نہ از راہ ہوا و ہوس۔

(۹) اس روایت میں ہے کہ حضرت رسول جناب امام حسنؑ کو اپنے شانے پر سوار کیئے ہوئے تھے کسی نے کہا مگر اس قائل کا نام نہ لکھا کہ وہ کون صاحب تھے جن کے مقولہ کے رد میں حضرت نے فرمایا وہ سوار بھی تو اچھا ہے اگر مؤلف زیادہ تفحص سے کام لیتا تو پتہ چل جاتا کہ وہ کون شخص تھا جس کو اتنی عظمت بھی جناب امام حسنؑ کی گوارا نہ ہوئی کتاب مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ میں ہے۔ (ص۳۷ جلد ۴)

حضرت عمر کے غلام اسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا کہ:۔

جب رسولؐ نے حسنینؑ کو اپنے دوش پر سوار کیا ہم نے کہا کتنی اچھی سواری ہے تو حضرت نے فرمایا وہ دونوں سوار بھی تو اچھے ہیں۔

ابن عماد کی روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے حسنین کو آتے دیکھ کر ہاتھ پھیلا دیے اور فرمایا کیا خوب تمہارا اونٹ ہے خرگوشی کی روایت ہے کہ حضرات کے آنے میں دیر ہوئی تو حضرت نے آگے بڑھ کر اپنے پشت سوار کیا اور فرمایا کیا اچھی سواری تمہاری ہے اور کیسے اچھے سوار تم دونوں ہو اور باپ تم دونوں کے بہتر ہیں تم دونوں ابن مسعود کی روایت ہے کہ حضرت نے دونوں کو سوار کر کے فرمایا کیا اچھی سواری تمہاری ہے اور کتنے اچھے سوار تم دونوں ہو اور باپ تمہارا بہتر ہے تم سے۔ سید حمیریؒ اس واقعہ کو نظم بھی کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا تم دونوں اچھے سوار ہو۔

ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ مؤلف اسد الغابہ نے اصل قائل کا نام چھپا دیا تھا تاکہ نہ معلوم ہو وہ جگر کون تھا جس کو ناگوار گذرا کہ رسولؐ نے اپنے فرزندوں کو اپنے پشت پر سوار کیا اور حضرت نے فوراً اسکا جواب دیا کہ صرف مرکب ہی ان دونوں کا نہیں بہتر ہے بلکہ سواری بھی بےمثل ہے۔

اس سوال و جواب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ پر انکی قلبی حالت کیسی واضح تھی کہ انکے اشارے کو سمجھ گئے کہ یہ ہماری تعریف خلوص دل سے نہیں ہے بلکہ خاص غرض سے جس سے ایک طرح کا اشارہ تھا حسنینؑ کے اس قابل حسد رتبہ و منزلت کی طرف۔

(۱۰) حضرت ام سلمہ کے گھر میں جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

اس پر اڈیٹر صاحب حاشیہ دیتے ہیں "یہ آیہ تطہیر کے نام سے مشہور ہے۔
ترجمہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہلبیت محمد تم سے ناپاکی کو دور کرے اور تمھیں خوب پاک کرے۔ اس آیہ کی تفسیر میں اہلسنت کا اتفاق ہے کہ اہلبیت سے مراد ازواج نبی ہیں لغت عرب بلکہ تمام دنیا کے لغت میں اہلبیت اور اہل خانہ اور گھر کے لوگ بی بی ہی کو کہتے ہیں اور سیاق آیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کی آیتوں میں تمامتر خطاب ازواج سے ہے مگر احادیث سے معلوم ہوا کہ آں حضرتؐ نے ازواج کے علاوہ حضرات حسنینؑ اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت فاطمہ زہرا کو بھی اہلبیتؑ میں داخل فرمایا یا داخل کرنے دعا کی ازواج کا اس آیہ میں اضافۃً اور حقیقۃً داخل ہونا اس جواب سے بھی سمجھا جاتا ہے جو حضرت ام سلمہ کی درخواست پر جناب رسالت مآب صلعم نے دیا تھا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ (صفحہ ۱۶)

اس تحریر سے آپ کا عقیدہ معلوم ہوا کہ کس درجہ عداوت اہلبیتؑ آپ کے خمیر میں داخل ہے کہ لکھتے ہیں: "اس آیہ کی تفسیر میں اہلسنت کا اتفاق ہے" حالانکہ جتنے علماء اہلسنت کچھ بھی تعصب سے پاک گذرے ہیں وہ سب اس آیہ کو بحق اہلبیت طاہرین خمسہ نجباؑ تسلیم کرتے ہیں یہاں تک کہ جن علماء نے احادیث مناقب اہلبیتؑ اور مناقب ازواج کو لکھا ہے سب نے مناقب اہلبیتؑ میں اس آیت کو لکھا ہے نہ مناقب ازواج میں چنانچہ قول مستحسن میں ہے:۔

وقال الدهلوی فی شرح المشکوۃ لم یذکر الازواج المطهرۃ وعقد لهن بابا علیحدۃ اما لاستبداد هن بمناقب مخصوصۃ او لعدم دخولهن فی اهل البیت علی ما تعورف من اطلاقہ علی الاربعۃ (ص ۲۲)

یعنی شیخ عبد الحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ مصنف نے اس باب مناقب اہلبیتؑ میں ازواج مطہرات کو نہیں داخل کیا اور ایک باب انکے لیے علیحدہ لکھا ہے اس وجہ سے کہ انکے فضائل مخصوصہ علیحدہ ہیں یا اس وجہ سے کہ ازواج داخل اہلبیت نہیں ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ مراد اس سے چار ہی آدمی ہیں جناب امیرؑ جناب سیدہ حسنینؑ

پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے کہاں سے یہ دعویٰ کیا کہ اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے حالانکہ ابن ابی حاتم طبرانی۔ ابن ابی عاصم۔ ابو الشیخ۔ حاکم۔ ابن مردویہ۔ بغوی نے مصابیح میں آیت تطہیر کو مناقب اہل میں داخل کیا ہے نہ کہ مناقب ازواج میں۔

ہاں صرف عکرمہ اور عروہ بن الزبیر نے البتہ ازواج نبی کو اہلبیت پیغمبرؐ میں داخل کیا ہے جس پر اہلسنت کا اتفاق ہے کہ وہ خارجی اور کذاب تھا پس اگر یہی مذہب اہلسنت ہے تو مجبوری ہے۔

وقال ابو حیان فی البحر وقول عکرمۃ ومقاتل و ابن السائب ان اهل البیت فی هذه الآیۃ مختص بزوجاتہ لیس بجید اذ لو کان کما قالوا لکان الترکیب عنکن و یطهرکن وان کان هذا القول مرویا عن ابن عباس فلعلہ لا یصح (ص ۱۱ قول مستحسن)

یعنی امام ابو حیان اپنی تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں کہ عکرمہ و مقاتل و ابن السائب نے جو کہا ہے کہ

اہل بیت سے مراد ازواج ہیں تو درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضمیریں مونث لائی جاتیں اور یہ سبب یوں ہوتی لیذھب عنکن الرجس و یطھرکن تطھیرا۔ اور اگر ابن عباس کی روایت ہو تو غالباً وہ صحیح نہیں ہے۔

قول مستحسن میں ہے و من ھنا قد اختار ھذا القول جمھور المحدثین اور روی وہ فیما علمنا عن اربعۃ عشر صحابیا منھم اھل البیت علی و الحسن و الحسین و عبد اللہ بن جعفر و ابن عباس اخراد عائشہ و ام سلمہ و ابنھا و واثلہ و انس و سعد و ابی سعید و ابی حمراء و معقل رضی اللہ عنھم عن غیر خلاف من غیر اولئک الاسلاف فیہ فعن جماعت ائمۃ الاخلاف منھم زین العابدین و الباقر و الصادق و مجاھد و قتادہ (صفحہ ۴۲)

یہیں سے جمہور محدثین نے اختیار کیا ہے کہ یہ آیہ پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوا کیونکہ چودہ صحابی سے یہ روایت آئی ہے جناب امیر، امام حسنؑ، امام حسین۔ عبداللہ بن جعفر۔ ابن عباس۔ ام سلمہ۔ عائشہ عمر بن ام سلمہ۔ واثلہ۔ انس سعید۔ ابو سعید ابو حمراء اور معقل۔ جس میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے اور ائمہ اخلاف سے جناب امام زین العابدین امام محمد باقر امام جعفر صادق قتادہ اور مجاہد اسکے راوی ہیں۔ پھر اڈیٹر صاحب بتائیں کہ انکا دعوی بہ اتفاق اہلسنت کیا ہوا کیا دنیا میں کوئی ایسا ہی جھوٹا ہوا ہے جو اپنے مذہب پر ایسا غلط اتہام لگائے؟

اس سے بڑھ کر یہ دعوی غلط ہے کہ لغت عرب بلکہ تمام دنیا کی لغت میں اہل بیت بی بی ہی کو کہتے ہیں اس دعوی کی رد بھی قول مستحسن میں موجود ہے:۔

والاھلیۃ لھن علی کل حال جائزۃ الزوال لانہ عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن الایۃ و زعم بعضھم ان اطلاق اھل البیت علی نساء الرجل اخص و اعرف عرفا و عادۃ لیس علی منھاج العلم لغۃ ھو بلسان العجم مسلم (صفحہ ۴۲)

ازواج کا اہل اور گھر والی ہونا ہر وقت قابل زوال ہے ارشاد الہی ہے عسی ربہ الخ اگر رسول تم لوگوں کو طلاق دیدیں تو عنقریب ہی ان کا پروردگار تمھارے بدلے اُن کو تم سے اچھی بیبیاں عطا کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ عورتوں پر اہلبیت کا اطلاق علمی حیثیت سے نہیں۔ ہاں زبان عجم میں اس کا استعمال مسلم ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہندی یا عجمی زبان پر عربی زبان کا قیاس کیا جاتا ہے۔ کاش اڈیٹر صاحب النجم صحیح مسلم ہی کی اس روایت پر نظر کرتے جسمیں صحابی پیغمبر زید بن ارقم کی صاف صاف صراحت ہے کہ ازواج اہلبیت میں داخل نہیں آج وہ شوہر کے گھر ہوتی ہیں کل اُن کا شوہر طلاق دیدیتا ہے تو وہ اپنے میکے رخصت ہو جاتی ہیں صحیح بخاری کی اس روایت کو پڑھ لیتے جس میں مذکور ہے کہ پیغمبر خدا نے امام حسنؑ سے فرمایا نحن اھل البیت لا تحل لنا الصدقہ ہم اہلبیت پر صدقہ حلال نہیں۔ پھر ازواج پر صدقہ حلال ہونا دیکھ کر سمجھ لیتے کہ ازواج اہلبیت میں داخل نہیں۔

جب پہلے ہوتا کہ کلام مجید جس ترتیب سے نازل ہوا اُسی ترتیب سے مدون بھی ہوا حالانکہ نہ یہی صحیح ہے کہ جس ترتیب سے نازل ہوا اُسی ترتیب سے اُس کی تدوین ہوئی نہ یہی حقیقت ہے کہ جتنی آیتیں نازل ہوئیں وہ سب ایک ایک کرکے قلمبند کرلی گئیں صرف ایک اسی سورہ احزاب سے جس کی آیت تطہیر ایک آیت ہے بقول علامہ سیوطی ایک سو تائیس آیتیں درج ہونے سے رہ گئیں (در منثور) اور نہ جانے کتنی آیتیں آگے پیچھے کردی گئیں مدنی آیتیں پہلے درج ہوگئیں اور مکی آیتیں پیچھے ڈال دی گئیں جب یہ صورت حال ہے تو سیاق سے دعوی کرنا خوش فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟ کاش وہ اسی پر غور کرتے کہ جن ازواج کی اتنی سرزنش قرآن میں عموماً اور سورۂ احزاب و سورۂ تحریم میں خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے وہ کیونکر ان آیات تطہیر کی مصداق ہوسکتی ہیں۔

یہ بھی صریحی افتراء ہے کہ حضرت نے خمسہ نجبا کو بھی داخل اہلبیت فرمایا۔ اہل بیت میں داخل نہیں فرمایا بلکہ حصر فرمایا کہ اہلبیت ہیں تو بس یہی ہیں۔ ایک دو نہیں بہت سی حدیثوں کے الفاظ ہیں اللھم ھولاء اھلبیتی خداوندا بس یہی ہیں میرے اہل بیت جب پیغمبر نے انھیں پنجتن پاک میں حصر فرمایا تو پھر ازواج کیونکر داخل ہوسکتی ہیں۔

(۸) زید بن ارقم کی روایت جس میں اُنھوں نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں الخ اس روایت پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے اور اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک کا یہ مطلب ہے کہ ان سے محبت رکھے"

مگر یہ مطلب بھی خاصی تحریف ہے کیونکہ پیغمبر خدا کا حکم تو دونوں کے ساتھ تمسک کا یکساں ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ تو تمسک کے معنی اطاعت ہوں اور دوسری جگہ محبت ہو ذرا الفاظ حدیث پر غور فرمائیے انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ واھلبیتی عترتی ہم دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتے ہیں ایک کتاب خدا دوسرے میرے اہل بیت جب تک تم اُن سے متمسک رہو گے گمراہ نہ ہوگے دوسری روایت کی لفظیں ہیں من استمسك واخذ بہ کان علی الھدی کہ جو اس سے تمسک کرے اور لے اسکو تو وہ ہدایت پر ہوگا کیا اخذ بہ جو اسکو لے محبت کے معنی میں استعمال ہوسکتا ہے؟

مولوی صدیق حسن خاں صاحب اسکی شرح میں لکھتے ہیں ویقتدی بھم فیما یوافق الکتاب والسنۃ کہ اُن کی اقتدا کرے اُن چیزوں میں جو کتاب و سنت کے موافق ہوں پھر آپ نے صرف محبت کے معنی کہاں سے پیدا کئے۔

دوسرا حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"الحمد للہ کہ تمام فرق اسلام میں جس اعتدال اور خوش اسلوبی کا معاملہ قرآن و اہل بیت کے ساتھ اہل سنت نے کیا کسی کو نصیب نہیں ہوا"

خدا نہ کرے کسی شخص کو یہ مخالفت قرآن و اہلبیتؑ نصیب ہو جو اہلسنت کو نصیب ہوئی۔ قرآن میں کی سیکڑوں قسم کی تحریف کے قائل ہیں کہ رسول اللہ پورا قرآن بھول گئے، صدہا ہزارہا آیتوں کو بھول گئے جو قرآن جز ہے کسی طرح عمل کے قایل نہیں، غرضکہ ایک دو نہیں سیکڑوں مخالفتیں قرآن کی گئیں اہل بیتؑ کے ساتھ جو سلوک اور برتاؤ روز وفات پیغمبرؐ سے کیا گیا وہ دنیا جانتی ہے کہ بضعۃ الرسول کے گھر میں آگ لگائی گئی جناب امیرؑ کو اس طرح بیعت پر مجبور کیا گیا کہ گلے میں ریسمان باندھ کر دربار خلافت میں لیجایا گیا امام حسنؑ کو زہر دلوایا گیا جنازہ پر تیر چلائے گئے امام حسینؑ کو تین دن کا بھوکا پیاسا اُن کے اعزہ و رفقا کے ساتھ انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا اہلبیتؑ کے ساتھ یہ ساری بدسلوکیاں غیروں نے نہیں کیں بلکہ مسلمانوں نے کیں اور ایسے مسلمانوں نے جنھیں اہلسنت اپنا مقتدیٰ اور امام مانتے ہیں اس سے بڑھ کر کون سلوک ہو سکتا ہے؟

(۹) جناب امام حسنؑ کی بردباری اور پرہیزگاری نے اگر آپ کو ترک سلطنت پر آمادہ کیا تو آپ، حضرات شیخین کے متعلق کیا کہیں گے جنھوں نے خدا اور رسول کے صریحی ارشادات کی مخالفت کر کے خلافت پر جبریہ قبضہ پانے کی کوشش کی جنازہ رسولؐ کو بے غسل و کفن تین دن پڑا رہنے دیا ہزاروں مسلمانوں بلکہ صحابہ کا خون اس وجہ سے کیا بلکہ انھیں زندہ آگ میں جلوا دیا کہ وہ بیعت سے دستکش رہے اور خلیفہ اول کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

جناب امیرؑ کا خلافت کو قبول کرنا اور امام حسنؑ کا بدرجۂ مجبوری ترک کرنا یہ سب پرہیزگاری کی بنا پر تھا۔ ان حضرات سے خلاف تقویٰ کوئی فعل بھی سرزد نہیں ہوا ہاں غاصبین خلافت بہر صورت سزاوار عذاب الٰہی ہیں خواہ جناب امام حسنؑ کو مجبور کریں یا جناب امیرؑ کو محروم۔

(۱۰) اڈیٹر صاحب النجم تحریر فرماتے ہیں:-

حضرت عثمان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔

مگر افسوس اس پر بھی وہ حضرت اور جناب امیر متہم کئے گئے کہ قتل عثمان میں شریک تھے

مگر یہ مطلب بھی خاصی تحریف ہے کیونکہ حضرت کا حکم تو دونوں کے ساتھ تمسک کا یکساں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ تو تمسک کے معنی اطاعت ہوں اور دوسری جگہ محبت ذرا الفاظ حدیث پر غور فرمایئے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ واھلبیتی عترتی کہ ہم دو چیز بزرگ چھوڑے جاتے ہیں کتاب اللہ اور اہلبیتؑ کہ جب تک ان سے تمسک کروگے گمراہ نہ ہوگے۔ وفی روایۃ اخری من استمسک بہ واخذ بہ کان علی الھدیٰ کہ جو اس سے تمسک کرے اور لے اس کو تو وہ ہدایت پر ہوگا گیا اخذ بہ جو اسکو پکڑے محبت کے معنی میں استعمال ہو سکتا ہے۔ مولوی صدیق حسن خاں اسکے شرح میں لکھتے ہیں ویقتدی بھم فیما یوافق الکتاب والسنۃ کہ اُن کی اقتدا کرے اُن چیزوں میں جو موافق کتاب و سنت ہو پھر آپ نے صرف محبت کہاں سے نکالا۔ دوسرا حاشیہ دیتے ہیں

الحمد للہ کہ تمام فرق اسلام میں جس اعتدال اور خوش اسلوبی کا معاملہ قرآن و اہلبیت کے ساتھ اہلسنت نے کیا ہے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

بجواب اسکے گذارش ہے کہ خدا نہ کرے کسی شخص کو یہ مخالفت قرآن و اہلبیت نصیب ہو جو اہلسنت کو نصیب ہوئی قرآن میں تو صدہا قسم کے تحریف کے قائل ہیں کہ رسول اللہ پورا قرآن بھول گئے اور صدہا ہزارہا آیتوں کو بھول گئے جو قرآن موجود ہے کسی طرح قابل عمل نہیں صدہا آیتوں کا خلاف کیا اہلبیت کے ساتھ جو برتاؤ روز وفات رسولؐ سے ہوا وہ سب کو معلوم ہے بضعۃ الرسول کے گھر میں آگ لگائی گئی جناب امیرؑ کو بیعت پر اسطرح مجبور کیا۔

(۱۱) یہ سچ ہے کہ حضرت کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمیوں نے بیعت کی تھی مگر یہ بیعت ویسی ہی تھی جیسی رسالت مآبؐ کے ہاتھوں پر لوگوں نے بیعت کی تھی اور ہر بار نکث بیعت کیا ورنہ اگر یہ لوگ ثابت قدم اور راسخ العقیدہ ہوتے تو جناب امام حسنؑ ترک خلافت پر کیوں مجبور ہوتے دیکھیے یہی ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے اہل کوفہ سے فرمایا

الا وانا واللہ ما یثنینا عن اہل الشام شک ولا ندم فان اردتم للحرب رددناہ علیہ وحاکمناہ الی اللہ عزوجل بظبا السیوف وان اردتم الحیاۃ قبلناہ واخذنا لکم الرضا فناداہ الناس من کل جانب البقیۃ البقیۃ وامضی الصلح ولما عزم علی تسلیم الامر الی معاویہ خطب الناس فقال ایہا الناس انما نحن امراء کم وضیفانکم ونحن اہلبیت نبیکم الذین اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا وکرر ذالک حتی ما بقی فی المجلس الا من بکی حتی سمع نشیجہ۔ (صفحہ ۱۹۲ جلد ۳)

کہ قسم خدا کی ہم جو اہل شام سے لڑتے تھے تو اس میں نہ ہمکو ندامت ہوگی نہ کسی قسم کا شک اگر تم لوگ لڑنا چاہتے ہو تو ہم اس کے سوال صلح کو رد کریں اور اگر طالب زندگی ہو تو ہم قبول کرلیں ہر طرف سے آواز آنے لگی ہم زندگی چاہتے ہیں صلح کو لیجیے جب حضرت نے عزم بالجزم کرلیا تو خطبہ میں فرمایا ہم تمھارے امراء ہیں اور ہم تمھارے رسولؐ کے اہلبیت ہیں جن کو خدا نے پورے طور سے پاک کیا ہے (آیہ تطہیر)

پھر نہ معلوم کہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت نے برضا و رغبت صلح کیا حالانکہ آپ نے کیسی مجبوری اپنی دکھائی ہے۔

یہ شرط بھی نہ معلوم کہاں سے ایجاد کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہم تمھارے بعد خلیفہ بنائے جائیں گے۔ تاریخ کامل میں ہے۔

وکان الذی طلب الحسن من معاویہ ان یعطیہ ما فی البیت مال الکوفۃ ومبلغہ خمسۃ الاف الف وخراج دارابجرد من فارس وان لا یشتم علیا فلم یجبہ الی الکف عن شتم علی فطلب ان لا یشتم وہو یسمع فاجابہ

الی ذالك ثم لم يف به ايضاً۔ (صـ۱۹۲ جلد ۳)

یعنی جناب امام حسن نے معاویہ سے مطالبہ کیا کہ بیت المال کوفہ میں جو پانچ لاکھ ہو وہ دیدے اور خراج دارابجرد جو ملک فارس میں ہے وہ دیا کرے اور جناب امیرؑ کو سب و شتم نہ کیا کرے معاویہ نے اس شرط کو نہ مانا کہ سب جناب امیرؑ کو موقوف کریں تب امام حسنؑ نے یہ کہا کہ اچھا وہاں پر شتم نہ کرو جہاں ہم موجود ہوں معاویہ نے اسکو قبول کیا مگر اسکو بھی نہ پورا کیا اور خراج دارابجرد کو بھی کچھ دنوں کے بعد اپنی تدبیروں سے رکوادیا۔

پھر کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جناب امام حسنؑ نے بخوشی ورضا یہ صلح کی جبکہ اس میں یہ بھی نہ قبول کیا گیا کہ جناب امام حسنؑ کے پدر بزرگوار پر سب و شتم موقوف کردیا جائے گا۔

ہاں مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ہمارے بعد آپ ہی خلیفہ ہوں گے مگر اس کا اندراج صلحنامہ میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ دوسری روایت ہے کہ اگر ہم سمجھتے کہ آپ امور ممالک کے ضابط ہوتے تو آپ سے جنگ ہی نہ کرتے۔

پھر کیونکر یہ روایت قبول کیجا سکتی ہے کہ حضرت نے اسکو قبول کیا ہو ہاں اس وجہ سے کہ معاویہ نے جناب امام حسنؑ کو زہر دیکر شہید کرایا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید اسی شرط کی وجہ سے قتل کیا ہو مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اس کا مقصود اصلی تو یہی تھا کہ حضرت زندہ نہ رہیں خواہ اس وجہ سے کہ شاید آپکی طرف کوئی رجوع کرے یا کسی وجہ سے ہو۔

(۱۲) یہ لکھنا انتہا درجہ کی تاریخی بددیانتی ہے کہ معاویہ نے یہ درخواست منظور کرلی کیونکہ صلح کی درخواست امام حسنؑ نے نہیں کی تھی بلکہ خود معاویہ نے کی تھی۔

(۱۳) افسوس آپ نے اصلی خواب کو رسول اللہ کے نہ لکھا کیونکہ حضرت نے خواب دیکھا تھا کہ بنی امیہ مثل بندر ہمارے منبر پر چڑھ رہے ہیں جس سے حضرت کو بیحد ملال ہوا مگر آپ لوگ انھیں بنی امیہ کے تسلط پر خوش ہو رہے ہیں عثمان و معاویہ و یزید کی حمایت میں سرگرم ہیں۔

(۱۴) اسکو بھی لکھتے ہیں کہ جناب امام حسنؑ نے خطبہ میں آیۂ تطہیر انما یرید اللہ کو اپنے بارے میں پڑھا جہاں صدہا صحابی بھی تھے مگر آپ پھر بھی قول رسولؐ کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ آیہ انھیں خمسہ نجبا کے بارہ میں نازل ہوا بلکہ بتقلید عکرمہ خارجی ازواج کے بارے میں مانتے ہیں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا۔

(۱۵) اسکو بھی مانتے ہیں کہ عمرو عاص نے حضرت کے تذلیل کے لیے خطبہ دینے کا مشورہ دیا مگر عمرو عاص کو دشمن امام مانتے ہیں نہ معاویہ کو۔

(۱۶) جناب امام حسنؑ نے جو آیہ معاویہ کے بارہ میں پڑھی افسوس کہ اہلسنت نے عموماً اور اڈیٹر صاحب نے خصوصاً اس سے سبق نہ لیا بلکہ معاویہ کو خلیفہ برحق مانتے ہیں حالانکہ حضرت نے اس آیہ کے تلاوت سے بتادیا تھا کہ یہ خلافت فتنہ ہے جیسا کہ عمر نے خلافت ابوبکر کو فتنہ کہا مگر سب اسی پر جھکے رہے۔

(۱۷) سبب وفات میں لکھا کہ آپکی زوجہ بنت اشعث نے زہر دیا مگر افسوس حمایت معاویہ سے یہ نہ لکھا کیوں اُس نے زہر دیا حالانکہ خود استیعاب میں ہے:-

وقالت طائفة كان ذالك منها بتدليس معاوية وما بذل لها في ذالك وكان لها ضرائر والله اعلم (ص ۱۳۵ جلد اول)

یعنی ایک جماعت کا قول ہے کہ زہر دینا بتعلیم معاویہ تھا اور اسکے لئے معاویہ نے بہت سا مال صرف کیا مگر ابن اثیر کی ایمانداری دیکھیئے کہ اس کا ذکر تک نہ کیا حالانکہ صدہا کتب اہلسنت میں اسکی تصریح موجود ہے ملاحظہ ہو ذوالفقار حیدر جلد ۳ اور مناظرہ امجدیہ حصہ اول و دوم۔

(۱۸) دفن کے متعلق لکھا کہ عائشہ سے حضرت نے اجازت چاہی اور اُنھوں نے اجازت دی مگر دفن کے وقت مروان مانع ہوا حالانکہ یہ محض غلط ہے خود عائشہ سوار ہو کر خچر پر آئیں اور دفن امام حسنؑ کو روکا ملاحظہ ہو کشف الظلمات جلد ۲ ص ۳۳۹، سبط اکبر سوانح عمری امام حسن۔

(۱۹) ماتم کے بارے میں لکھا ہے کہ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینے تک اُن کے لئے نوحہ کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا اس میں دیکھنا یہ ہے کہ اہل حدیث کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہوتا ہے کیونکہ رونے کا حکم تین روز تک ہے اور یہاں ایک مہینہ تک نوحہ کیا گیا۔ کیا یہ بھی بدعت ہے؟

ہم نے بنظر اختصار مولوی عبدالشکور صاحب کے اس ترجمہ کی چند سطروں پر تنقید کی۔ مولوی عبدالشکور صاحب نے سیرۃ صحابہ کی اور کتابوں کو چھوڑ کر اسد الغابہ کو محض اس وجہ سے ترجیح دی اور اُسکو لائق ترجمہ سمجھا کہ یہ تمام تر اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ صحابہ کے حالات پر جہاں تک ہوسکے پردہ ڈالا جائے۔

۸۲۔ حصین بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی کا بیان ہے کہ آیۂ فمن کان یرجوا لقاء ربہ در بارہ جناب امیر و حمزہ و جعفر و عبیدہ و طفیل و حصین فرزندان حارث نازل ہوا۔
(ص ۳ اسد الغابہ جلد ۲)

۸۳۔ حصین بن یزید۔ ایک سو چونتیس برس کے عمر میں مرے مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔
(ص ۳ اسد الغابہ)

۸۴۔ حصین بلا نسب راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں پر حکومت کرے وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ زنجیروں میں کسا ہوا ہوگا۔ (ص ۳)

مگر افسوس خلفائے ثلاثہ نے اس کا مطلق نہ خیال کیا اور بلا وجہ استحقاق خلیفہ بن گئے۔

۸۵۔ حضرمی حضرت نے بنی زینہ سے کہا تم لوگ کون ہو کہا بنی زینہ ہیں آپ نے فرمایا بنی رشدہ ہو ان لوگوں نے کہا ہم اپنے باپ کا نام نہ چھوڑیں گے۔ (ص ۳۹)

ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت کو ناز ہے جو حضرت کے حکم سے نام بھی بدلنا نہ پسند کرتے تھے کیا اچھا ایمان ہے۔

اصابہ میں ہے کہ حضرمی نے سورہ عبس کی تعلیم حاصل کی تو اس میں یہ اضافہ کیا والذی انعم الحبلی فاخرج منہا نسمہ تسعی۔ (صلہ جلد ۲)

اب تو کسی کو اس میں عذر نہ ہوگا کہ خود صحابہ تحریف کیا کرتے تھے اگر حضرت منع نہ فرماتے تو یہ آیہ بھی قرآن میں موجود ہوتا۔

۸۶۔ حطیئہ شاعر۔ نے ایک آدمی کی ہجو کی عمر نے ایک حدیث بیان کر کے کہا اسکی زبان کاٹ ڈالو جب اس نے آکر عمر کے مدح میں دو شعر کہا تو قصور معاف کر دیا۔ (صلہ اسد الغابہ)

۸۷۔ حکم بن حارث سلمی۔ کی روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا جو ایک دینار چھوڑ جائے اسکو ایک داغ دیا جائے گا اور جو دو دینار چھوڑ جائے اسکو دو داغ۔ (صلہ)

اب خلفائے ثلاثہ کے متروکات پر خیال کیجئے کہ وہ کس قدر مال چھوڑ گئے تھے۔

۸۸۔ حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس۔ حضرت عثمان کے چچا ہیں انھوں نے عہد کیا تھا کہ حضرت کو قتل کر ڈالیں مگر ایک آواز ہیبت ناک سن کر ڈر گئے حضرت نے اس شخص کو دیکھ کر کہا اس شخص حکم کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی۔ یہ حکم حضر سے نکالے ہوئے تھے حضرت نے مدینہ سے طائف کیطرف نکال دیا تھا اس کا بیٹا مروان بھی نکل گیا تھا یہ شخص رسول اللہ کا راز سنا کرتا تھا حضرت نے چاہا چاقو سے اسکی آنکھ پھوڑ دیں یہ حضرت کے رفتار کی نقل کیا کرتا تھا جس پر حضرت نے بد دعا کی اور اس کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا عبد الرحمان نے جو حکم کو لعین کہا تو اس وجہ سے کہ حضرت عائشہ نے مروان بن حکم سے کہا میں شہادت دیتی ہوں کہ رسول اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی اور اس وقت تو اپنے باپ کے پشت میں تھا دیکھ شیعہ جو نام لیکر دشمنان خدا و رسول پر لعنت کرتے ہیں تو اہلسنت کیوں خفا ہوتے ہیں حالانکہ خود حضرت پیغمبرؐ نے اور عبد الرحمان بن ثابت نے لعنت کی ہے۔ المختصر حکم کے لعنت اور اخراج میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں (اس سے بڑھ اخفائے واردات کیا ہو سکتا ہے) نبیؐ کے زندگی میں حکم مدینہ سے جلا وطن رہے عثمان نے ابوبکر سے سفارش کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلا لیجئے ابوبکر نے کہا میں اس گرہ کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ نے باندھا ہے ایسا ہی حضرت عمر نے بھی کیا پھر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے حکم کو واپس بلا لیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ سے سفارش کی تھی اور حضرتؐ نے وعدہ کیا تھا۔ (صلہ اسد الغابہ)

کیا اب بھی دروغ گوئی عثمان میں شبہہ ہو سکتا ہے کیا ابوبکر و عمر بھی انکو سچا نہ جانتے تھے جو اُن کے روایت پر عمل کر کے حکم کو واپس بلاتے لہذا معلوم ہوا کہ عثمان نے قصداً مخالفت حکم رسولؐ کیا اور اسکے ساتھ افترا بھی کیا کہ حضرتؐ نے وعدہ فرمایا تھا۔

یہ قصہ بہت طولانی ہے اور تاریخ اسلامی کے سب ہی پڑھنے والے جانتے کہ حضرت عثمان نے حکم کی جلا وطنی منسوخ کر کے اور اسے مدینہ واپس بلا کر پیغمبر خدا کی بھی مخالفت کی اور حضرت ابوبکر و عمر کی بھی، ہمکو زیادہ لکھنے

کی ضرورت نہیں مگر یہ بات اہلسنت کے لئے عموماً اور اڈیٹر النجم کے لئے خصوصیت سے قابل عبرت ہے کہ ایسے ملعون ومطرود کو بھی ایڈیٹر النجم سیدنا کے لفظ سے ذکر کر رہے ہیں جس طرح ابو بکر وعمر کو لکھتے ہیں پھر بتایئے ان کے منافق اور طرفدار منافق ہونے میں کیا شک رہا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ابن سکین کا قول ہے کہ حضرت نے اس پر بد عا کی مگر ثابت نہیں۔ علاء بن سائب راوی ہیں کہ اصحاب رسول حضرت کی خدمت میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت حکم پر لعنت فرما رہے ہیں لوگوں نے پوچھا تو حضرت نے فرمایا ہم اپنے فلاں زوجہ کے ساتھ تھے تو اس نے منھ چڑھایا اصحابہ نے کہا کیئے تو ہم بھی لعنت کریں تو حضرت نے فرمایا نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی اولاد ہمارے منبر پر چڑھتی اترتی ہے لوگوں نے کہا کیئے تو ہم اس کو پکڑ لائیں حضرت نے کہا نہیں۔ اور اسکو نکلوا دیا۔ معاویہ مروان کا بہت خیال کرتا تھا لوگوں نے پوچھا تو کہا اس کا باپ حکم ہمارے بہن ام حبیبہ کی کفش برداری کرتا تھا جب کہ رسول اللہ انھیں اپنی زوجیت میں لائے تھے حضرت نے حکم کی طرف نگاہ تیز دیکھا جب باہر نکلا تو رسول اللہ سے لوگوں نے پوچھا کیا وجہ تھی تو حضرت نے فرمایا جب اسکی اولاد تیس یا چالیس کے عدد پر پہونچے گی تو تمامی امور کی مالک ہو جائے گی عائشہ نے مروان سے کہا رسول نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اسکے پشت میں تھا۔

ابن حجر لکھتے ہیں اصل قصہ کو بخاری نے لکھا مگر آخر کے زیادتی کو حذف کر دیا (کیا امانت داری بخاری کی) ثعلبہ بن ابی مالک راوی ہیں کہ۔

اس حکم نے عہد عثمانی میں انتقال کیا تو اسکے قبر پر شامیانہ کھڑا کیا گیا کیونکہ زمانہ گرمی کا تھا لوگوں نے اعتراض کیا تو عثمان نے کہا زمانۂ عمر میں زینب بنت جحش (زوجۂ رسول صلعم) نے انتقال کیا تو ان پر بھی شامیانہ لگایا گیا تھا کیا اس پر کسی نے اعتراض کیا انتہیٰ۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۵)

کیا عزت افزائی دشمن رسول ہے کہ بعد مردن اسکے قبر پر شامیانہ کھڑا کیا اور مثال کے لئے ام المومنین زینب بنت جحش کو پیش کیا اس پر بھی عثمان کے اسلام کا دعوی کیا جاتا ہے یا للعجب۔

(۸۹) حکم بن عمرو غفاری حاکم خراسان بنائے گئے تو زیاد نے انکو لکھا کہ معاویہ کا حکم ہے لڑائی میں سونا چاندی جو ملے وہ ہمارے لیئے رہنے دیا جائے مگر انھوں نے نہ مانا اور کہا کہ حکم خدا کے خلاف ہے لہذا سب کو تقسیم کر دیا غالباً انھیں سے روایت ہے کہ حضرت نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو منع فرمایا۔ (صفحہ ۴۹)

اس سے معاویہ کی مخالفت حکم خدا اور رسول ظاہر ہے اور یہ روایت بھی طرفہ ماجرا ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کیا جائے۔

(۹۰) حکم بن عمر ثمالی اسکا شمار اہل شام میں ہے اسکی روایت ہے کہ میں نے رسول خدا کو دیکھا آپ نماز شب اور نماز صبح میں بسم اللہ باواز بلند کہتے تھے (صفحہ ۵۰)

مگر اہلسنّت کا عمل اس کے خلاف ہے، بتقلید شیخین بسم اللہ کہتے ہی نہیں یا آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

(۹۱) حمران بن جابر عنفی تمامی راوی ہیں کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا بنی اُمیہ کے لئے خرابی ہے۔ صـ۶۲

مگر اہل سنت انھیں بنی اُمیہ کے طرفدار ہیں۔

(۹۲) حمزہ بن عویمر کی وفات سنہ ۶۱ھ میں اسی برس کے سن میں ہوئی صـ۶۸

مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔

(۹۳) حمن عبد الرحمان بن عوف کے بھائی ہیں مگر نہ ہجرت کیا نہ مدینہ آئے اسلام کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے عبداللہ بن زبیر کو اپنا وصی کیا (صـ۷۲)

مگر شرکت کربلا سے محروم رہے۔

حنظلہ غسیل الملائکہ کے حال میں لکھتے ہیں:۔

خزرج والوں نے کہا کہ ہم میں چار آدمی تھے جنھوں نے رسول اللہ کے زمانہ میں قرآن یاد کر لیا تھا انکے سوا اور کسی نے پورا قرآن نہ یاد کیا تھا۔ زید بن ثابت۔ ابوزید۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل (صـ۷۳)

جس سے معلوم ہوا کہ لاکھوں صحابی میں صرف یہی چار آدمی حافظ تھے اور کوئی نہیں اس میں سے بھی بوقت جمع قرآن کوئی نہ شریک کیا گیا باستثنا زید بن ثابت جو عثمان کے عامل دیوان تھے پھر بتائیے قرآن کی کیا عظمت کی گئی۔

(۹۴) حوقب حمیری صفین میں حضرت علیؑ کو پکارا اور کہا کہ اے ابن ابی طالبؑ تم لوٹ جاؤ ہم تمھیں اور تمھارے خون کا واسطہ دلاتے ہیں ہم تمھیں عراق دیدیں اور تم ہمیں شام دیدو اور مسلمانوں کی خونریزی نہ کرو حضرت علی نے فرمایا اے ابن ظلیم یہ بات بہت دور ہے خدا کی قسم اگر دین میں نرمی جائز ہوتی تو ہم ایسا ہی کرتے اور یہ بات میرے لئے آسان تھی مگر اللہ اس پر راضی نہیں ہے کہ اہل قرآن سکوت اور سستی کریں اس حال میں کہ اللہ کی نافرمانی بیجا ہی ہو اور وہ لوگ اسکے روکنے اور جہاد کرنے کی طاقت رکھتے ہوں یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آ جائے۔ (صـ۷۵)

کیا اب بھی کسی کو معاویہ اور اُسکے معاونین کے بے دین ہونے میں شک رہ سکتا ہے کہ اسکے ذریعہ سے خدا کی معصیت کیجاتی تھی اُس سے ترک جہاد ناجائز تھا۔ جنگ صفین میں اس حوقب کو سلیمان بن صرد خزاعی نے قتل کیا دوسری روایت میں ہے کہ مالک اشتر نے قتل کیا اور ذوالکلاع کو حریث بن جابر نے۔ اس واقعہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قاتل و مقتول دونوں صحابی ہیں پھر فیصلہ ہو تو کیونکر کہ حق پر تھا کون ... لہٰذا ایک خواب گڑھا گیا کہ عمر بن شرحبیل نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل ہوئے کچھ قبے نظر آئے تو پوچھا یہ قبہ کس کے لئے ہے کہا ذوالکلاع اور حوقب کے لئے ہیں جو معاویہ کیطرف سے لڑنے گئے تھے تو اُسنے پوچھا عمار کہاں ہیں کہا کہ وہ انکے آگے ہیں پوچھا یہ کیونکر ہوا حالانکہ ان میں سے ایکدوسرے کا قاتل ہے تو کہا کہ خدا سے ملاقات کی تو اُسکو واسع المغفرہ پایا (صـ۷۶ جلد ۲ اصابہ)

یہ عزت افزائی ہے صحابہ کی کہ خدا فرماتا ہے جو کسی مومن کو قتل کرے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر یہاں وہ

سب منسوخ ہوگیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں مزہ اڑا رہے ہیں۔

(۹۵) حوط بن مرہ کے نسبت بیان ہے کہ یس بن حسن بن یس نے کہا ہمنے ۲۲۶ھ میں آپکو دیکھا جو کہتے تھے میں خدمت رسول میں پہونچا تھا اور طعام جنت کھایا تھا ابن حجر اس روایت کو نہیں مانتے۔ (ص۳)

(۹۶) حویطب بن عبد العزی قریشی ہیں مروان بن حکم نے ایک مرتبہ حویطب سے کہا اے شیخ تم بہت دیر میں اسلام لائے یہاں تک کہ کم عمر لوگ تم سے سبقت لے گئے حویطب نے کہا اللہ ہی کے مدد سے کام چلتا ہے واللہ میں نے کئی مرتبہ اسلام کا ارادہ کیا مگر تمہارا باپ ہر مرتبہ مجھے اس سے باز رکھتا تھا اور مجھے منع کرتا تھا کہ تم اپنی بزرگی اور اپنے باپ دادا کا دین ایک نئے دین کے لیئے کیوں چھوڑتے ہو اور کیوں دوسرے کے تابع ہوئے جاتے ہو مروان چپ ہوگیا اور اپنے اس بات پر نادم ہوا اور حویطب نے اس سے کہا کہ کیا تم سے حضرت عثمان نے نہیں بیان کیا کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو تمہارے باپ سے انھیں کیا کیا مصیبتیں پہونچی۔ (ص۹۰)

حکم کا حال سابقاً مذکور ہو چکا حضرت عثمان کے چچا ہیں اور اسلام لا چکے تھے مگر اس طرح دوسروں کو روکتے تھے اُس کو حضرت نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا ابوبکر عمر نے بھی نہ آنے دیا مگر عثمان نے اسکو مدینہ بلوایا اور مرنے پر اُسکے قبر پر شامیانہ لگوایا۔

(۹۷) حارث بن سوید تیمی اُن لوگوں سے ہیں جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے اصحاب ابن مسعود میں نامی شخص گذرا ہے بہت سی روایتیں اس سے منقول ہیں سنہ وفات ۷۲ھ کو بعہد ابن الزبیر کوفہ ہی میں رہتے تھے مگر نصرت امام ع سے محروم ہی رہے نہ وقت ورود اہلبیت ع کوفہ میں کوئی خدمت کی (ص۲۷۴ ج ۵ اصابہ)

(۹۸) حارث بن عمرو زبیری بھی حضرت کے زمانہ میں اسلام لائے زمانۂ یزید میں وفات ہے مگر شرکت کربلا سے محروم رہے۔ (ص۲۷۴ اصابہ)

(۹۹) حارثہ بن بدر بھی صحابی ہے عراق میں رہتا تھا ۶۴ھ میں وفات ہے مگر نصرت امام ع اس نے بھی نہ کی۔ (ص۲۶ اصابہ)

(۱۰۰) حارثہ بن عبید کلبی پانچسو برس زندہ رہا مگر نصرت امام نہ کی۔ (ص۲۶ اصابہ)

(۱۰۱) حبہ کا بیان ہے ہم حالت شرک میں تھے جبکہ حضرت نے غدیر خم میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا یہ اس کا بھی راوی ہے کہ جب حضرت نے سب کے دروازے مسجد کی طرف بند کیئے باستثنا جناب امیر تو دیکھا تھا کہ حضرت حمزہ آئے اور فرمایا تم نے اپنے چچا کو نکال دیا اور ابن عم کے دروازے کو باقی رکھا ۷۶ھ میں یا ۷۹ھ میں اس کی وفات ہے مگر نصرت امام ع سے محروم رہا (ص۵ جلد ۲ اصابہ)

(۱۰۲) حبیب بن مطہر (جن کا شیعوں میں نام مشہور حبیب بن مظاہر ہے) یہ بھی صحابی ہیں جناب امام حسین ع کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے (ص۲۶)

کیا اور صحابہ ان کی تاسّی نہ کر سکتے تھے۔

(۱۰۳) حجر بن عبس اس کا راوی ہے کہ ابوبکر و عمر نے جناب سیدہ کی خواستگاری کی تو خود حضرت نے جناب امیرؑ سے کہا ھل لك یا علی (ص۵۹)

(۱۰۴) حرام بن ربیعہ یہ بھائی ہے حرام بن خالد کا جسکی بیٹی ام البنین مادر حضرت عباس سے جناب امیرؑ نے نکاح کیا تھا اس کا بیٹا رؤسائے کوفہ سے تھا اسکو مختار نے منجملہ شرکائے قتل امام قتل کیا۔ (ص۶۰)

(۱۰۵) حریث بن مخفض مازنی زمانۂ حجاج تک زندہ رہا مگر نصرت امام سے دست کش رہا۔ (ص۶۰)

(۱۰۶) حصین بن نویرہ یزید کے بعد زندہ رہا جس نے یمامہ میں خروج کیا تھا نجدہ حروری پر مگر نصرت امامؑ سے محروم رہا۔ (ص۶۱)

(۱۰۷) حمران بن ابان یہ بڑے علمائے سے تھا عثمان کے پیچھے نماز پڑھتا تھا عثمان جہاں بھول جاتے یہ لقمہ دیتا بصرہ میں رہا ۷۵ھ یا ۷۶ھ میں وفات ہوئی مگر جناب امام حسینؑ کی اس نے بھی مدد نہ کی حالانکہ حضرت نے اہل بصرہ سے بھی اعانت طلب کی تھی۔ (اصابہ ص۶۵)

(۱۰۸) حنظلہ بن ربیعہ بھی صحابی ہے جو محاصرہ ابن الزبیر میں حجاج کے ساتھ شریک تھا وفات اسکی زمانہ مروان میں ہوئی مگر نصرت امامؑ سے دستکش رہا۔ (ص۶۶)

(۱۰۹) حنظلہ بن شرقی زبیر بن عبد المطلب کا ندیم تھا دو سو برس تک زندہ رہا (ص۶۶) مگر نصرت امامؑ اس نے بھی نہ کی۔

(۱۱۰) حکیم بن عیاش کلبی شعرائے بنی امیہ سے تھا اس نے حضرت زید کی شہادت پر چند اشعار کہے جس میں سے دو شعر جناب امام جعفر صادقؑ کے سامنے پڑھے گئے ؎

صلبنا لکم زیداً علی راس نخلة — ولم نر مھدیا علی الجذع یصلب

وقستم بعثمان علیا سفاھة — وعثمان خیر من علی واطیب

یعنی ہمنے حضرت زید کو درخت پر سولی دیا حالانکہ کوئی مہدی درخت پر سولی نہیں دیا جاتا تم لوگ اپنی سفاہت سے عثمان اور علی کا قیاس کرتے ہو حالانکہ عثمان بہتر ہیں علیؑ سے اور اطیب ہیں۔

قال فرفع جعفر یدیه فقال اللھم ان کان کاذباً فسلط علیه کلبك فخرج حکیم فافترسه الاسد قلت کان قتل زید بن علی سنة اثنین وعشرین فدل تاخر حکیم عن ھذه الغایة۔ (ص ج ۱۲ اصابہ)

یعنی جناب امام جعفر صادقؑ نے جب ان اشعار کو سنا تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ خداوندا اگر یہ جھوٹا ہے تو اپنا ایک کلب مسلط کر چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ گھر سے باہر نکلا تو ایک شیر نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت زید کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ وہ اسکے بعد تک زندہ ر
تو اس سے معلوم ہوا وہ صحابی نہ تھا مگر ہم خود ابن حجر سے نقل کر چکے ہیں کہ بہت سے صحابہ پانچ سو برس

تک زندہ رہے ہیں۔

خالد بن ربعی کہتے ہیں کہ حضرت نے کسی کو بنی تمیم پر حاکم بنانا چاہا ابو بکر نے ایک شخص کا نام لیا عمر نے ایک دوسرے کا نام لیا حضرت نے فرمایا اگر تم متفق ہو کر بات کہتے تو میں دونوں کی رائے مان لیتا مگر تم کہیں کہیں مختلف ہو جاتے ہو اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ — خدا اور رسول کے سامنے تم آگے آگے نہ ہو۔ (ص۱۰۱ اسد الغابہ)

کیا اس سے ان لوگوں کے اسلام کی حالت نہ معلوم ہوئی کہ خدا کو منع کرنا پڑا۔

(۱۱۲) **خالد بن کلیب** (ابو ایوب انصاری) جن کے مکان پر رسول اللہ نے بعد ہجرت قیام کیا جب حضرت علیؑ کے خلافت کا زمانہ آیا تو اُنھوں نے ابو ایوب سے پوچھا تمھیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ ابو ایوب نے کہا میرا وظیفہ مجھ کو ملتا ہے اور آٹھ غلام مجھے چاہیئے کہ وہ میرے زمین کا کام کریں۔ ان کا وظیفہ چار ہزار تھا حضرت علی ع نے اُس کو بچگنا کر دیا اور ۲۰ ہزار روپے اور ۴۰ غلام دیے۔ (ص۱۱ ج ۳ اسد الغابہ)

مگر کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شیخین یا عثمان نے ان کے ساتھ سلوک کیا ہو حالانکہ کیسی کیسی خدمتیں رسول اللہ کی کی تھیں ہاں ابن عباس نے بھی ان کو بدلہ دیا تھا کہ اپنا پورا مکان حضرت ابو ایوب انصاری کو بعوض حق خدمات رسول دیدیا تھا مگر شیخین یا عثمان نے کوئی معاوضہ اسکا نہ دیا۔ انکی وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔

(۱۱۳) **خالد بن زید** سے حضرت نے فرمایا جو شخص گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اُسکے لیے جنت میں ایک محل ہے۔ حضرت عمر نے عرض کیا اب تو ہم بہت سے محل بنوا لیں گے۔ (ص۱۱۱)

کیا یہ کلام بطور استہزا نہ تھا حالانکہ یہی عمر ہیں جنھوں نے ابو ہریرہ کو اس بشارت پر کہ جو لا الہ الا اللہ اس پر جنت واجب ہے ایسا دھکا دیا تھا کہ وہ مُنھ کے بل گر پڑے۔

(۱۱۴) **خالد بن سعید بن عاص** اموی ہیں قدیم الاسلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو بکر کے بعد اسلام لائے تیسرے یا چوتھے مسلمان تھے۔ بعض پانچویں کہتے ہیں حضرت علی اور ابو بکر و زید بن حارثہ و سعد کے بعد اسلام لائے (مگر ابو بکر خود پچاس آدمیوں کے بعد اسلام لائے تو یہ تیسرے یا چوتھے کیسے ہو سکتے ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ابو بکر سے پہلے اسلام لائے کیونکہ اسلام ابو بکر کے بعد سے پھر نیا سلسلہ قائم ہوا) انھوں نے خواب میں جہنم کو دیکھا حضرت نے فرمایا تم اسلام لاؤ انکے باپ نے جب معلوم ہوا تو بہت غصہ ہوئے اور گھر سے نکال دیا حضرتؐ کے پاس آئے اور آپ ہی کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے (بعد فتوحات اسلام) حضرتؐ نے یمن کے صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا اور بعض کہتے ہیں مذحج اور صنعا کے صدقات پر مقرر کیا عہد رسول یہی کام کرتے رہے بعد وفات رسولؐ اُنھوں نے اس کام کو چھوڑ دیا ابو بکر کی بیعت میں توقف کیا اور بنی ہاشم سے کہا کہ آپ لوگوں کا شجرہ عالی نسب ہے اور اُس کا میوہ شیریں ہے ہم آپ کے تابع ہیں جب بنی ہاشم نے بیعت کر لی تو خالد اور اُن کے بھائی ابان نے

بھی بیعت کر لی ابو بکر نے خالد کو ایک لشکر کا سردار بنا کے شام کی طرف بھیجا (صفحہ ۱۴۲ اسد الغابہ)

اصابہ ابن حجر عسقلانی میں ہے:۔

قال خالد بن سعید اسلمت قبل علیؑ لکن کنت افرق ابا احیحہ یعنی والدہ سعید بن العاص وکان لا یفرق اباہ (صفحہ ۹۱)

یعنی خالد بن سعید کہتے ہیں کہ ہم اسلام تو لائے تھے حضرت علیؑ کے پہلے مگر ہم اپنے باپ سعید بن العاص سے ڈرتے تھے اور حضرت علیؑ نہیں ڈرتے تھے۔

اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ ابو بکر کے قبل اسلام لائے کیونکہ جناب امیرؑ کے نسبت تو سب کا بیان ہے حضرت دوشنبہ کو مبعوث ہوئے اور جناب امیرؑ سہ شنبہ کو اسلام لائے پھر حضرت پر تقدم تو کسی طرح ممکن ہی نہیں یہ روایت محض اسی غرض سے بنائی گئی ہے کہ ابو بکر پر انکی سبقت مخفی رہ جائے

یہاں تو اسی قدر لکھا ہے کہ خالد بن سعید نے خدمت حکومت کو بعد وفات رسولؐ ترک کر دیا مگر یہی ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں ۱۳ھ ہجری کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

۱۳ھ میں ابو بکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو سب سے پہلا علم خالد بن سعید بن عاص کو دیا پھر انکو معزول کر دیا وجہ عزل یہ ہوا کہ انھوں نے ابو بکر کی بیعت میں توقف کیا تھا دو مہینہ تک اور جناب امیر و عثمان سے کہا اے ابو الحسن اے فرزندان عبد مناف کیا تم لوگ مغلوب ہو گئے جناب امیرؑ نے کہا یہ مغالبہ ہے یا خلافت ابو بکر کو تو اس کا کینہ نہیں ہوا مگر عمر کے دل میں اسکا کینہ رہا ابو بکر نے جب حکومت شام پر انکو نامزد کیا تو عمر نے اسقدر دق کیا ابو بکر کو، کہ آخر معزول کر دیا امارت سے اور حکم دیا کہ تیما میں مسلمانوں کے حفاظت کو رہیں اور جب تک ہمارا حکم نہ ہو وہاں سے علیحدہ نہ ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ خلافت تھی یا قیامت محض اسقدر کہنے پر کہ اے علیؑ تم مغلوب ہو گئے وہ صحابی جو سب سے پہلے اسلام لایا اور مدت العمر خدمت رسولؐ کرتا رہا وہ کس طرح محروم کیا گیا ابو بکر کو تو اسقدر غصہ نہیں آیا مگر عمر نے جب تک امارت لشکر شام سے موقوف نہ کر لیا چین نہ لیا۔ اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی کام انکا نیک نیتی سے تھا۔ تاریخ طبری میں ہے:۔

خالد جب حکومت یمن سے بعد وفات رسولؐ وارد مدینہ ہوئے اور دو مہینہ تک ابو بکر کی بیعت نہ کی تو کہتے تھے حضرت نے ہمکو امارت دی اور کبھی معزول نہ کیا یہاں تک کہ حضرت نے وفات پائی (مطلب یہ ہے کہ ہمارے رہتے یہ لوگ کیونکر خلیفہ ہو سکتے ہیں جن کو کبھی رسولؐ نے کہیں کا حاکم نہ بنایا) اسکے بعد حضرت علیؑ اور عثمان سے ملاقات کی اور کہا کہ اے فرزندان عبد مناف کیونکر تم نے اسکو گوارا کیا کہ دوسرے لوگ تم پر حاکم ہوں ابو بکر کو تو اس کلام سے کچھ غصہ نہ آیا مگر عمر کے دل میں اسکا کینہ پڑ گیا ابو بکر نے جب شام کو لشکر بھیجنا چاہا تو پہلے اسی خالد بن سعید کو سردار لشکر بنایا مگر عمر نے اسقدر اصرار کیا کہ آخر ابو بکر نے

معزول کرکے یزید بن ابوسفیان کو سردار لشکر بنایا۔ (تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۱)

یہ پہلا روز ہے کہ بنی امیہ کے ہاتھ میں حکومت گئی جسکے بانی حضرت عمر ہیں کہ ایسے مقدس صحابی کو معزول، کرا کے یزید کو حکومت شام دلوادی جس کے بعد معاویہ اور اسکا بھائی پھر یزید اور تمامی بنی امیہ کا دور چلا۔ ع

خون شہدا تمام بر گردن اوست

پھر لکھتے ہیں:۔

خالد بن سعید بن عاص بعد وفات رسول وارد مدینہ ہوئے تو وہ جُبّہ دیبا پہنے ہوئے تھے عمر نے چیخ کر کہا اسکے جبہ کو پھاڑ ڈالو کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہے سب نے اُس کا جبہ چاک کیا خالد نے جناب امیرؑ سے کہا کیا آپ مغلوب ہوگئے جناب امیرؑ نے کہا یہ مغالبہ ہے یا خلافت؟ خالد نے کہا اے فرزندان عبد مناف تم اس بارے میں مغلوب نہیں ہوسکتے عمر نے کہا خدا تیرے منہ کو توڑے واللہ جھوٹا ہمیشہ مبتلا رہے گا اس میں جو تو نے کہا مگر اس کا ضرر بجز اسکے نفس کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا عمر نے اس کلام کو ابوبکر تک پہونچایا جب ابوبکر نے قتال اہل ردہ کے لئے علم مقرر کرنا شروع کیا تو ایک علم خالد کو بھی دیا عمر نے منع کیا اور کہا یہ مخذول ہے اور ضعیف التروۃ یہ ایسا جھوٹ بولا ہے جو کبھی جدا نہیں ہوسکتا ہرگز اسکو حکومت نہ دو ابوبکر نے بعض امروں میں عمر کی اطاعت قبول کی اور بعض میں نہیں کیونکہ بمقام تیما، اُن کو مقرر کیا۔ (تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شروع شروع سب و شتم صحابہ کی رسم حضرت عمر نے جاری کی کہ سعید کی قبا چاک کر ڈالی اُنھیں جھوٹا اور مفتری بنایا اس درجہ ابوبکر کو مجبور کیا کہ حکومت شام سے آخر محروم کر دیا حالانکہ یہ کیسے مقدس صحابی ہیں کہ ابوبکر سے پہلے اسلام لائے پھر اگر شیعہ ایسے صحابہ سے اظہار بیزاری کریں جو ظالم کاذب غاصب تھے تو نہ معلوم اہلسنت کیوں ناراض ہوتے ہیں حالانکہ ابتدا اس کی تو حضرت عمر سے ہوئی۔

(۱۱۵) **خالد بن عاص** ابوجہل و حارث کے بھتیجے ہیں ایک حدیث بھی اُنھوں نے رسولؐ سے نہیں سنی مگر چونکہ ابوجہل کے بھتیجے ہیں جو حضرت عمر کے رشتہ دار تھے لہٰذا عمر نے انکو حاکم مکہ مقرر کر دیا۔ (صفحہ ۱۱۲ اسد الغابہ)

غور کرنے کا مقام ہے کہ خالد بن سعید بن عاص کو جو کہ ایسا قدیم الاسلام اور عامل رسول تھا اس جرم پر معزول کیا کہ اُس نے بیعت ابوبکر میں دو ماہ تک توقف کیا اور خالد بن عاص کو صرف اس وجہ سے مقرر کیا کہ وہ ان کا طرفدار اور ابوجہل کا بھتیجا تھا یعنی عمر کے ماموں کا بیٹا تھا سنہ وفات نہیں معلوم مگر زمانہ معاویہ تک زندہ رہا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۹۳)

(۱۱۶) **خالد بن عرفطہ** بڑے درجہ کے صحابی ہیں کوفہ میں رہتے تھے حضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اے خالد عنقریب کچھ نئی باتیں اور اختلافات پیدا ہونگے جب ایسا ہو تو اگر تم سے ہوسکے تو مقتول بننا قاتل نہ بننا ان کی وفات کوفہ میں ہوئی جس سال حضرت امام حسینؑ بن علیؑ شہید ہوئے (صفحہ ۱۱۹ اسد الغابہ) مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

اصابہ میں ہے کہ ایک شخص نے جناب امیرؑ سے عرض کیا کہ ہمارا گذر وادی القریٰ میں ہوا تو وہاں دیکھا کہ خالد بن عرفطہ مر گیا ہے اس کے لیئے استغفار فرمائیے حضرت نے فرمایا، نہیں مرا ہے اور نہ مریگا اسوقت تک کہ ایک لشکر ضلالت کا وہ سردار ہو جس کا علمبردار حبیب بن حمار ہو گا اور وہ اس مسجد کوفہ کے دروازے سے داخل ہو گا جسکو باب الفیل کہتے ہیں۔

یہ کلام سنکر وہاں ایک شخص کھڑا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا حبیب بن حمار تو میں ہی ہوں اور میں آپکا دوستدار ہوں حضرت نے فرمایا اگر ہو گا ایسا ہی ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابن زیاد نے جو عمر بن سعد کو جناب امام حسینؑ سے لڑنے کو بھیجا تو اُسنے خالد بن عرفطہ کو مقدمہ لشکر پر مقرر کیا اور حبیب بن حمار کو علمدار بنایا اور وہ علم لے کر داخل مسجد کوفہ ہوا باب مقبل سے (صـ ۹۵ جلد ۲ اصابہ)

غور فرمائیے کہ صحابہ اہلسنت کے کیا افعال ہیں اسی لیئے شاید آنحضرتؐ نے وصیت کی تھی کہ قاتل نہ بننا اگرچہ مقتول ہی کیوں نہ ہو مگر کیا خوب اسکی تعمیل کی کہ خود فرزند رسول کو قتل کیا اور اس کو بھی اڈیٹر النجم سیدنا لکھ رہے ہیں۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ واقعہ کربلا کی اہمیت کسدرجہ تھی کہ خود رسول اللہ نے ہر رطب و یابس اس کا جناب امیرؑ کو بتا دیا تھا کہ حضرتؑ نے قبل از واقعہ خبر دی اس پر بھی لوگ ایمان نہیں لائے کہ حضرتؑ کو علم کان و مایکون حاصل تھا۔

اہلسنت جو قتل امام حسینؑ کی نسبت شیعوں کی طرف دیتے ہیں شائد اسی حبیب بن حمار کے سبب سے جس نے دعوائے محبت امیر المومنینؑ کیا تھا مگر افسوس اُنھوں نے ہر ایسے مدعی کو شیعہ سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ ملعون ہے جو اس کا مرتکب ہو التشیع سے اُسکو کیا واسطہ۔

(۱۱۷) خالد بن ولید جس کا لقب سیف اللہ مشہور ہے لقب کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرتؐ نے اس کو حالت کفر میں یہ لقب دیا تھا۔ (صـ ۱۱۸ اسد الغابہ)

مالک بن نویرہ کے یہی قاتل ہیں جس پر خود حضرت عمر نے بہت ناراضی و برہمی ظاہر کی۔ (صـ ۱۱۳)

جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی کہ بنی مغیرہ کی عورتیں خالد پر رونے کے لیئے ایک گھر میں جمع ہوئی ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہو کہ وہ ابو سلیمان کے لیئے روئیں بشرطیکہ بلند آواز اور بین نہ ہوں۔ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت نہیں بچی جس نے خالد کی قبر پر اپنے سر کے بال نہ منڈائے ہوں (صـ ۱۱۳ اسد الغابہ)

مسلمانو! غور کرو یہ کس قسم کی بات ہے کہ حضرت عمر۔ جناب زینب و رقیہ و ام کلثوم دختران رسولؐ کے گریہ و بکا کو منع کریں اور ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ کی روایت کریں کہ میت پر اُس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

مگر خالد بن ولید کے لیئے سب جائز کر دیا اور عورتوں نے جس میں سب گویا صحابیات تھیں یہ ترقی کی کہ سر نے جا کر خالد بن ولید کی قبر پر سر منڈا دیا۔ واہ رے اسلام

استیعاب میں ہے کہ حضرت نے ایک قبیلہ پر اسکو بھیجا تو ناحق لوگوں کو اُس نے قتل کیا حضرت نے اُن کی دیت دلوائی اور فرمایا:-

اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد بن ولید وخبرہ بذالک من صحیح اثر (صفحہ ۱۵۰ جلد)

خداوندا ہم بیزاری ظاہر کرتے ہیں اس سے جو کچھ خالد نے کیا اور یہ حدیث صحیح ہے۔

پھر اگر شیعہ بھی ایسے ہی صحابہ سے اظہار بیزاری کریں تو اہلسنت کیوں چڑتے ہیں

یہ خالد وہی ہے جس نے حضرت مالک بن نویرہ کو قتل کیا اور اسی شب کو اسکے زوجہ کے ساتھ زنا کیا جس پر حضرت ابوبکر سے حضرت عمر نے کہا یا قتل کرو یا سنگسار کر دیا معزول کرو مگر ابوبکر نے ایک نہ مانا اور اسکو سیف اللہ کا خطاب دیا جب عمر خلیفہ ہوئے تو اسکو معزول کیا اور عمامہ میں جکڑا اور مال اُن کا اوھالے لیا اس پر بھی الصحابۃ کلھم عدول کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔

(۱۱۸) خزیمہ بن ثابت انصاری ان کا لقب : ذوالشہادتین ہے جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے مگر قتال نہیں کیا جب جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر شہید ہوئے تو خزیمہ نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا اسکے بعد انھوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور قتال کیا یہاں تک کہ مقتول ہوئے۔ واقعۂ صفین ۳۷ھ میں ہوا تھا۔ (صفحہ ۱۱۴ اسد الغابہ جلد ۳)

مگر اس پر بھی اہلسنت نہ معاویہ کو باغی کہتے ہیں نہ اپنے کو فرقہ باغیہ میں داخل کرتے ہیں۔

(۱۱۹) خویلد بن عمر مدینہ میں آکر رہے تھے اور قبل فتح مکہ اسلام لائے مدینہ میں ۶۸ھ میں وفات پائی۔ (صفحہ ۱۱۷ اسد الغابہ جلد ۳)

مگر ہائے رے شومی قسمت کہ امام حسینؑ کی مدد نہ کی اور شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے۔

(۱۲۰) خیثمہ ان کا نام عبد خیر تھا۔ سہل نے روایت کیا ہے کہ اُنکے والد نے عبد خیر سے کہا اے ابو عمارہ میں آپ کا جسم بہت توانا دیکھتا ہوں آپ کی عمر کس قدر ہے کہا کہ میری عمر اکسو بیس برس کی ہے۔ (صفحہ ۱۲۸)

مگر ہائے یہ بھی شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے نہ کسی طرح حضرتؑ کی مدد کی۔

(۱۲۱) دغفل نسابہ اس کو معاویہ نے یزید کے تعلیم کے لیئے مقرر کیا تھا یہ بھی صحابی ہے جس سے حسن بصری روایت کرتے ہیں ۶۰ھ میں اسکی وفات ہے (اصابہ صفحہ ۱۶۴)

مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۲۲) ذوالجوشن شمر کا باپ ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ابو اسحاق نے انسے نہیں سنا بلکہ اُنھوں نے ان کی حدیث اُن کے بیٹے شمر بن ذی الجوشن سے سُنی ہے۔ (صفحہ ۱۹۳)

بیچئے شمر قاتل امام حسینؑ اہلسنت کے یہاں راوی حدیث بھی ہے جس سے ابو اسحاق روایت کرتے ہیں۔

یقال انہ لم یسمع منہ وانما سمع من ولدہ عنہ - (ص۱۷۵ جلد ۲)

(۱۲۳) ذوالخویصرہ تمیمی ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے ذوالخویصرہ نے جو بنی تمیم سے ایک شخص تھے کہا یا رسول اللہ انصاف کیجئے حضرت صؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں نہ انصاف کروں گا تو کون انصاف کرے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اجازت دیجئے تو میں اس منافق کی گردن ماردوں حضرتؐ نے فرمایا نہیں اس شخص کے کچھ ساتھ والے ہیں جن کے نماز روزے کے سامنے تم اپنے نماز روزے کو حقیر سمجھو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکلجاتا ہے اسکے کانسے کیطرف دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملے گا اور اسکے پر دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملیگا اور اسکی ڈنڈی کو دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملے گا حالانکہ لید اور خون سے ہو کے آیا ہو یہ لوگ اسوقت ظاہر ہونگے جب لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو جائیگا انکی نشانی یہ ہے کہ انکے دو پستانوں میں ایک پستان عورت کے پستان کے مثل یا گوشت کے ٹکڑے کے مثل ہوگا وہ ہلتا ہوگا۔ ابوسعید کہتے تھے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا جب انھوں نے ان لوگوں سے قتال کیا مقتولین میں جستجو کی گئی تو ایک شخص اسی ہیئت کا نکلا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔

ابوسعید خدری سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تقسیم کر رہے تھے حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ وہ ہوازن کا مال غنیمت تھا اور حنین کا دن تھا کہ یکایک ذوالخویصرہ تمیمی آئے جن کا نام حرقوص بن زہیر تھا وہی خوارج کی بنیاد ڈالنے والے تھے انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ انصاف کیجئے حضرت صؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا اس کے بعد انھوں نے وہی واقعہ بیان کیا جو اوپر گذر چکا پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر ہے واللہ اعلم۔ حرقوص کے نام میں ان کے باقی حالات گذر چکے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص۱۹۱)

اس نام کو اگرچہ ہمارے رسالہ سے چنداں تعلق نہیں ہے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ حضرات اہلسنت نے ایسے منافق کو بھی صحابہ میں داخل کیا ہے حالانکہ خود لکھ رہے ہیں یہ خوارج کا موجد ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا تقسیم رسول اللہ پر اعتراض کرنے والا منافق ہے تو اب دیکھو یہ صفت اوروں میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں خود صحیح مسلم میں ہے۔ (ص۳۳۷ جلد اول)

عن سلمان بن ربیعہ قال عمر بن الخطاب قسم رسول اللہ قسمًا فقلت واللہ یا رسول اللہ لغیر ھولاء کان احق بہ منھم۔

یعنی سلمان بن ربیعہ راوی ہیں کہ عمر کہتے تھے ایک روز رسول اللہ نے کچھ تقسیم کیا تو ہم نے کہا یا رسول اللہ قسم خدا کی غیر لوگ اسکے زیادہ مستحق ہیں

اب فرمائیے اعتراض عمر اور اعتراض ذوالخویصرہ میں کیا فرق ہے کیونکہ ذوالخویصرہ یہ فرمائش کرتا ہے کہ انصاف

فرمائیے اس میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ آپ بے انصافی کرتے ہیں اگرچہ الزاماً یہ معنی پیدا ہوتے ہیں بخلاف اعتراض عمر کہ اس میں وہ بہ قسم کہتے ہیں کہ آپ نے بے انصافی کیا غیر لوگ زیادہ مستحق تھے فرمائیے کس کا نفاق زیادہ ہوا افسوس کہ حضرت عمر ایسے شخص کو تحفہ اثنا عشریہ فرمائش پر کہ عادل سمجھیے منافق کہتے ہیں اور اپنے متعلق خیال نہیں کرتے کہ ہمارا اعتراض تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اصابہ میں ہے:۔

انّ النبیؐ قال لایدخل النار احد شھد الحدیبیۃ الا واحد فکان ھو حرقوص بن زھیر۔ (صـ۲۳۵)

پیغمبر خدا نے فرمایا جو لوگ حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں کوئی شخص بھی جہنم میں نہ جائے گا سوا ایک شخص کے وہ شخص حرقوص بن زہیر تھا۔ (اصابہ جلد اول صـ۲۳۵)

چونکہ ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر تھا اسلیئے اس حدیث کو لکھ دیا کہ معلوم ہو بنص رسولؐ یہ شخص جہنمی ہے۔ ذوالخویصرہ کو داخل صحابہ کرنا یہ بھی مخصوصات سے اس کتاب اسد الغابہ کے ہے۔ چنانچہ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:۔

ذکرہ ابن الاثیر فی الصحابہؓ مستدرکا علی من قبلہ وعندی فی ذکرہ من الصحابہؓ وقفۃ (صـ۱۵۷ جلد ۲)

یعنی ابن اثیر نے اس کو صحابہ میں لکھا ہے جسکی غرض اعتراض ہو اپنے سابقین پر ہمارے نزدیک زمرۂ صحابہ میں اسکو ذکر کرنا قابل تأمل ہے۔

پھر بتائیے ابن اثیر کی غرض اس تذکرہ سے بجز اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ خوارج کو ہمسر اہلسنت بنائے کیونکہ جس طرح عمر صاحب صحابی ہو کر موجد مذہب اہلسنت ہوئے اسی طرح یہ صحابی بھی موجد مذہب خوارج ہوا شائد اسی سبب سے یہ نام استیعاب میں نہیں ملتا کیونکہ وہ تو کھلا ہوا منافق تھا۔

(۱۲۴) ذوالخویصرہ یمانی وہ ہے جس نے رسول اللہ کے حضور میں آکر مسجد رسول میں پیشاب کیا لوگوں نے کچھ سختی کرنا چاہا تو حضرتؐ نے فرمایا اس کو تعلیم دو۔

(۱۲۵) ذوالکلاع یہ زمانۂ رسول اللہؐ میں اسلام لائے تھے پھر شام کی طرف چلے گئے اور وہیں رہے جب زمانہ فتنہ آیا تو جنگ صفین کا سامان انھیں نے کیا یہ معاویہ کی طرف سے تھے جب یہ مارے گئے (معاویہ ان کے مقتول ہونے سے بہت خوش ہوا ان بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اپنے طرفدار صحابی کے مقتول ہونے سے معاویہ خوش ہوا) اس وجہ سے کہ ذوالکلاع کو جب یہ خبر ملی کہ نبیؐ نے عمار بن یاسر کے حق میں فرمایا ہے کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا اور عمار حضرت علیؑ کی طرف تھے تو انھوں نے حضرت معاویہ اور عمرو عاص سے کہا کہ ہم علی اور عمار سے کس طرح لڑ سکتے ہیں تو لوگوں نے یہ جواب دیا کہ حضرت عمار ہمارے ہی طرف آجائیں گے اور ہماری طرف سے

لڑیں گے مگر ذو الکلاع پہلے قتل ہوا اور اس کے بعد عمار شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ذو الکلاع نے حضرت معاویہ سے اس وجہ سے اختلاف کیا تھا کہ اُنکے نزدیک ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت علیؑ حضرت عثمان کے خون سے بالکل بری ہیں۔ (ص۱۹۹ اسد الغابہ)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معاویہ نے حدیث یقتلہ الفئۃ الباغیۃ کی صرف یہی تاویل نہیں کی تھی کہ ایکی شہادت کے باعث حضرت علیؑ ہوئے جو ہمراہ لائے تھے بلکہ یہ تاویل بھی کی تھی کہ عمار ہمارے طرف آجائیں گے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذو الکلاع پر ہر طرح حقیت جناب امیر ثابت ہو چکی تھی پھر بھی وہ باطل ہی پر مصر رہے اور اسی حالت میں قتل ہوئے پھر معاویہ کا اُنکی موت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ حق کا ظہور کچھ مخفی رہ گیا کس درجہ کی ایمانداری معاویہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

ہاں چونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ اس معاملہ میں حق ایک ہی طرف تھا اور نص صریح حق پر حضرت عمار تھے لہذا اس نص صریح کے ابطال کے لیئے یہ خواب بنایا گیا کہ عمر بن شرجیل نے یہ خواب دیکھا کہ ذو الکلاع اور حضرت عمار باغ کی روش پر کھڑے ہیں عمرو بن شرجیل نے پوچھا تو ذا الکلاع نے کہا ہم نے خدا کو بہت وسیع المغفرۃ پایا میں نے پوچھا کہ اہل نہروان یعنی خوارج کا کیا حال ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ وہ بڑے مصیبت میں ہیں۔ (ص۲۰۰)

مگر اس خواب کی موضوعیت اسی سے ظاہر ہے کہ خوارج کا واقعہ اس کے بعد ہوا ہے پھر اُس وقت اُن کا حال کیونکر پوچھا جا سکتا تھا ایک جواب پہلے ہی مذکور ہو چکا ہے۔

(۱۲۵) ذو الثدیہ افسوس کہ اسد الغابہ میں انکا تذکرہ نہیں ہے مگر اصابہ ج ۲ ص۱۱۴ میں پورا حال لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

انس سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا کے زمانہ میں ایک شخص تھا جسکی عبادت اور ریاضت پر ہمیں بڑا تعجب ہوا کرتا ہم نے اسکا نام لے کر رسول اللہ سے ذکر کیا مگر آپنے نہیں پہچانا پھر ہم نے اُسکے اوصاف ذکر کیئے تب بھی آپنے نہیں پہچانا ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ شخص سامنے آگیا ہم نے رسول اللہ سے کہا حضور! یہی وہ شخص ہے حضرت نے فرمایا تم لوگ ایسے شخص کا ذکر مجھ سے کر رہے ہو جسکے چہرے پر شیطانی علامات ہیں وہ شخص قریب آکر کھڑا ہو گیا اور کسی نے اس نے سلام نہیں کیا حضرت پیغمبر نے اُس شخص سے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں سچ بتانا کیا تو نے مجمع میں کھڑے ہو کر نہیں کہا تھا کہ لوگوں میں مجھ سے کوئی افضل یا بہتر نہیں اس نے کہا ہاں کہا تھا پھر وہ شخص وہاں سے چلا گیا اور جا کر نماز پڑھنے لگا پیغمبر نے فرمایا کون ہے جو جا کر اس شخص کو قتل کر ڈالے۔ ابوبکر نے کہا میں جاتا ہوں اُنھوں نے جا کر دیکھا کہ وہ شخص نماز پڑھ رہا ہے اُنھوں نے کہا سبحان اللہ کیا میں ایسے شخص کو قتل کروں جو نماز پڑھتا ہے حالانکہ رسول اللہ نماز گذاروں کے قتل سے ممانعت فرما چکے ہیں یہ کہہ کر واپس آئے رسول اللہ نے پوچھا کہو کیا کیا؟ ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ

وہ نماز میں مشغول تھا مجھے گوارا نہ ہوا کہ اُسے قتل کروں جبکہ آپ نماز پڑھنے والوں کے قتل سے ممانعت فرما چکے ہیں پیغمبر خدا نے پھر فرمایا کون ہے جو جا کر اسے قتل کر ڈالے عمر نے کہا میں جاتا ہوں یہ جب پہونچے تو دیکھا وہ سجدہ میں ہے انھوں نے سوچا کہ ابوبکر مجھ سے افضل ہیں جب انھوں نے قتل نہیں کیا تو میں کیسے قتل کروں یہ بھی واپس آئے رسول اللہ نے پوچھا کیا ہوا عمر نے کہا یا رسول اللہ میں نے اُسے دیکھا کہ سجدہ میں ہے مجھے اس کا قتل گوارا نہ ہوا رسول اللہ نے پھر فرمایا کون ہے جو اسے جا کر قتل کر آئے حضرت علیؑ نے کہا میں جاتا ہوں پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں بشرطیکہ تم اُسے پا بھی سکو علیؑ جب پہونچے تو دیکھا کہ وہ شخص جا چکا ہے رسول اللہ کے پاس واپس آئے پیغمبر نے پوچھا کیا ہوا علیؑ نے کہا یا رسول اللہ میں جب پہونچا تو وہ جا چکا تھا رسول اللہ نے فرمایا اگر آج یہ شخص قتل کر دیا جاتا تو میری امت کے دو آدمی بھی اختلاف نہ کرتے نہ اول میں نہ آخر میں۔

اس واقعہ کے راوی موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے محمد بن کعب کو کہتے سنا کہ ذی الثدیہ کو علیؑ نے قتل کیا۔ ابن حجر کہتے ہیں ذی الثدیہ کا یہ واقعہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے محمد بن قدامہ نے اپنی کتاب الخوارج میں ان تمام طریقوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔

اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جسے مسلم نے اپنے صحیح میں اور ابو داؤد نے اپنے سنن میں محمد ابن سیرین کے واسطہ سے انھوں نے عبیدہ سے اور انھوں نے حضرت علی سے نقل کیا:۔

حضرت علیؑ نے اہل نہروان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان میں ایک شخص ایسا ہے جس کے ایک ہی ہاتھ ہے اگر تم لوگ انکار نہ کرو تو ہم تمھیں بتا سکتے ہیں کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی زبانی اس شخص کے قتل کرنے والوں سے کیا وعدے کیے ہیں عبیدہ نے کہا کیا آپ نے خود سنا ہے فرمایا ہاں قسم ہے پروردگار کعبہ کی۔

راوی کا بیان ہے کہ:۔

جب حضرت علی اہل نہروان سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اس شخص کو تلاش کرو ان لوگوں نے جا کر ڈھونڈھا پھر آ کر کہا ہم نے اُسے نہیں پایا حضرتؑ نے تین مرتبہ انھیں بھیجا اور تینوں مرتبہ وہ لوگ واپس آئے حضرت علیؑ نے فرمایا قسم بخدا نہ ہم نے جھوٹ کہا نہ ہم سے جھوٹ کہا گیا آخر میں ان لوگوں نے سب لاشوں کے نیچے اُسے پایا جو کیچڑ میں دھنسا ہوا تھا راوی کہتا ہے ہم نے دیکھا وہ ایک حبشی ہے جس کا ایک ہاتھ مثل پستان کے ہے جس پر چند بال ہیں مثل دم یربوع کے۔

ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

ایسے واقعات کی تفصیل آپ کو تنقید بخاری حصہ دوم ص۱۲۵ لغایت ص۱۴۷ میں ملے گی جس سے معلوم ہوگا کہ ان صحابہ نے حضرت کے احکام کی کیسی تعمیل کی ہے کہ حضرت حکم صریح قتل کا دیتے ہیں اور ابوبکر و عمر دونوں آدمی اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور قتل نہیں کرتے۔ اور مانعین زکوٰۃ کو بے تامل قتل کر ڈالتے ہیں حالانکہ

وہ سب نماز گذار تھے۔

رافع بن خدیج۔ بڑے پایہ کے صحابی ہیں ایک تیر ان کے گلے پر لگا تھا جس کا زخم بزمانہ عبدالملک کھل گیا اور ۷۴ھ میں بعمر ۸۶ سال انھوں نے انتقال کیا ابن عمرؓ ان کے جنازہ میں گئے تھے لوگوں نے عصر کے بعد تک تاخیر کر دی تھی تو ابن عمر نے کہا اپنے صاحب پر نماز پڑھ لو قبل اسکے کہ آفتاب غروب کرے انکی اولاد مدینہ اور بغداد میں تھی زرد خضاب لگایا کرتے اور مونچھیں مُڑواتے تھے (صنہ ۲۱ اسد الغابہ ج ۳)

مگر افسوس شرکت معرکہ کربلا سے یہ بھی محروم ہی رہے حضرتؑ کی مدد نہ کی۔

ربیعہ بن انمار حضرت معاویہ کے زمانہ میں لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے فقیہ تھے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ نے فرمایا شریعت پر مستقیم رہو کیا اچھی بات ہے اگر تم مستقیم رہو اور وضو کی حفاظت کرو اور تمھارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے مرج راہط کے واقعہ میں مقتول ہوئے ۶۴ھ میں مروان بن حکم اور ضحاک بن قیس فہری کے درمیان سفیر تھے (صنہ ۲۳۶ اسد الغابہ)

کیا ایسے مقدس صحابہ پر امام حسینؑ کی امداد نہ لازم تھی جو صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے اور صحابہ انکو اپنا قاضی و مفتی مانتے۔ خاص شام میں رہتے تھے۔

ربیعہ بن کعب بن مالک۔ یہ اصحاب صُفّہ سے تھے رسول اللہ کے دروازے پر رہا کرتے تھے اور آپ کو وضو کے لئے پانی دیا کرتے تھے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں وفات پائی (صنہ ۲۲۸)

مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ اہل حجاز سے ہیں۔

(۱۲۹) رافع بن عمر وقیل هو رافع بن ابی رافع اصابہ میں ہے کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ابو بکر کے ساتھ تھے رافع کہتے ہیں کہ ابو بکر ہمکو اپنے فرش پر سُلاتے اور اپنا کپڑا اوڑھنے کو دیتے رافع نے ابو بکر سے کہا کچھ ایسی بات بتاؤ کہ ہم کو نفع دے ابو بکر نے کہا خدا کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو اور نماز پڑھو تصدق کرو اگر مال ہو اور دار کفر چھوڑ کر ہجرت کرو اور دو آدمیوں پر بھی حکومت نہ اختیار کرو۔ (صنہ ۱۸۸ ج ۲)

استیعاب میں ہے له خبر فی صحبة ابی بکر فی غزوة ذات السلاسل (صنہ ۱۸۶ ج ۱)

کہ اسکی ایک خبر ہے دربارۂ صحبت ابو بکر بمقام ذات السلاسل اس کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔

اسد الغابہ میں بھی ہے یہ واقعہ غزوۂ السلاسل میں شریک تھے اور اس میں حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ رہے اور ان کا قصہ مشہور ہے (صنہ ۲۱۶ ج ۳)

مگر افسوس اصل روایت کو کسی نے نہ لکھا کہ ابو بکر سے انسے وہ کونسی بات ہوئی جس کے تعلق کہا جاتا ہے کہ قصہ اُن کا مشہور ہے اب اسکی اصلیت کنز العمال ج ۳ صنہ ۱۳۵ میں ملاحظہ فرمائیے۔

رافع بن ابی رافع صحابی کا بیان ہے کہ جب ابو بکر کو لوگوں نے خلیفہ بنایا تو ہم نے کہا یہ تو ہمارا وہی صاحب ہے جو حکم دیتا تھا کہ کبھی دو آدمی پر بھی حکومت نہ کرنا اسی خیال سے ہم نے گھر سے سفر

سفر کیا اور وارد مدینہ ہوئے ابوبکر سے ملاقات کرکے کہا ہم کو پہچانتے ہو کہا ہاں تب ہم نے کہا یہ بھی تم کو یاد ہے کہ ہمکو نصیحت کیا کرتے تھے دو آدمی پر بھی حکومت نہ کرنا پھر کیا ہو گیا کہ تم سارے امت کے حاکم بن بیٹھے۔ ابوبکر نے کہا حضرتؐ نے انتقال کیا اور لوگ تازہ عہد تھے کفر کے ساتھ (حضرت کی نبوت کو ۲۳ سال گذر چکے تھے اس پر بھی تازہ عہد تھے) لہذا ہم کو یہ خوف ہوا کہ کہیں مرتد نہ ہوں اور اختلاف نہ پیدا ہو اس لئے ہم اس میں داخل ہوئے حالانکہ کارہ تھے اور ہمیشہ ہمارے اصحاب سمجھاتے رہے ابوبکر اسی قسم کا عذر بیان کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انکا عذر قبول کیا۔

ہم کو ابوبکر کے کلام سے غرض نہیں کیونکہ دول یورپ جو کل تک اسلامی ممالک کے دست بُرد میں عذر کر رہے تھے اور اُن کے وزراء جس قسم کی تقریریں کرتے تھے وہ سب کے پیش نظر ہیں پھر حضرت ابوبکر تو سب کے استاد تھے مگر کون کہے کہ تیئس برس تک حضرت نبوت فرما چکے تھے اس پر بھی سب مسلمان تازہ عہد بکفر ہیں تو آپ کون سے قدیم الاسلام ہیں آپ کے تازہ عہد بکفر ہونے کے متعلق تو وہی حدیث صحیح بخاری کافی ہے جس میں آن حضرت آپکی بیٹی عائشہ سے فرما رہے ہیں کہ اگر تیری قوم تازہ مسلمان نہ ہوتی جسمیں کسی مسلمان کو عذر نہیں ہو سکتا کہ ابوبکر اس میں ضرور داخل ہیں پھر حدیث ازالۃ الخفاء دیکھیئے کہ حضرتؐ نے بقسم شرعی فرمایا ابوبکر کے دل میں شرک کی چال چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے تو اُن کا یہ خلیفہ بننا زیادہ کفر کی علامت ہے یا خوف کرنا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے۔

جس رسول نے تیئس برس تک امت کی تعلیم کی اس کو تو اسکا خوف نہ ہوا کہ ہمارے بعد ہماری اُمت مرتد ہو جائیگی جس کے لئے آپ انتظام کر جاتے اور آپ کو خوف ہوا کہ خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ ہزار ہا روایات اہلسنت موجود ہیں جنمیں ذکر ہے کہ حضرتؐ نے اس کا اسی روز انتظام کیا تھا جس روز اپنی نبوت کا اعلان فرمایا پھر یہ کیسا مہمل عذر ہے کہ ہم نے لوگوں کے کہنے سے قبول کر لیا۔

ہماری غرض اس تذکرہ سے صرف اس قدر ہے کہ معلوم ہو جن علماء نے حالات صحابہ میں کتابیں لکھی ہیں اُنھوں نے کس درجہ بددیانتی سے کام لیا ہے۔

(۱۳۰) رافع مولی النبیؐ سعید بن عاص (بنی امیہ) کا ایک غلام تھا جس کو اُسکے اولاد نے (آزاد کیا مگر ایک شخص نے اپنا حصہ رسول اللہؐ کو ہبہ کیا اور حضرتؐ نے آزاد کر دیا اس وجہ سے وہ مولی (آزاد کردہ) رسول کہلاتا تھا شہ کے قریب عمرو بن سعید الاشدق جو اُسی سعید بن عاص کے خاندان سے تھا خلیفہ بنا (جو آخر کو بعہد عبد الملک مارا گیا) تو اُس نے رافع کو بلا کر پوچھا تو کس کا غلام ہے اُس نے کہا آزاد کردۂ رسول ہوں عمرو بن سعید نے سو کوڑے مارے پھر دوبارہ پوچھا تو اُس نے وہی جواب دیا پھر سو کوڑے مارے گئے سہ بارہ جب سوال کیا تو جواب دیا میں تیرا غلام ہوں۔ (اصابہ ج ۲ ص ۱۹۱)

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اُس نے بھی جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ ۲۰ × ۲۲ برس

تک اُس کے بعد زندہ رہا وہاں بنی امیہ کی اسلامی حالت بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ کی طرف بت بھی انکو ناگوار تھی اور پھر تقیہ کی اجازت معلوم ہوئی کہ مارے خوف کے اس نسبت کو چھوڑ دیا اور غلامی عمرو بن سعید اشدق کو قبول کیا۔

(۱۳۱) رافع مولیٰ عائشہ غلام حضرت عائشہ راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا عادی اللہ من عادی علیاً (صلا اصابہ) خدا اسکو دشمن رکھے جو جناب امیرؑ سے عداوت کرے۔

مگر افسوس اس نے بھی جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۱۳۲) رباح بن معترف۔ اس سے عبدالرحمان بن عوف نے فرمائش کی کچھ گاؤ تو اُسنے کہا عمر ہیں کہا جب وہ منع کریں تو چھوڑ دینا اُس نے گانا شروع کیا عمر نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا عبدالرحمان کی فرمائش ہے عمر نے اُن سے پوچھا تو کہا اس سے راہ کٹتی ہے عمر نے کہا اگر ایسا کرتے ہو تو ضرار بن خطاب کے اشعار گایا کرو۔ (صلا۱۵۳ اصابہ)

دیکھئے عبدالرحمان بن عوف کے خیال سے گانا حلال کردیا گیا اور اُس پر فرمائش بھی کی گئی۔

(۱۳۳) ربیع بن زیاد۔ یہ مخصوصین حضرت عمر سے تھے زیاد کی طرف سے حاکم خراسان تھے (صلا۱۹۵ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہے۔

(۱۳۴) ربیعہ بن عباد۔ یہ بھی بڑے پایہ کے صحابی ہیں ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک زندہ رہے۔ (صلا۲۰۱ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۳۵) ربیعہ جرشی۔ یہ بڑے بزرگ صحابی ہیں زمانہ معاویہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے ضحاک بن قیس کے ساتھ واقعہ مرج راہط میں مارے گئے۔ ۶۴ھ۔ (صلا۲۰۲ اصابہ)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اور ضحاک بن قیس کے ساتھ جان دی۔

(۱۳۶) ربیعہ بن کعب بن مالک۔ یہ اصحاب صُفّہ سے تھے حضرت کے در دولت پر حاضر رہا کرتے بعد وفات رسول اللہ مدینہ سے ایک منزل پر جاکر قیام کیا ۶۳ھ زمانہ حرہ تک زندہ رہے

مگر نصرت امام نہ کی (صلا۲۰۳ اصابہ)

(۱۳۷) ربیعہ بن یزید السلمی۔ بخاری نے اسکو صحابی لکھا ہے مگر ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

کان من الذواصب لیشتم علیاً قال ابوحاتم لا یروی عنه ولا کرامته ومن ذکرہ فی الصحابۃ فلم یصنع شیئاً انتھیٰ وقد استدرکه ابن فتحون و ابوعلی الغسانی وابن مسعود علی ابی عمر اعتماداً علی قول البخاری۔ (صلا۲۰۴)

نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے جس نے اسکو صحابہ میں لکھا ہے اُس نے بے کار کام کیا۔

مگر ابن فتحون ابو علی علی ابن سعود کلام عبد البر کو رد کرتے ہیں کیونکہ بخاری نے اُس کو صحابی لکھا ہے:۔

مگر حق یہ ہے کہ ابن عبد البر صاحب کا اس وجہ سے اعتراض کہ وہ ناصبی تھا جناب امیرؑ کو گالیاں دیا کرتا تھا خود تعجب خیز ہے کیونکہ صدہا صحابہ دشمن جناب امیرؑ تھے اور وہ صحابی کہے جاتے ہیں پھر ربیعہ نے کیا قصور کیا جو وہ صحابیت سے خارج کیا جاتا ہے

(۱۳۸) رخصہ بن خزیمہ انصاری بن خفاف یہ اور ان کے بیٹے اور پوتا سب صحابی ہیں اس پر ابن حجر لکھتے ہیں:۔

اس حساب سے موسیٰ بن عقبہ کا یہ قول کہ ایک خاندان میں چار آدمی کا صحابی ہونا مختص ہے خاندان ابوبکر سے رد ہو جاتا ہے۔ (اصابہ ص۲۰۵)

ہوا خواہان خلفا نے کیا کیا فضیلتیں خلفاء کے لئے گڑھی ہیں جس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک خاندان میں چار آدمی کا صحابی ہونا مخصوص ہے ابوبکر سے حالانکہ ابن حجر نے علاوہ رخصہ کے اور بھی دو تین خاندان کا نام لکھا ہے کہ وہ سب بھی صحابی تھے ابن اسامہ بن زید بن حارثہ دوسرے ابن سلمہ بن عمرو بن الاکوع۔

(۱۳۹) رفاعہ بن رافع۔ انصاری بہت اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں بدر۔ احد۔ خندق بیعت الرضوان اور تمام مشاہد میں رسول اللہ کے شریک تھے اسد الغابہ میں ہے ص۱۷۸ ج ۲

رفاعہ جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ کے ہمراہ تھے اور جنگ صفین میں بھی شعبی نے کہا ہے کہ جب طلحہ و زبیر بصرہ کی طرف گئے تو ام الفضل بنت حارث یعنی زوجہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؑ کو اُنکی خبر لکھ کے بھیجی حضرت علیؑ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے لوگوں نے عثمان پر حملہ کیا اور اُن کو قتل کر دیا اور انھوں نے مجھ سے بغیر جبر کے بیعت کی اور طلحہ و زبیر نے بھی بیعت کی اب وہ لشکر لے کے عراق کی طرف گئے پس حضرت علی مرتضیٰ سے مخاطب ہو کر) رفاعہ بن رافع زرقی نے کہا کہ جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اُٹھا لیا تو ہم سمجھے تھے کہ ہم لوگ (یعنی انصار) اس امر خلافت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ہم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور ہمارا مرتبہ دین میں بڑا تھا مگر تم نے (اے مہاجرین) کہا کہ ہم مہاجرا ولین ہیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دوست اور عزیز ہیں ہم تمھیں اللہ کی یاد دلاتے ہیں کہ تم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں ہم سے مزاحمت نہ کرو پس معاملہ خلافت ہم نے تمھارے لئے چھوڑ دیا اور تم اس سے خوب واقف ہو اور اسکی وجہ کچھ اور نہ تھی سوا اسکے کہ ہم نے دیکھا حق پر عمل ہو رہا ہے اور کتاب اللہ کی پیروی کیجاتی ہے اور سنت رسول قائم ہے تو ہم راضی ہو گئے اور ہمکو اسکے سوا اور کیا چاہیئے تھا اب ہم نے آپ سے

بیعت کی اور ہم نے رجوع نہیں کیا اب آپ سے اُن لوگوں نے مخالفت کی ہے جن سے آپ بہتر ہیں اور بہ نسبت اُن کے زیادہ پسندیدہ پس آپ ہیں اپنے حکم سے مطلع فرمائیے اسی اثنا میں حجاج بن غزیہ انصاری آئے اور انھوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس معاملہ کا تدارک اس سے پہلے کرنا چاہیئے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے میری جان کو کبھی چین نہ نصیب ہوا اگر میں موت کا خوف کروں لے گروہ انصار امیر المومنین کی بھی مدد کرو جس طرح تم نے رسول خدا صلعم کی مدد کی تھی واللہ آخر کو اول سے نسبت ہوتی ہے ہاں مگر اول بہت افضل تھے۔،، ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے۔

اس قصہ کو اسد الغابہ میں بہت اختصار سے اسی قدر لکھا ہے حالانکہ یہ بہت عظیم الشان قصہ ہے لہذا کتاب استیعاب سے لکھتے ہیں تاکہ ناظرین کو پورا فائدہ ہو ملاحظہ ہو۔ (ص ۱۸۲ ج ۱ مطبوعہ حیدر آباد دکن)

شعبی سے روایت ہے کہ:-

جب طلحہ و زبیر نے خروج کیا تو ام الفضل بنت حارث نے امیر المومنین کو اسکی اطلاع دی امیر المومنین نے فرمایا طلحہ و زبیر پر بڑی حیرت ہے جب حضرت رسالت آبؐ نے رحلت فرمائی تو ہم نے کہا کہ ہم حضرت ؑ کے گھر والے اور آپ کے وارث ہیں پیغمبر صؐ کی حکومت کے بارے میں ہم سے کوئی نزاع نہ کرے گا مگر ہماری قوم والوں نے ہماری مخالفت کی اور ہمارے غیر کو حاکم بنا لیا قسم بخدا اگر مسلمانوں میں پھوٹ پڑجانے کفر کے دوبارہ پلٹ آنے اور دین خدا کے مٹ جانے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً ہم اس منصوبہ کو اُلٹ دیتے مگر ہم نے سختیوں پر صبر کیا پھر خدا کا شکر ہم نے کوئی برائی نہیں دیکھی پھر لوگ عثمان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں قتل کر ڈالا اسکے بعد لوگوں نے میری بیعت کی کسی کو بھی ہم نے بیعت پر مجبور نہیں کیا طلحہ و زبیر نے بھی میری بیعت کی مگر بیعت کرکے ایک مہینہ بھی چین سے نہ بیٹھے کہ بیعت توڑ کر عراق چل کھڑے ہوئے خداوندا تو ان سے مواخذہ کرنا کہ انھوں نے مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالا۔

رفاع بن رافع زرقی نے عرض کیا جب حضرت رسول خدا نے دنیا سے انتقال کیا تو ہمیں خیال ہوا کہ ہم اس حکومت کے زیادہ سزاوار ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کی مدد کی تھی اور دین میں ہمارا مرتبہ بہت بڑا ہے تم لوگوں نے کہا کہ ہم مہاجرین اولین ہیں رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں ہم تمھیں خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ تم پیغمبر صؐ کی جانشینی کے لیے ہم سے نزاع نہ کرنا ہم نے حکومت کو تمھارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور نزاع ترک کردی ہم تو صرف اس قدر دیکھ رہے تھے کہ حق کے مطابق عمل ہو رہا ہے کتاب خدا کی پیروی کی جارہی ہے اور سنت رسول قائم ہے اسکے سوا ہمیں کچھ اور درکار نہ تھا یہی ہم چاہتے بھی تھے جب دیکھا کہ اب خاندان پرستی کی جانے لگی ہے تو ہم محض خوشنودی خدا کے لیے مخالف ہو گئے۔

(اشارہ ہے قتل عثمان کی طرف) پھر ہم نے آپ کی بیعت کی اور خدا کے فضل و کرم سے خسارہ میں نہیں رہے اب آپ کی مخالفت وہ لوگ کر رہے ہیں جن سے ہم آپ کو افضل جانتے ہیں اور پسندیدہ

سمجھتے ہیں لہذا جو حکم دیجئے ہم اسکی تعمیل کو حاضر ہیں۔

حجاج بن غزیہ انصاری آئے اور اُنھوں نے کہا امیرالمومنین قبل اسکے کہ موقع ہاتھ سے نکلے جلد خبر لیجئے!

اے گروہ انصار! تم امیرالمومنینؑ کی نصرت کرو آخر میں جیساکہ تم نے رسول کی نصرت کی تھی اول میں یہ نصرت پہلی نصرت کے مشابہ ہے مگر یہ کہ پہلی نصرت رسول اللہ کی افضل تھی۔

صالح بن کیسان شعبی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ امیرالمومنینؑ نے جنگ جمل کو روانہ ہوتے وقت تقریر فرماتے ہوئے کہا۔

"خدا نے جہاد کو مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور اُسکو اپنی نصرت اور جہاد کرنے والے کو اپنے ناصر کا خطاب دیا ہے دین و دنیا بغیر اس جہاد کے استوار نہیں ہو سکتی۔ ہم چار شخصوں میں مبتلا ہوئے ایک طلحہ جو بہت ہی چالاک اور سخاوت کرنے والے ہیں دوسرے زبیر جو شجاع ترین خلائق ہیں تیسرے عائشہ جن کی سب سے زیادہ اطاعت کیجاتی ہے چوتھے یعلےٰ ابن امیہ جو سب سے زیادہ فتنہ کی طرف دوڑنے والا ہے خدا کی قسم وہ نہ ہمارے کسی فعل پر ناراض ہوئے نہ ہم نے کوئی مال سمیٹا یا نہ اپنی خواہش سے کوئی کام کیا یہ لوگ مجھ سے وہ حق طلب کر رہے ہیں جسکو خود اُنھوں نے پورا نہیں کیا اور اُس خون کا قصاص لینا چاہتے ہیں جسے خود اُنھیں نے بہایا ہے اب اگر میں اس میں اُن کا شریک تھا تو پھر اس میں اُن کا بھی تو حصہ نکلتا ہے اور اگر وہی اسکے مرتکب ہوئے ہیں میں نہیں تو پھر اسکی سزا بھی صرف اُنھیں کو بھگتنا چاہیئے۔ خون عثمان کا جو کچھ الزام ہو اُنھیں پر ہے اور وہی فئہ باغیہ ہیں اُنھوں نے خود ہماری بیعت کی اور پھر بیعت توڑ ڈالی اُنھوں اتنا بھی صبر نہ کیا کہ دیکھتے ہم عدل کرتے ہیں یا جور۔ اور ہم راضی ہیں حجت خدا جو اُن پر تمام ہوئی اور علم خدا پر جو اُن کے بارے میں ہے ہم ان سب باتوں کے باوجود اُنھیں پھر بلاتے ہیں اور عذر خواہ ہیں اگر قبول کریں تو توبہ مقبول ہوتی ہے اور حق زیادہ سزاوار ہے بہ نسبت اسکے جسکی طرف وہ گئے ہیں اور وہ انکار کریں گے تو ہم بھی تلوار کی باڑھ کو اُنکے بدلے میں جاری کریں گے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔ قسم خدا کی طلحہ و زبیر اور عائشہ خوب جانتے ہیں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔" انتھیٰ۔ (ترجمہ استیعاب ج ۱ ص ۱۰۳)

اب استیعاب کی اس روایت کو دیکھئے اور اس روایت کو جو اسد الغابہ میں درج ہے تو معلوم ہو کس درجہ کتمان حق کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے تو اور بھی کمال کیا مطلقاً اس واقعہ کو لکھا ہی نہیں بلکہ صرف اتنا لکھا ہے۔

"ضرار ابن صرد نے اپنے اسناد سے عبداللہ بن ابی رافع سے روایت کی ہے کہ عبداللہ معرکہ صفین میں شریک ہوئے اور ابو عمرو صاحب استیعاب نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جنگ جمل میں بھی شریک ہوئے تھے ابن نافع کا بیان ہے کہ ان کا انتقال ۹۰ھ یا

فرمائیے یہ کس قسم کی دیانت داری ہے۔

(۱۳۹) **روح بن زنباع جذامی** ان کے صحابی ہونے میں اختلاف کیا گیا مگر امام مسلم
بن حجاج (امام مسلم) نے الاسماء والکنی میں لکھا ہے کہ ابو زرعہ یعنی روح ابن زنباع جذامی صحابی ہیں۔
یہ روح عبد الملک بن مروان بادشاہ شام کے یہاں بہت مقرب تھے عبد الملک کہتے تھے
کہ روح میں اہل شام کی عبادت اور اہل عراق کی عقلمندی اور اہل حجاز کی فقہ جمع ہے (اسد الغابہ ص۱۶۲ ج۲)
اصابہ میں ہے ومات سنة اربع وثمانین ص۲۱۷ کہ ۸۴ھ میں انکی وفات ہوئی۔
مگر افسوس نصرت امام حسین نہ کی بلکہ یہ مخالفین جناب امیر سے تھے کہ جنگ صفین میں معاویہ
کے ساتھ تھے۔

ہاں ایک واقعہ ان کا کتاب حیات الحیوان علامہ دمیری شافعی میں قابل دید ہے (ص۵۵ ج۱)
بخیال اختصار صرف ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

امام کسائی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ عباسی ہارون رشید کی خدمت میں حاضر
ہوا وہ اپنے ایوان خلافت میں بیٹھے تھے اور سامنے ان کے بہت سا مال پڑا ہوا تھا جس کو وہ
اپنے خدام اور ارکان سلطنت میں تقسیم کر رہے تھے ہارون رشید کے ہاتھ میں ایک چمکیلا درہم
تھا جس کی کتابت چمک رہی تھی اور بار بار بنظر غور و تامل دیکھ رہے تھے گویا کوئی خاص بات
اس کی باعث تھی۔

ہارون رشید کی عادت تھی کہ اکثر مجھ سے (امام کسائی سے) ادھر ادھر کی حکایتیں
بیان کیا کرتے پوچھا کہ جانتے ہو کس نے سب سے پہلے اس سکہ کو طلا و نقرہ میں جاری کیا۔
امام کسائیؒ۔ عبد الملک بن مروان نے اسکو جاری کیا۔
ہارون رشید۔ اس کا سبب کیا ہوا کیوں اسکی ایجاد ہوئی؟
امام کسائیؒ۔ مجھے تو اور کچھ نہیں معلوم صرف اس قدر جانتا ہوں کہ عبد الملک نے
جاری کیا۔
ہارون رشید۔ یہ فعل خالی از علت نہیں ہے اسکی ایک وجہ ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں
اصل یہ ہے کہ سابق زمانہ میں کاغذ جتنا ہوتا وہ سب رومیوں کے کارخانہ سے آتا تھا اور
اہل مصر چونکہ نصرانی تھے قیصر روم کے مذہب پر اس لیئے (طراز) مارکہ ان سب کاغذوں
کا اس عنوان سے ہوتا تھا ابن اب روح القدس عبد الملک کے خلافت تک یہی مارکہ رومی جاری
رہا چونکہ یہ مارکہ زبان رومی میں تھا اور طغرا میں اس لیئے کسی کو خبر نہ ہوئی نہ کسی نے اس کی

مترجم سے کہا اس کا عربی میں ترجمہ کرو اس نے بیان کیا کہ اقانیم ثلثہ۔ اب۔ ابن۔ روح کے نام کا مارکہ بنایا گیا ہے اس پر عبد الملک نے کہا یہ تو اسلامی قواعد کے بالکل خلاف ہے کہ اس قسم کا مارکہ مملکت اسلامی میں جاری ہو حالانکہ یہ کاغذ سب ممالک بعیدہ میں جاتے ہیں موقوف ہونا چاہیئے یہ مارکہ عیسائیوں کا صرف کاغذ ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ ظروف وغیرہ بھی جو مصر میں بنتے یا پردے وغیرہ بنائے جاتے یا کسی قسم کا کپڑا وہاں تیار ہوتا ان سب پر یہی مارکہ رہتا اور وہی تمام ممالک اسلامی میں رواج پاتا کیونکہ یہ کل صنعتیں رومیوں سے متعلق تھیں لہذا عبد الملک نے اپنے بھائی عبد العزیز بن مروان کے نام جو مصر کا منجانب عبد الملک گورنر تھا اس مضمون کا حکمنامہ بھیجا کہ اس عیسائی مارکہ کو موقوف کرے کاغذ یا پردہ یا اور جو کپڑہ وغیرہ وہاں تیار ہو ان سب سے یہ مارکہ موقوف کر دیا جائے اور اس حکم کی منادی کردو کہ جو اسکی مخالفت کرے گا وہ مستحق تعزیر ہوگا اور کاغذ کے کارخانہ داروں کو ہدایت کیجائے کہ وہ اس مضمون کا مارکہ تیار کریں شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو چنانچہ یہ مارکہ اس وقت سے آج تک تمامی ممالک اسلامی میں جاری ہے اس مضمون کے فرمان شاہی تمام ممالک مقبوضہ میں جاری ہوئے کہ جو کاغذ رومی نشان کے ملک میں جاری ہیں ان سب کو منسوخ کر کے نئے نشان کے کاغذوں کو رواج دیں اور جو مخالفت کرے گا وہ مستوجب تعزیر ہوگا۔

جب اس نئے نشان کے کاغذوں نے رواج پایا جس میں کلمہ توحید ثبت تھا تو اہل روم کو بھی اس واقعہ سے اطلاع ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ خبر قیصر روم کو بھی پہونچی جس سے وہ نہایت درجہ طیش میں آیا اور ایک دوستانہ خط بنام عبد الملک لکھا کہ تمھارے قبل جتنے خلفا گذرے ہیں ان سب نے اسی مارکہ کو جائز رکھا تھا نہ کسی نے کچھ اعتراض کیا نہ تبدیلی کا قصد کیا یہاں تک کہ تمھاری خلافت کا زمانہ آیا اب اسکا اقرار کرو کہ تم برسر خطا ہو اور خلفائے ماسبق سب برسر صواب تھے یا وہ سب خاطی تھے اور تم برسر صواب ہو ان دونوں باتوں سے ایک بات کا اقرار کرنا تم پر لازم ہوگا دیکھو میں تمھاری شان کے موافق تحفہ و ہدایا روانہ کرتا ہوں جس کے بابت میں مجھے امید ہے کہ تم قبول کروگے اور میری حاجت بر لاؤگے کہ پرانے مارکہ کے اجرا کی اجازت دو میں آپ کا شکرگذار ہوں گا۔

عبد الملک نے سفیر کو مع ہدایا واپس کیا اور خط کا کچھ جواب نہ لکھا تاکہ معلوم ہو یہ عرض قابل قبول نہیں۔

قیصر نے دوبارہ سفیر روانہ کیا اور تحفہ کے مقدار کو المضاعف دو تام کیا اور اس مضمون کا خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میرے ہدیہ کو کم مقدار سمجھا لہذا المضاعف کر کے اسی مطلب کا خواستگار ہوں۔

عبدالملک نے اس دفعہ بھی کچھ جواب نہ دیا اور سفیر کو مع تحائف واپس کیا۔
تب تیسری دفعہ قیصر نے یہ تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے میرے خط کا کوئی جواب نہ دیا اور میرا ہدیہ قبول کیا نہ میری حاجت براری کی، پہلے تو مجھے گمان تھا کہ تم نے مقدار ہدیہ کو کم تصور کیا ہے لہٰذا دوبارہ اسکی افزائش کی۔ اور پھر سہ بارہ میں نے اس کی مقدار بڑھائی۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ تم میری توہین چاہتے ہو نہ جواب خط دیتے ہو نہ میرے ہدایا کو قبول کرتے ہو اب میں مسیح کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے رومی سکہ کے رواج کا حکم نہ دیا۔ اور اپنے اس مارکہ توحید کو بند نہ کیا تو میں بھی درہم و دینار کے بارے میں حکم جاری کروں گا کہ تمھارے رسول اللہ پر گالیاں کھلے لفظوں میں نقش کئے جائیں جو تمھارے تمامی ملک میں رواج پائے گا۔ کیونکہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی ملک کا کوئی سکہ نہیں جو نقش ہمارے ملک میں سکون پیہم پاتا ہے وہی سکہ تمھارے ملک میں جاری رہتا ہے اس خط کو پڑھ کر اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو۔ اور میرا ہدیہ قبول کر کے بدستور سابق قدیم مارکہ کے رواج کا حکم دو جس سے ہماری اور آپکی محبت سابقہ بحال و قائم و برقرار ہے۔
قیصر روم کا یہ خط جس وقت پہونچا۔ عبدالملک پر اس نے ایسا گہرا اثر ڈالا کہ دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہوگئی کوئی بات نہیں بنتی تھی سوچتا ہے کہ میں کیسا شامت پیدا ہوا جس کے بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر علی العموم گالیاں رواج پائیں گی۔ اس عیسائی بادشاہ نے اگر اپنا قول پورا کیا تو ہمیشہ کو یہ الزام مجھ پر رہجائے گا جس کا کوئی دفعیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تمامی ممالک اسلامی کے معاملات انھیں درہم و دینار سے ہوتے ہیں جو ملک روم میں ڈھلتے ہیں اور ہم کوئی جواب اس کا نہیں رکھتے۔
عبدالملک کے اس تردد و انتشار نے یہاں تک ترقی کی کہ جتنے علماء و فضلاء و صحابہ و تابعین اہل اسلام سے وہاں موجود تھے سب کو جمع کیا اور اس بارے میں کمیٹی کی کہ کونسی تدبیر اختیار کی جائے جو یہ بلا دفع ہو اور پھر اپنی بات بھی رہ جائے؟
یہ معاملہ ایسا نہ تھا کہ معمولی عقل والے انسان اس کو طے کر لیتے۔ سب خاموش رہے۔ کچھ جواب نہ دے سکے۔ تب وزیر اعظم روح بن زنباع نے نہایت آزادی اور جرأت سے کہا کہ تو خوب جانتا ہے اس شخص کو جسکی بدولت اس مخمصہ سے نجات پا سکتا ہے مگر عمداً اسکو ترک کرتا ہے۔
"عبدالملک وائے ہو تجھ پر وہ کون شخص ہے"
روح بن زنباع تجھے لازم ہے کہ رجوع کرے حضرت امام محمد باقرؑ کی طرف جو اہلبیت نبیؐ سے ہیں کہ صرف انھیں سے یہ معما حل ہو سکتا ہے۔

عبدالملک! سچ کہا تو نے مگر میری رائے اُن کے بارے میں متزلزل ہے" (اس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے جانتا تھا مگر متامل تھا) اس کے بعد گورنر مدینہ کے نام خط لکھا کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو بہ تعظیم و احترام میرے پاس روانہ کرو اور اُن کے زادِ راہ و اخراجات کے لیئے ضروری سامان فراہم کرو۔ اور روانگی میں سختی نہ کرنا بلکہ بہ لاطفت و نرمی روانہ کرنا کہ جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لائیں۔

عبدالملک نے یہ خط مدینہ روانہ کیا اور سفیر قیصر روم کو اُس وقت تک اپنا مہمان رکھا کہ حضرت تشریف لائے۔ جب جناب امام محمد باقر علیہ السلام تشریف لائے، تو عبدالملک نے یہ سارا ماجرا عرض کیا۔ امامؑ نے فرمایا یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں تو اسقدر پریشان ہو کیونکہ اوّلاً خود خداوند عالم محافظ ہے جو قیصر روم کے ارادہ کو کبھی اس بارے میں کامیاب نہ ہونے دیگا کہ رسول اللہ پر سبّ و شتم جاری ہونے پائے۔

ثانیاً تو مجبور بھی نہیں ہے بخوبی اسکی تدبیر کر سکتا ہے۔

عبدالملک میں کیا کر سکتا ہوں۔؟

امام علیہ السلام! تو اسی وقت کاریگروں کو بلوا کر درہم و دینا کا اسلامی سکّہ ڈھلوا سکتا ہے ایک طرف کلمۂ توحید ثبت کرلے اور دوسری طرف اسم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اور اُس کے حلقہ میں نام شہر اور سنہ ضرب ثبت کراؤ کہ یہی اسلامی سکہ رواج پائے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اوزان اسکے بتائے کہ تین سکّے درہم کے اس وقت جاری ہیں ایک بغلی جو ۱۰ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ دوسرے سمری خفاف جو ۶ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ اور تیسرا ۵ مثقال کا دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوتے۔ اسکو ۳ پر تقسیم کیا تو حاصل تقسیم ۷ مثقال ہوا۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوائے اور اسی ۷ مثقال کی قیمت کے سونے کے دینار بنا جس کا خوردہ دس درہم ہو۔

سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں تھا اس لیئے فارسی ہی میں اس کا بھی نقش رہنے دیا اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں۔ کیونکہ اسی انداز کے سکّہ کی چلنساری تھی۔

اور ڈھالنے کا سکہ کانچ کا بنوایا تاکہ زیادتی و نقصان سے محفوظ رہے۔

امام علیہ السلام نے یہ سب تعلیم دیکر ارشاد فرمایا کہ اس اسلامی سکہ کو تمامی بلاد اسلامیہ میں جاری کردے اور اس مضمون کے فرمان کا اعلان کر کہ ہر شخص اس نئے سکہ کو استعمال کرے اور بصورت خلاف ورزی وہ مستحق سزا ہو گا کہ اس ذریعہ سے رومی سکّہ کا استعمال موقوف

ہو جائے گا اور یہی اسلامی سکہ ہر جگہ رواج پائے گا۔
عبد الملک نے جناب امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اسلامی سکہ بنوایا۔ اور ہر جگہ اس مضمون کا فرمان بھیجدیا کہ جو اس سکہ کے خلاف دوسرے سکہ کو مصرف میں لائیگا وہ واجب القتل ہوگا۔
تب سفیر قیصر روم کو رخصت دی اور وہی جواب جو امام علیہ السلام نے فرمایا تھا اس سفیر سے کہا کہ جا کر قیصر روم سے کہدینا کہ جس بات کی تو نے دھمکی دی ہے اس کو کر ڈالے کہ خدا کبھی نہ ہونے دیگا۔ میں نے بیتر سے سکہ کو اپنے ممالک مقبوضہ میں باطل کر دیا ہے اور اس مضمون کا فرمان جاری کیا ہے کہ جو شخص سکہ رومی کو یا رومی مارکہ کی اشیاء کو استعمال میں لائے گا وہ واجب القتل ہوگا قیصر روم کے پاس جب یہ جواب پہونچا تو وہ دم بخود ہو کر خاموش ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ جو دھمکی تو نے بادشاہ عرب کو دی تھی (دشنام دہی رسول اللہ کی) اب کیوں نہیں اسکا اجرا کرتا؟
تو قیصر نے جواب دیا کہ جس وقت میں نے دھمکی دی تھی اس وقت البتہ میں اس پر قادر تھا اب مجبور ہوں کیونکہ اہل اسلام اس سکہ سے لین دین نہ کرینگے۔ تو پھر اس قسم کے سکہ سے کیا نفع ہوگا۔ امام علیہ السلام نے جسکی خبر دی تھی کہ قیصر اس امر کی اشاعت پر قادر نہیں ہوگا اس کی تصدیق بخوبی ظاہر ہوئی۔ یہ حکایت بیان کر کے ہارون رشید نے وہ درہم جو ہاتھ میں لیے تھا پھینک دیا۔
افسوس کہ باوصف عرفان حق دنیا کی محبت ایسی غالب تھی کہ محبت خاندان رسالت کو چھوڑ کر یہ خلفائے بنی امیہ کے رازدار اور طرفدار تھے جس کا نتیجہ یہ ملا کہ ولید نے خود عبد الملک کے سامنے کہا یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ (ص ۲۶۲)
تو کیا ایسے ہی جھوٹے صحابی پر اہلسنت کو ناز ہے۔
(۱۳۹) ربیعہ بن زرارہ عتکی۔ یہ بصرہ میں رہتے تھے ایک سو بیس برس زندہ رہے زمانہ حجاج میں وفات ہے (صفحہ ۲۲ اصابہ جلد ۲)
مگر افسوس نصرت امام حسینؑ نہ کی۔
(۱۴۰) رفیع بن مہران ابو العالیہ۔ زمانہ رسول میں پیدا ہوئے اصحابی ہوئے) ابوبکر و عمر کے پیچھے آکر نماز پڑھا بہت بڑے تابعی ہیں (مداح اہلسنت میں اجل ہیں مگر امام شافعی ان کی روایت کو ریاح کہتے ہیں سنہ ۹۰ سنہ ۹۳ یا سنہ ۱۰۶ میں وفات ہے۔ (اصابہ صفحہ ۱۲)
مگر نصرت امام حسین میں انھوں نے بھی ایک قدم نہ بڑھایا۔
(۱۴۱) ربیعہ بن امیہ۔ بن خلف بن وہب قرشی ہے حجۃ الوداع میں شریک تھا۔ حضرت نے اس کو بھی ایک جگہ کی حکومت دی تھی اس نے خواب دیکھا تھا کہ ہم زمین شاداب سے نکل کر ایک غیر آباد

زمین میں چلے گئے ہیں جب ابوبکر سے بیان کیا اور کہا۔

ورایتک فی جامعۃ من حدید عند سریر الی الحشر۔ (ص۲۲۲ اصابہ)

اور میں نے آپ کو دیکھا کہ غل و زنجیر میں گرفتار ہیں حشر تک۔

جسکی ابوبکر نے یہ تعبیر دی کہ تو اسلام سے نکل کر کافر ہو جائے گا اور جس دین میں ہم ہیں یہ اشد الاشیا ہے حشر تک (مگر افسوس ایسی تعبیر دی جو خلاف واقع ہے کیونکہ یہ خواب خلافت کے متعلق تھا جسمیں وہ قیامت تک مبتلا رہے) مگر استیعاب میں ہو کہ یہ تعبیر عمر نے دی تھی۔

یہی ربیعہ بن امیہ ہے جو رات کو شراب پی رہا تھا تو عمر سیڑھی لگا کر اسکے مکان پر چڑھ گئے اور اُس نے جواب دیا کہ ہم نے اگر ایک خطا کی تو تو نے تین کہ سیڑھی لگا کر ہمارے گھر میں داخل ہوا اور تجسس کیا اور بغیر سلام داخل ہوا حالانکہ خدا نے منع کیا ہے۔

اسی ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا تھا جو حاملہ ہوئی اُس کے بعد عمر نے متعہ سے منع کیا۔

عمر نے ربیعہ بن امیہ پر حد شراب خمر نہیں جاری کیا بلکہ مدینہ سے نکلوا کر حکم دیا کہ خیبر میں رہا کرے وہاں سے نکل کر ہرقل شاہ روم کے پاس چلا گیا جسکے بعد عمر نے کہا اب میں کسی مجرم کو جلا وطن نہ کرونگا۔ (ص۲۲۲ اصابہ جلد۱)

(۱۴۲) رویشد ثقفی - صحابی ہیں ان کے مکان میں شراب کی بھٹی تھی جہاں شراب فروخت ہوا کرتی عمر نے اس مکان کو جلوا دیا کیونکہ اسی مکان میں یہ بھی رہتا تھا جو محلہ بنی عدی خاندان عمر تھا۔ (ص۲۱۴ اصابہ)

(۱۴۳) ربیعہ بن عبداللہ بن ہدیر بھی بقول ابن حبان صحابی ہے کان من خیار الناس تعریف میں کہا جاتا ہے خیار ناس سے تھا۔ مگر افسوس اس نے بھی امام حسین ع کی نصرت نہ کی ۹۳ھ میں وفات کی (ص۲۱۶ اصابہ جلد ۲)

(۱۴۴) ربعی بن خراش کو بعض لوگ تابعی جلیل لکھتے ہیں خیثمہ نے فضائل الصحابہ میں اُن کا ذکر لکھا ہے:-

قال العجلی تابعی ثقۃ من خیار الناس لم یکذب قط

بہت اچھا آدمی تھا کبھی جھوٹ نہ بولا۔

کوفہ میں رہتا تھا حضرت نے اسکے باپ کو خط لکھا اُس نے اُس خط کو چاک کر ڈالا اس سے معلوم ہوا کہ ربعی حضرت پیغمبر خدا کے زمانہ میں صاحب ہوش و حواس تھا ۱۰۱ھ میں وفات ہو۔ (اصابہ ص۱۰۱)

مگر نصرت امام حسین سے یہ دستکش رہا اور کسی طرح حضرت کی مدد نہ کی حالانکہ کوفہ میں رہتا تھا۔

(۱۴۵) ربیع بن محمود - ماردینی مدعی صحابیت تھا ۵۹۹ھ تک زندہ رہا۔ (ص۲۲۳ اصابہ)

حضرات اہلسنت کے صحابہ پرستی کی حد ہو گئی کہ جس شخص نے بھی دعوی صحابیت کیا وہ صحابی ہو گیا

ذہبی تو اس کو دجال کہتے ہیں مگر بہت سے علماء یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرتؐ کو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

(۱۴۶) رتن بن عبد اللہ ہندی۔ سات سو برس زندہ رہا سنہ وفات ۵۹۶ھ ہے اس میں بھی اختلاف ہے بہت سے لوگ تو منکر ہیں مگر علامہ صلاح صفدی بہت زور سے اسکا وجود ثابت کرتے ہیں

ولما اجتمعت بشیخنا مجد الدین الشیرازی شیخ اللغة بربید وھو اذ ذاک قاضی القضاة ببلاد الیمن رأیتہ ینکر علی الذھبی انکار وجود رتن (ص۱۳۲ اصابہ)

یعنی قاضی القضاۃ مجد الدین شیرازی بہت انکار کرتے تھے ذہبی پر جو منکر وجود رتن تھے مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت سے یہ بھی محروم رہا۔ ہاں چند حدیثیں اسکی یادگار رہ گئی ہیں جس میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

ما من عبد یبکی یوم اصیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامة مع اولی العزم من الرسل وقال البکاء فی یوم عاشورا نور تام یوم القیامة۔ (ص۲۲۶ اصابہ)

یعنی جو شخص مصیبت امام حسینؑ پر بروز عاشورا گریہ و بکا کرتا ہے وہ بروز قیامت پیغمبران اولو العزم کے ساتھ محشور ہوگا اور گریہ روز عاشورا نور تام ہے بروز قیامت۔

قال القشیری وھذا السند یتبرک والی لم یوثق لصحتہ۔ (ص۲۳۱ اصابہ)

یعنی روایات رتن کے نسبت امام قشیری کا حکم ہے کہ اس سند کے ساتھ تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔ اگرچہ سند صحیح نہ ہو۔

(۱۴۷) زبرقان بن اسلم۔ خاندان ذی لغوہ سے ہیں ابو وائل یعنی شقیق بن سلمہ نے روایت کی ہے کہ:۔

جب حضرت حسینؑ بن علی میدان کربلا میں جنگ کے لیئے باہر تشریف لائے تو آواز دی ھل من مبارز پس ایک شخص خاندان ذی لغوہ سے مقابلہ میں گئے جن کا نام زبرقان بن اسلم تھا۔ زبرقان بڑے جنگجو تھے انھوں نے پوچھا تو کون ہے؟ مخاطب نے کہا میں حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ زبرقان نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تم لوٹ جاؤ اس لیئے کہ خدا کی قسم میں نے ایک مرتبہ رسول خدا کو دیکھا آپ قبا کی طرف سے ایک سرخ اونٹنی پر سوار چلے آرہے تھے اور تم اونکے آگے بیٹھے ہوئے تھے پس میں نہیں چاہتا کہ رسول خدا سے اس حال میں ملوں کہ تمھارا خون میرے اوپر ہو پس حضرت حسینؑ بن علیؑ لوٹ گئے اور زبرقان بھی لوٹ آئے۔ (ص۲۶۵ اسد الغابہ)

اب کہاں ہیں وہ حضرات اہلسنت جو مدعی محبت اصحاب ہیں اہلبیت طاہرین کے ساتھ دیکھیں کہ یہ زبرقان صحابی ہے جو لشکر یزید میں امام حسینؑ سے لڑنے آیا ہے یہاں تک کہ حضرت سے لڑنے نکلا۔ مگر

وہ واقعہ یاد کر کے جنگ سے باز آیا۔ تو کیا اس پر یہ حق نہ تھا کہ حضرت پر اپنی جان نثار کرتا یا اہلبیت طاہرین کی کسی طرح مدد کرتا کیونکہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ضرور ہی گیا ہوگا۔
اصابہ میں اس واقعہ کو جنگ صفین کے متعلق لکھا ہے۔

(۱۴۸) **زبرقان بن بدر** بصرہ میں رہتے تھے زمانہ جاہلیت میں بھی سردار تھے اور زمانہ اسلام میں بھی باعظمت تھے بنی تمیم کے وفد کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے بہت کچھ جوائز و انعام بھی دیئے حضرت نے انکو ان کی قوم بنی عوف کے صدقات کا متولی کیا بعد وفات رسول اللہ ابوبکر کو صدقات دیتے تھے۔ عمر نے بھی انکو اپنے عہدہ پر قائم رکھا حطیئہ شاعر نے ان کی ہجو کی تو عمر نے تہ خانہ میں بند کیا۔ زبیر اور عبدالرحمان بن عوف کی سفارش پر رہا کیا۔
(اسد الغابہ صفحہ ۱۹۴ جلد ۲)

اصابہ میں ہے کہ زمانہ عبدالملک تک زندہ رہا اور پچیس گھوڑا دربار میں لایا اور سب کا نسبنامہ بیان کیا۔ (صفحہ جلد ۳)
مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دست بردار رہا حالانکہ بصرہ ہی میں رہتا تھا اور سردار تھا مگر طرفداران ابوبکر و عمر سے تھا پھر اس سے کیا امید ہو سکتی تھی

(۱۴۹) **زرارہ بن خیبری** صحابی ہیں ہشام کلبی نے روایت کی ہے کہ جب مروان کی بیعت ہو چکی (بعد موت یزید) تو ایک دن اس کا گذر زرارہ کی طرف ہوا وہ اُس زمانہ میں بہت بوڑھے ہو گئے تھے مروان نے ان سے حال پوچھا تو کہا بہت اچھا حال ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱)
مگر جناب امام حسینؑ کی آنکھوں نے بھی مدد نہ کی اصابہ میں ہے کہ بہت مالدار تھے عمر کو انہوں نے بتایا تھا کہ زوجہ کو شوہر کے دیت سے بھی حصہ ملنا چاہئیے۔

(۱۵۰) **زر بن حبیش اسدی**۔ زمانہ جاہلیت کو پایا تھا نبی کو دیکھا نہیں تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں حضرت عمر اور حضرت علیؑ اور ابن مسعود سے روایت کی ہے بڑے فاضل اور قرآن کے عالم تھے ۸۳ھ میں اُن کی وفات ہوئی جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔
(صفحہ ۲۷۷ جلد ۲ اسد الغابہ)

(۱۵۱) **زہرہ بن حویہ**۔ یہ بہت دنوں زندہ رہے شبیب ابن یزید خارجی نے اُن کو بازار حکمہ میں حجاج کے عہد میں قتل کیا ۷۷ھ۔
مگر افسوس نصرت حضرت امام حسینؑ سے یہ بھی محروم رہے حالانکہ بڑے بہادر تھے اہل فارس کی جنگ میں سعد کے آگے والے لشکر کے یہ سردار تھے۔ (صفحہ اسد الغابہ جلد ۲)

(۱۵۲) **زیاد بن سمیہ**۔ جس کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد نے جناب امام حسینؑ کو شہید کیا یہ بھی

صحابی ہے ملاحظہ ہو۔ (اسد الغابہ صـ۱۷ جلد ۴)

(۱۵۳) زید بن ارقم۔ یہ سب سے پہلے مقام مرسیع کے موقع پر شریک ہوئے کوفہ میں رہتے تھے اور مقام کندہ میں اُن کا گھر تھا اور یہیں ۶۸ھ ہجری میں انتقال ہوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صـ۲۲)

زید بن ارقم کی روایتوں سے کتب اہلسنت مالا مال ہیں عبد اللہ بن ابی سلول منافق نے جو کہا تھا کہ ہم مدینہ واپس گئے تو ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے جس کا تذکرہ سورۂ منافقون میں ہے تو جب آنحضرت نے یہ خبر سنی تو عبد اللہ بن ابی سلول نے انکار کر دیا خدا نے زید بن ارقم کی تصدیق نازل کی تو ابوبکر و عمر دوڑے کہ اس بشارت کے زید بن ارقم تک پہونچائیں ابوبکر دوڑ کر عمر کے پہلے پہونچ گئے تو عمر نے قسم کھا لیا اب کبھی ابوبکر پر سبقت نہ کریں گے۔ (استیعاب جلد اول صـ۱۹۲)

زید بن ارقم اُس وقت حاضر دربار تھے جب سر امام حسین ابن زیاد کے پاس آیا ہے اور یہ لپنے بالاخانہ پر تھے جبکہ حضرت کا سر مبارک بازار میں گشت کے لیئے جاتا تھا اور تلاوت کرتا قرآن کا سنا تھا مگر حضرتؑ کی نصرت نہ کی اڈیٹر النجم نے بھی اس کا اقرار کیا ہے اور کہا ہے اسکی وجہ سمجھانی چاہیئے مگر کوئی وجہ نہ بتا سکے کہ کیوں اُنھوں نے حضرت کی مدد نہ کی۔

(۱۵۴) زمل بن عمرو۔ ایک بُت سے آواز سُن کر خدمت رسول میں حاضر ہوا تو حضرتؐ نے فرمایا یہ مومن جن کی آواز ہے حضرتؐ نے اس کو اپنی قوم کا جھنڈا دیا اُس علم کے ساتھ معاویہ کا شریک ہوا جنگ صفین میں اسکو معاویہ نے اپنے شرطہ پر مقرر کیا اور یزید نے نہر کا افسر بنایا مرج راہط میں مروان کے ساتھ مارا گیا ۶۴ھ میں۔

(اصابہ جلد ۲ صـ۱۲، اسد الغابہ صـ۶ جلد ۴)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اس کی روایت اہلسنت کے یہاں موجود ہے۔

(۱۵۵) زہیر بن قیس۔ اسکی کنیت ابا شداد ہے مصر کی لڑائی میں شریک تھا عبد العزیز بن مروان جب حاکم مصر تھا تو عبد العزیز نے کچھ سخت کلامی کی تو زہیر نے جواب دیا گیا تو یہ کلام ایسے شخص سے کرتا ہے جس نے قرآن کو جمع کیا قبل اس کے کہ تیرے ماں باپ جمع ہوں ۷۶ھ ہجری میں بمقام برقہ مارے گئے۔ (صـ۱۱۷ اصابہ جلد ۳)

مگر ہائے افسوس اُنھوں نے بھی امام حسینؑ کی نصرت نہ کی محبت دنیا نے طرفدار بنی اُمیہ بنا دیا۔

(۱۵۶) زید بن خالد جہنی۔ بڑے صحابی ہیں۔ حدیبیہ میں شریک تھے اور فتح مکہ کے دن قبیلہ جہنیہ کا علم اُنکے ساتھ تھا خود صحابہ ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ قیام اُن کا مدینہ میں تھا ۷۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (صـ۱۳۲ اسد الغابہ جلد ۴)

(۱۵۷) زنیب بن شرملا۔ طبری نے صحابہ میں ذکر کیا ہے جب سعد نے مقام حلوان کو فتح

کیا تو ایک شخص نے آواز سنی قسم دیا تو وہ شخص نمایاں ہوا کہا میں حواری حضرت عیسیٰؑ سے ہوں۔

انّ عیسیٰ بن مریم دعا لہ بطول العمر وانہ یعیش الی ان ینزل عیسیٰ

ولہ طریق اخری۔ (صہ اصابہ جلد ۳)

یعنی حضرت عیسیٰؑ نے دعائے طول عمر دی ہے اور یہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو۔

اس حدیث پر تو حضرات اہلسنت ایمان لاتے ہیں مگر اس کو نہیں مانتے کہ حضرت مہدی موعود زندہ ہیں یا للعجب۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں اسکو لکھا ہے۔

(۱۵۸) زیاد بن قائد لخمی بھی صحابی ہے جنگ مصر میں شریک رہا ۶۵ھ تک زندہ رہا۔ (اصابہ ۲۴)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی بلکہ مروان کے ساتھ مصر میں رہا۔

(۱۵۹) زید بن وہب جہنی۔ بڑے بزرگ صحابی ہیں ان کی روایت تاریخ بخاری وغیرہ میں موجود ہے کوفہ میں رہتے تھے ۹۶ھ میں وفات ہے۔ (صہ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

(۱۶۰) زیاد بن جاریہ شیبہ بن ابی عاصم نے انکو بھی صحابہ میں لکھا ہے ایک روز یہ مسجد دمشق میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگوں نے نماز جمعہ کو اس درجہ موخر کر دیا کہ عصر کے وقت نماز جمعہ پڑھی گئی اس پر انھوں نے کہا محمد مصطفےٰ ص کے بعد تو کوئی نبی نہیں آیا پھر کس کے حکم سے اس قدر تاخیر کی جاتی ہے اس پر وہ گرفتار ہوئے اور قبہ خضرا میں قتل کیے گئے۔ یہ زمانہ ولید بن عبد الملک خلیفہ کا تھا۔ (صہ ۴۹ اصابہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت تک یہ زندہ رہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۶۱) سائب بن حباب۔ ان کی کنیت ابو مسلم ہے صاحب المقصورہ کے لقب سے مشہور تھے ۹۲ سال کی عمر میں ۷۷ھ وفات پائی۔ (اسد الغابہ صہ ۵۵)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اہلسنت کے یہاں انکی بھی روایت موجود ہے۔

(۱۶۲) سائب بن خلاد۔ یہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا کہ اپنے اصحاب کو بلند آواز سے لبیک کہنے کا حکم دوں۔ معاویہ نے اُن کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا ۹۱ھ میں وفات ہے۔ (صہ ۵۹ اسد الغابہ)

مگر امام حسینؑ کی کسی طرح مدد نہ کی۔

(۱۶۳) سائب بن یزید۔ اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت عمر کی طرف بازار مدینہ کے عامل تھے چند روایتوں کے راوی ہیں ۸۰ھ یا ۸۲ یا ۹۱ میں وفات ہے ۹۴ یا ۹۶ برس کی عمر میں (صہ ۹۵

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کی۔ حالانکہ خاص مدینہ میں رہتے تھے

(۱۶۴) **سرباتک ہندی**۔ اسحاق بن ابراہیم طوسی سے روایت ہے کہ اسکی عمر اس وقت ۹۷۰ برس کی تھی وہ کہتے تھے میں نے شاہ ہند سرباتک ہندی کو قنوج میں دیکھا میں نے پوچھا کہ تمھاری عمر کیا ہوگی اس نے جواب دیا ۹۲۵ برس کی وہ مسلمان تھا اور کہتا تھا نبیؐ نے اپنے دس صحابی بھیجے تھے ہم نے اسلام قبول کیا۔ (صـ۹۷) حضرات اہلسنت اس سرباتک کی اتنی طولانی عمر کا اقرار کرنے میں نہیں شرماتے مگر حضرت مہدیؑ کی طول عمر پر انکو تعجب ہوتا ہے۔

(۱۶۵) **سعد بن ایاس**۔ یہ اونٹ چرا رہے تھے کہ ایک آواز سنی تہامہ میں ایک نبی نکلے ہیں چالیس برس کے سن میں جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے ۹۵ھ میں ایک سو بیس برس کے ہو کر انتقال کیا کوفہ میں رہتے تھے ۹۶ھ۔

مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ خاص کوفہ میں رہتے تھے۔

(۱۶۶) **سعد قرظ**۔ مؤذن مرزمانہ حجاج تک زندہ رہے۔

مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔

(۱۶۷) **سعد بن عبادہ**۔ بڑے بزرگ صحابی ہیں ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا رسول اللہؐ کے واسطے لاتے تھے سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے بابت مشہور ہے کہ قریش نے رات کے وقت جبل ابوقبیس پر کسی پکارنے والے کو پکارتے سُنا ؂

فان یسلم السعدان یصبح محمد — بمکۃ لا یخشی خلاف مخالف

اگر دونوں سعد مسلمان ہو جائیں تو پھر محمدؐ کو مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت کا خوف نہ رہے۔

قریش کو گمان ہوا کہ دو سعد سے مراد سعد بن زید یا ہتیم اور سعد بن ہذیم قبیلہ قضاعہ کے مراد ہیں دوسرے روز یہ آواز سنی ؂

ایا سعد سعد الاوس کن انت ناصرا — ایا سعد سعد الخزرجین الغطارف

اجیبا الی داعی الحق وتمنیا — علی اللہ فی الفردوس منیۃ عارف

فان ثواب اللہ للطالب الھدی — جنان من الفردوس ذات زخارف

اے قبیلہ اوس کے سعد تو مددگار ہو اور اے قبیلہ خزرج کے سعد ہدایت کی طرف بلانے کو قبول کرو جب حضرت پیغمبرؐ کی وفات ہوئی تو آپ کو خلافت کی خواہش ہوئی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت لینے کے واسطے بیٹھے اتنے میں اُن کے پاس ابوبکر و عمر آئے اور لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی اور سعد کو چھوڑ دیا سعد نے نہ ابوبکر کی بیعت کی نہ عمر کی اور شام کی طرف چلے گئے اور مقام حوران میں اقامت کی یہاں تک کہ ۱۵ھ یا ۱۴ھ اور بروایتے ۱۱ھ میں انتقال کر گئے اس پر سب مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے نہانے کی جگہ پر مرے

ہوئے پائے گئے اُن کا بدن سبز ہو گیا تھا مدینے والوں کو اُنکی موت کی خبر ہوئی ابن عباس وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن سیکھ کر پھر اسکو بھلا دے وہ خدا سے کوڑھی ہو کر ملے گا اور جو شخص دس آدمیوں کا حاکم بنے وہ قیامت کے دن بندھا ہوا آئے گا حتی کہ عدل آکر اس کو چھوڑا دے۔

(ص۹۴ اسد الغابہ)

اگرچہ اس رسالہ سے اُنکو تعلق نہیں ہے۔ مگر اس غرض سے یہ نام لکھا کہ معلوم ہو ایسے ایسے صحابی بزرگ کو بھی طمع خلافت نے اسپر مجبور کیا کہ اسکی فکر میں تو پھر ابوبکر و عمر کے طمع خلافت پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے حالانکہ ان کا درجہ سعد بن عبادہ کے برابر بھی نہ تھا کہ روز حضرتؐ کے واسطے ثرید لایا کرتے اور ہاتف نے انکے نصرت کی شہادت دی کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو پھر حضرت کو ہر طرح کا غلبہ ہو یہ خود رسول اللہ سے حکومت کی مذمت روایت کرتے ہیں مگر پھر بھی طمع خلافت میں قدم بڑھاتے ہیں لطف تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بھی اسی طرح کی روایت کرتے ہیں جیسا کہ رافع بن ابی رافع کے حال میں مذکور ہوا مگر تحصیل خلافت کے وقت سب بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

(۱۶۸) **سعید بن حریث مخزومی قریشی**۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ کوفہ میں قیام کیا جنگ خراسان میں شریک تھے جو واقعہ کربلا کے بہت بعد کا واقعہ ہے کوفہ میں ان کی قبر ہے۔ (ص۲۱۱ اسد الغابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔

(۱۶۹) **سعید بن نمران ہمدانی**۔ حضرت علیؑ کے کاتب تھے حجر بن عدی کے ہمراہیوں سے تھے معاویہ نے انکو بھی قتل کرنا چاہا مگر حمزہ بن مالک کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے مصعب بن زبیر کو جب کوفہ پر تسلط ہوا تو اُن کو قاضی بنایا پھر معزول کرکے عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو قاضی مقرر کیا۔ (ص۲۲۲ اسد الغابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

(۱۷۰) **سلمہ بن اکوعؓ** اُن لوگوں سے ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے دو مرتبہ بیعت کی تھی مدینہ میں رہتے تھے پھر ربذہ چلے آئے بڑے شجاع تیر انداز تھے صلح حدیبیہ میں موت پر بیعت کی تھی ۷۴ھ میں بعمر اسی سال بمقام مدینہ انتقال کیا۔ (اسد الغابہ ص۳۳۱)

یہ مخصوصین حضرت عمر سے تھے۔ پھر کب ممکن تھا کہ یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے حالانکہ معرکہ کربلا کے بعد چودہ برس تک زندہ رہے۔

اس نام کے ساتھ سلمہ بن امیہ کا بھی ذکر ہے جو ان لوگوں سے ہیں جو ہمیشہ متعہ کو جائز جانتے اصابہ

قال ابن حزم فی المحلی ثبت علیٰ تحلیل المتعۃ بعد النبیؐ من الصحابۃ

ابن مسعود وابن عباس وجابر و سلمہ و معبد ابنا امیہ ابن خلف و

خرجک الخ ... (ص۱۳۱ جلد ۲)

یعنی ابن حزم لکھتے ہیں کہ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ جابر۔ سلمہ، مغیرہ پسران امیہ بن خلف سب اس کے قائل تھے کہ متعہ جائز ہے۔

(۱۷۱) **سلمہ بن ابی سلمہ** زمانہ عبد الملک تک زندہ رہے مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی۔ (صفحہ ۱۵۰ اسد الغابہ)

(۱۷۲) **سلیمان بن صرد خزاعی**۔ ان کا نام جاہلیت میں یسار تھا حضرت نے سلیمان نام رکھا یہ سردار اور برگزیدہ دین دار عابد تھے کوفہ میں پہلی مرتبہ جب مسلمان وہاں مقیم ہوئے انھوں نے بھی سکونت اختیار کی تھی یہ اپنی قوم میں صاحب مرتبہ و شرافت تھے۔ حضرت علی رضؑ کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے تھے انھوں نے حوشب ذوظلیم الہانی کو معرکہ صفین میں قتل کیا تھا اور یہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے حسین بن علی رضؑ کو معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ میں بلایا تھا اور جب وہ کوفہ میں آئے تو انکے ساتھ ہو کر نہ لڑے اور جب حسینؑ شہید ہو گئے تو یہ اور مسیّب بن نخبہ فزاری اور جن لوگوں نے مدد نہ کی اور لڑائی میں نہ شریک ہوئے تھے نادم ہوئے اور کہا ہماری توبہ نہیں ہو سکتی ہے مگر یہ کہ امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لیں اور ربیع الآخر کی چاندرات ۶۵ھ میں کوفہ سے نکلے اور سلیمان بن صرد کو اپنا سردار بنایا اور ان کا نام امیر التوابین رکھا اور عبید اللہ بن زیاد کی طرف چلے وہ شام سے بہت بڑا لشکر لئے ہوئے عراق کو جا رہا تھا دونوں لشکروں میں بمقام عین الوردہ جو جزیرہ کے سرزمین میں ایک چشمہ کا سرا ہے مقابلہ ہو گیا اور سلیمان بن صرد اور مسیّب بن نخبہ اور انکے ہمراہی بہت سے مقتول ہوئے اور سلیمان اور مسیّب کا سر مروان بن حکم کے پاس ملک شام میں گیا قتل کے وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی ان سے ابو اسحاق سبیعی اور عدی بن یاسر اور عبد اللہ بن یسار وغیرہم نے روایت کی ہے۔ عدی بن ثابت بن سلیمان صرد سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے آپس میں سخت کلامی کی اور ان میں سے ایک کا غصہ زیادہ بڑھ گیا نبیؐ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ اسکو کہہ لے تو غصہ فرو ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ان کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے۔ (صفحہ ۱۶۵ اسد الغابہ جلد ۲)

اب تو کسی کو اسمیں عذر نہیں ہو سکتا کہ امام حسینؑ کے دعوت دینے والے کوفہ میں اور حضرت کو بلانے والے ایک ایسے صحابی رسولؐ ہیں جو برگزیدہ دین دار اور عابد تھے اپنی قوم کے سردار و رئیس تھے اور حضرتؑ کو بلا کر خاموش بیٹھ رہے کسی طرح مدد نہ کی جس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی وجہ سے مجبور تھے پھر فرمایئے اس خون ناحق کا باعث کون ہوا؟

وہی صحابہ جن کی پرستش کو اہلسنت اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔

اڈیٹر النجم نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں **قاتلان** امام حسینؑ کو شیعہ کہا تھا جس کا جواب **قتلۃ الحسین** میں دیا گیا اگرچہ وہ ناتمام ہے۔ اب وہ خود غور کریں کہ انکی اس تحریر نے کیا بتایا کہ باعث قتل امام حسینؑ کون ہوا؟ صحابی یا شیعہ کیونکہ وہ کسی شیعہ کو صحابی کہہ نہیں سکتے:۔ اصابہ میں ہے:۔

ثم کان ممن کاتب الحسین ثم تخلف عنہ۔ (ص۱۲۷ جلد ۳)
یعنی انھوں نے جناب امام حسینؑ کو کوفہ میں بلایا پھر بیٹھ رہے اور مدد نہ کی۔

(۱۷۳) **سماک بن مخرمہ** یہ حضرت عمر کے پاس اہل کوفہ کے وفد میں خمس لے کر آئے تھے جب جناب امیرؑ کوفہ میں تشریف لائے تو یہ وہاں سے جزیرہ کی طرف چلے گئے۔ (ص۱۷۰ اسد الغابہ)
یہ انتہا درجہ کی عداوت ہے کہ کوفہ کی بود و باش کو بھی چھوڑ دیا۔

(۱۷۴) **سنان بن سلم** صحابی ہیں بڑے جواں مرد بہادر تھے جب عبداللہ بن سوار قتل ہوئے تو معاویہ نے زیاد کو لکھا ایسا آدمی تلاش کرو جو سرحد ہند کے لائق ہو زیاد نے انکو مقرر کیا آخری زمانۂ حجاج میں انکی وفات ہوئی۔ (ص۱۷۵ اسد الغابہ)
مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ انکی روایتیں بھی کتب اہلسنت میں موجود ہیں ان کی وفات ۵۳ھ مرقوم ہے۔

(۱۷۵) **سنان شفعلہ اوسی** یہ اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرت نے جبرئیل سے یہ روایت بیان کی کہ جب جناب سیدہ کا عقد ہوا تو خدا نے رضوان داروغہ بہشت کو حکم دیا کہ محبان اہلبیت کے عدد کے موافق پتوں کا حال ہو جائے درخت طوبی نے اس حکم کی تعمیل کی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالے فرشتوں کو انکے پتوں کے ساتھ اتاریگا اور محبان اہلبیتؑ سے ہر ایک کو ایک پتہ دیگا جس میں آگ سے بری ہونا لکھا ہوگا۔ (ص۱۷۶ اسد الغابہ)
افسوس کہ اہلسنت ایسی روایتیں دیکھتے ہیں مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۷۶) **سہل بن سعد ساعدی**۔ انھوں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا اور آپ سے حدیث کی سماعت کی تھی وفات رسول صؐ کے وقت یہ پندرہ برس کے تھے یہ بہت طویل العمر ہوئے زمانۂ حجاج کو انھوں نے پایا تھا۔ ۷۴ھ میں حجاج نے لکھا تم نے عثمان کی مدد کیوں نہ کی سہل نے لکھا ہم نے مدد کی تھی حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حکم دیا کہ ان کی گردن میں مہر لگادی جائے۔ اور انس بن مالک کی گردن میں بھی مہر لگائی گئی یہاں تک کہ عبدالملک کا حکم ان کے بارے میں حجاج کے پاس آگیا اور جابر بن عبداللہ کے بھی ہاتھ میں مہر لگائی گئی تھی مقصد اس مہر لگانے سے یہ تھا کہ ان لوگوں کو ذلیل کرے اور تاکہ لوگ ان سے دور رہیں اور ان لوگوں سے سماعت حدیث نہ کریں سہل ۸۸ھ میں ۹۶ برس کے ہو کر فوت ہوئے (ص۳۶۶ اسد الغابہ)
انکو حضرات اہلسنت کو اس میں عذر نہ ہوگا کہ صحابہ کو اہلبیت طاہرین سے کیسی عقیدت تھی کہ سب کچھ گوارا کرتے مگر خلفائے جور کا ساتھ نہ چھوڑتے۔

ہو سکتا ہے انھوں نے اکثر روایتوں میں اس نام کو سنا ہوگا کہ جب اہلبیت طاہرین قید ہو کر وارد دمشق ہوئے ہیں تو انھوں نے حضرات اہلبیت کے مصائب کو سنکر بہت گریہ و بکا کیا ہے مگر یہ نہ ہو سکا کہ امام حسینؑ پر اپنی

جان قربان کر دیتے اور اس ذلت سے نجات پاتے کہ حجاج اُن کے ہاتھ اور گردن پر مہر لگائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ اُسکا عمل تھا۔

(۱۷۷) **سہل بن قیس انصاری** - یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ واقعہ حرا میں نکلا اور اُنکے پتھر لگا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رسول خدا کو پریشان کیا ہم نے پوچھا یہ کیا بات ہے تو کہا حضرت نے فرمایا ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو پریشان کیا اُس نے میرے دل کو پریشان کیا۔ (ص۱۸۱ اسد الغابہ)

مگر افسوس ان دونوں باپ بیٹوں سے یہ نہ ہو سکا کہ امام حسینؑ کی مدد کرتے اور اُس وقت تک زندہ رہے جبکہ یہ واقعہ حرا پیش آیا جس میں ہزاروں صحابہ کی لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

(۱۷۸) **سوید بن غفلہ** - ان کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی کوفہ میں رہتے تھے ایک مرتبہ شیر شیر کا غل مچا سوید شیر کی طرف گئے اور اُسکے سر پر ایک وار کیا کہ تلوار پشت کی ہڈی کاٹتی ہوئی دُم سے نکل گئی۔ یہ سوید صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور حجاج کے زمانہ میں ۸۰ھ یا ۸۲ھ بمقام کوفہ انتقال کیا۔ (ص۱۰۲)

(۱۷۹) **سالم بن واقصہ اسدی** - طبری نے انکو بھی صحابی لکھا ہے زمانہ عثمان میں پورے جوان تھے زمانۂ ہشام بن عبد الملک تک زندہ رہے۔ (ص۵۶ اصابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسین سے یہ بھی دستکش رہے محمد بن مروان کیطرف سے یہ رقہ کے حاکم تھے۔

(۱۸۰) **سائب بن خلاد انصاری** - ۷۱ھ میں وفات ہے۔ (ص۶ اصابہ)

مگر نصرت امام حسین سے محروم رہے۔

(۱۸۱) **سخبر بن مالک** - یہ بھی صحابی ہیں عبد اللہ بن زبیر کے طرفداروں سے تھے جب اہل مصر اور مروان میں صلح ہوئی تو یہ وہاں موجود تھے۔ (اصابہ ص۶۷)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۱۸۲) **سعد بن مالک ابو سعید خدری** - بہت بڑے صحابی ہیں جنسے ہزاروں روایتیں کتب اہل سنت میں منقول ہیں حضرتؐ کے ساتھ بارہ غزووں میں شریک ہوئے۔

کان من افقه احداث الصحابة وقال الخطیب کان من افاضل الصحابة و حفظ حدیثاً کثیر۔

کم سن صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے اور افاضل صحابہ سے تھے اور بڑے حافظ حدیث۔

وفات ۷۴ھ میں ہے یا ۶۴ھ یا ۶۳ھ یا ۶۶ھ (اصابہ)

غور فرمائیے اگر ایسے صحابی شریک معرکہ کربلا ہوتے تو کب ممکن تھا مخالفین کو جرأت ہوتی یہ واقعہ حرا

سنہ ۶۳ھ میں ایک غار میں پوشیدہ ہوئے ایک شامی نے ان کو قتل کرنا چاہا یہ للکارے کہ اگر یہاں آیا تو قتل کیا جائے گا اس نے کہا کیا آپ ابو سعید خدری ہیں میرے لئے استغفار کیجئے جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہ شریک امام حسینؑ ہوتے تو کیا نتیجہ ہوتا کیونکہ شامی نے جب پہچان لیا تو وہ توبہ و استغفار کرنے لگا۔

آپ نے اکثر روایتوں میں سنا ہوگا کہ جناب امام حسینؑ نے جب اپنے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں تو کہا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو تو ابو سعید خدری اور جابر بن عبد اللہ سے پوچھ لو جس سے معلوم ہوا کہ مخالفین پر انکی عظمت ایسی ثابت تھی کہ بمقام استشہاد حضرت ان کا نام لیتے۔

(۱۸۳) **سعید بن شراحبل شبیب** .. خارجی کی جنگ میں جو حجاج سے ہوئی تھی یہ مارے گئے۔ (ص ۹۸ اصابہ)

(۱۸۴) **سفیان بن وہب خولانی** - یہ بھی صحابی ہیں جو افریقہ کی حکومت پر عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں فائز تھے وفات سنہ ۸۲ھ - (اصابہ ص ۱۰۱)

مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی۔

(۱۸۵) **سلمی بن نوفل** - یہ ابن الزبیر کی خلافت تک زندہ تھے دونوں سے کچھ معارضہ بھی ہوا مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی (ص ۱۲۲ اصابہ)

(۱۸۶) **سمرہ بن جنادہ** بقول امام خطیب یہ جنگ مدائن میں سعد بن ابی وقاص کے ساتھ تھے اور اُسکے بہن سے نکاح کیا ابن حبان ابن منجویہ کہتے ہیں کہ عہد عبد الملک میں بمقام کوفہ انتقال کیا مگر دوسری تحقیق پر ابن حجر لکھتے ہیں:۔

ومات سمرة قبل سنة ستين قال ابن عبد البر سقط فى قدر ة مملوة ماءً حاراً فكان ذالك تصديقاً لقول رسول الله له ولابى هريرة وابى محذورة اخركم موتا فى النار (ص ۱۳۱ اصابہ)

کہ سمرہ سنہ ۶۰ھ کے پہلے مرا ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ دیگ میں پانی گرم بھرا ہوا تھا اس میں یہ گر پڑا جس سے حضرتؐ کے اُس قول کی تصدیق ہوئی جو آپ نے ابو ہریرہ اور ابو محذورہ سے فرمایا تھا تم سے جو آخر میں مرے گا وہ آگ میں مرے گا۔

افسوس ہے کہ حضرات اہلسنت ہزاروں واقعات میں قول رسولؐ کی تصدیق دیکھتے ہیں مگر اس پر ایمان نہیں لاتے۔

(۱۸۷) **سندر مولی زنباع** - یہ بھی عبد الملک کے زمانہ تک زندہ رہا رسولؐ سے حدیث کا راوی بھی ہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (اصابہ ص ۱۲۲ جلد ۲)

(۱۸۸) **سیمونہ** مشہور سیاہ بلقادی ہے یہ پہلے نصرانی تھے خود عہد رسول میں بغرض تجارت

ساحضر مدینہ بھرے اسلام لائے اکیسو بیس برس تک زندہ رہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔ (ص۱۵۷ اصابہ)

(۱۸۹) **سائب بن ابی لبابہ**۔ حضرتؐ کے عہد میں پیدا ہوئے حضرت کو دیکھا بسند صحیح ان سے روایتیں بھی ماخوذ ہیں۔ مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی حالانکہ سنہ ۱۰۰ھ کے بعد وفات کی (ص۱۵۸ اصابہ)

(۱۹۰) **سائب بن ہشام قرشی**۔ مسلمہ بن مخلد کے قاضی تھے مصر میں واقعہ کربلا کے بہت دنوں بعد وفات ہے۔

(۱۹۱) **سعد بن زید انصاری**۔ آخر خلافت عبد الملک میں سنہ ۸۰ھ میں مرے۔

(۱۹۲) **سعد بن ابی العادیہ**۔ بھی اسی طرح عہد رسول میں پیدا ہوئے اور واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہے مگر نصرت امام سے محروم رہے۔

ہاں سلمہ بن طریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ بن فہم کے باپ صحابی ہیں اور خود انھوں نے حضرت کی زیارت کی ہے انکے بیٹے حبشہ بن قیس بن سلمہ بن طریف معرکہ کربلا میں حاضر تھے تو شہید ہوئے۔ (ص۱۵۹)

تو کاش اہلسنت انھیں کے خیال سے حضرت امام حسینؑ کے مصائب کو سنتے اور گریہ و بکا کرتے۔

(۱۹۳) **سعید بن عمران ہمدانی** بھی ان لوگوں سے ہیں جو اس عہد میں پیدا ہوئے اور سنہ ... تک زندہ رہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ مصعب بن زبیر نے انکو قاضی کوفہ مقرر کرنا چاہا مگر انکے بھائی نے منع کیا کہ وہ اصحاب جناب امیرؑ سے تھا لہذا قاضی نہ بنایا۔ (ص۱۶۶ اصابہ)

(۱۹۴) **سعد بن وہب خیولی**۔ بھی اسی قسم کے صحابی ہیں سنہ ۹۶ھ میں وفات ہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔ (ص۱۶۷)

(۱۹۵) **سلیم بن عنتر** سنہ ۷۵ھ میں مرے مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔ (ص۱۶۸)

(۱۹۶) **شداد بن الہادیہ**۔ اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے اور حسنین آپ کی پشت پر سوار تھے لوگوں نے عرض کیا آپنے ایک سجدہ اسقدر دراز کیا کہ ہمکو گمان ہوا کہ کوئی نئی بات پیدا ہو گئی یا آپ پر وحی آنے لگی آپنے جواب دیا یہ کچھ بھی نہ تھا بلکہ میرا لڑکا میری پشت پر سوار ہو گیا اس وجہ سے میں نے جلدی کرنے کو ناپسند کیا۔ (اسد الغابہ ص۲۱۱ جلد ۴)

مگر افسوس اس پر بھی حضرت امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ کوفہ میں ان کا گھر تھا۔

(۱۹۷) **شریح بن حارث**۔ قاضی انھوں نے زمانہ نبی پایا ہے مگر ملاقات میں اختلاف ہے زمانہ عمر سے یہ کوفہ کے قاضی تھے عہد عثمان اور جناب امیرؑ میں بھی قاضی رہے۔ (ص۲۱۷ اسد الغابہ) مگر جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ مضافات کوفہ میں قیام تھا۔

(۱۹۸) **شریح بن ہانی**۔ انھوں نے حضرت نبی کو پایا ہے اور آپنے انکو دعا دی ہے سنہ ۷۸ھ میں مارے گئے (ص۲۱۹ اسد الغابہ)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ مضافات کوفہ میں قیام تھا۔
(۱۹۹) **شیبہ بن عثمان**۔ جن کے خاندان میں ابتک خانہ کعبہ کی تولیت ہے اور باب الشیبہ سے حاجی لوگ داخل خانہ کعبہ ہوتے ہیں اُس نے چاہا تھا کہ حضرت کو ہلاک کرے کہ ایک برق نمایاں ہوئی جس سے نہایت مرعوب ہوا حضرتؐ نے اسکے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ اسلام لایا زمانہ یزید بن معاویہ تک زندہ رہا مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ خانہ کعبہ میں جناب امام حسینؑ پانچ مہینہ پناہ گزیں رہے اور خانہ کعبہ کی تولیت رسول اللہؐ نے ہمیشہ کیلئے اس خاندان کو عنایت فرمائی تھی۔ (صہ ۲۱۸ اصابہ)
(۲۰۰) **شبث بن ربعی**۔ یکے از قاتلان امام حسینؑ یہ بھی صحابی ہے اور حدیثوں کا راوی بھی ہے سجاح بنت منذر جو بعد حضرتؐ مدعی نبوت ہوئی اُس کا موذن بنا پھر توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوا جب جناب امیرؑ وارد کوفہ ہوئے تو یہ حضرتؑ کے اصحاب میں داخل ہوا پھر خوارج کا ساتھی ہو گیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل عثمان میں اعانت کی۔ پھر جناب امام حسین سے لڑنے یہ کربلا گیا اسکے بعد بھی زندہ رہا ۸۰ھ میں واصل جہنم ہوا (اصابہ صہ ۲۲۰)
اب کہاں ہیں وہ اہلسنت جو اسکے مدعی ہیں کہ کوئی صحابی قتل امام حسینؑ میں نہیں شریک ہوا وہ دیکھیں کیسے کیسے مقدس صحابہ اس جنگ میں نظر آتے ہیں کیونکہ یہ شبث بن ربعی کوئی معمولی شخص نہیں ہے امام محمد بن کعب قرظی اور سلیمان التیمی کے شیوخ سے ہے کہ بہت سی روایتیں اسکی کتب اہلسنت میں موجود ہیں
(۲۰۱) **شدید**۔ ابوبکر کا غلام ہے خدمت رسولؐ میں یہ بھی حاضر ہوا ہے قیس بن ابی حازم کہتے ہیں ہم نے عمر کو دیکھا اس طرح کہ اُن کے ہاتھ میں شاخ خرما کا ایک ڈنڈا تھا اور وہ لوگوں کو بیٹھا رہے تھے اور کہتے تھے خلیفہ رسولؐ کی وصیت سنو اتنے میں ابوبکر کا غلام شدید آیا اس نے فرمان ابوبکر کو سنایا کہ جس شخص کا نام اس کاغذ میں ہے سب اسکی اطاعت کریں کہ ہم کبھی خیر خواہی سے باز نہیں رہے اسکے بعد عمر منبر پر گئے۔ (اصابہ جلد ۳ صہ ۱۷۲)
یہ ہے ایمانداری حضرت عمر کہ رسول اللہؐ نے جب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو انھیں عمر نے ان الرجل لیھجر کا نعرہ بلند کیا۔ اور اپنے نام کا جو وصیت نامہ ابوبکر سے لکھوایا تو اس میں یہ اہتمام ہے کہ خود ڈنڈا لئے ساتھ میں صحابہ کو سنا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرمان خلیفہ سنو اور خلیفہ اول کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ صاف صاف کہیں ہم نے عمر کو خلیفہ کیا۔
(۲۰۲) **شریح بن ہانی بن یزید**۔ انھوں نے بھی حضرت کی زیارت کی ہے انکی روایتیں بھی صحیح مسلم میں موجود ہیں ایکسو دس برس کے سن میں وفات کی ۷۸ھ (صہ ۱۲۳ اصابہ)
مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کو انھوں نے بھی ضروری نہ سمجھا۔

(۲۰۳) شریک بن سلمان۔ یہ بھی صحابی ہیں عبداللہ بن زبیر کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا اور یزید بن معاویہ کی موت پر اسکا مرثیہ کہا۔ (ص۲۲۴)

پھر بھلا ایسا صحابی کب امداد جناب امام حسینؑ کر سکتا تھا۔

(۲۰۴) صُدی بن عجلان۔ مشہور ابو امامہ باہلی یہ صحابی ہیں آں حضرتؐ سے روایت بھی کرتے ہیں شام میں انھوں نے سکونت اختیار کی جناب امیر کے لشکر میں یہ بھی تھے ۸۶ھ میں وفات ہے۔ (ص۲۴۱ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔ اہل سنت انکے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے انکے بارہیں کہا انت منی وانا منک جس کی موضوعیت میں کسی کو شبہ نہیں ہے یہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمکو اپنی امت سے جھوٹ اور تعصب سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں۔

(۲۰۵) ضمرہ بن انس الرقبیس ایک سو بیس برس کے ہو کر مرے۔ (ص۲۴۲)

(۲۰۶) صفوان بن امیہ یہ بھی صحابی اور ہمراہیان عبداللہ بن زبیر سے ہیں انکے ساتھ یہ بھی قتل ہوئے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (ص۱۸۱ م)

(۲۰۷) صالح بن شریح۔ کوفی زمانہ عبدالملک ۸۰ھ تک زندہ رہے۔ مگر نصرت امام حسین علیہ السلام نہ کی۔ (ص۲۵۰ اصابہ)

(۲۰۸) صفوان بن محرز۔ ابن شاہین نے انکو صحابہ میں ذکر کیا ہے مگر تابعی ہونے میں توکسیکو عذر ہی نہیں (تابعی ثقہ وقال یحییٰ فضل ورع) ۷۴ھ میں وفات ہو۔ (اصابہ ص۱۴۶)

(۲۰۹) ضحاک بن قیس فہری یہ بھی صحابی ہے بعض لوگ بدری بھی کہتے ہیں موت معاویہ کے بعد بیعت یزید کے بھی متولی رہے یزید اور معاویہ پسر یزید کی وفات کے بعد خود مدعی خلافت ہوا جس کو عبیداللہ بن زیاد نے دھوکھا دیا آخر مروان سے اس سے لڑائی ہوئی اور ۶۴ھ میں مارا گیا۔ ص۲۶۸، اسد الغابہ ص۳۷ جلد ۵

پھر اس سے کب امید ہو سکتی ہے کہ یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتا۔

(۲۱۰) ضحاک بن عبدالرحمان اشعری۔ یہ بھی صحابی ہیں عمر بن عبدالعزیز نے انکو والی دمشق مقرر کیا ۱۰۵ھ میں وفات ہے۔ (ص۲۷۹ اصابہ)

(۲۱۱) ضرار بن ازور۔ صحابی ہیں " انھوں نے شراب پی تھی اور ان سے ابوعبیدہ نے پوچھا تم نے شراب کیوں پی تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ فھل انتم منتھون یعنی کیا تم شراب پینے سے باز آؤ گے۔ یہ کوئی تاکیدی حکم نہیں دیا گیا " ص۴۹ اسد الغابہ جلد ۵

یہ صحابی ہیں اور شراب کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں۔

(۲۱۲) طلحہ بن عبید اللہ مشہور طلحہ یکے از عشرہ مبشرہ کو بھی اس رسالہ سے تعلق نہیں کیونکہ وہ جنگ جمل میں مارے گئے مگر اسد الغابہ میں ان کے اسلام کی یہ وجہ لکھی ہے کہ ان کو ابوبکر صدیق نے اسلام کی ترغیب دی تھی اور وہی ان کو خدمت رسولؐ میں لے گئے۔ (صـ ۵۹)

مگر اصابہ میں ہے کہ یہ بازار بصریٰ میں گئے تھے وہاں ایک راہب نے ان سے پوچھا:۔

هل ظهر احمد قلت من احمد قال ابن عبد الله بن عبد المطلب هذا شهره الذى يخرج فيه وهو آخر الانبياء ومخرجه من الحرم ومهاجره الى نخل وحرة وسباخ فاياك ان تسبق اليه (صـ ۲۹۱ جلد ۳)

کہ کیا احمد ظاہر ہوئے طلحہ نے پوچھا کون احمد؟ کہا ابن عبد اللہ بن عبد المطلب یہی مہینہ اُن کے ظہور کا ہے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی سبقت لیجائے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ جب یہ اسلام لائے تو نوفل بن خویلد عدویہ نے ابوبکر اور طلحہ کو پکڑ کر ایک رسی میں باندھا اسی وجہ سے ابوبکر اور طلحہ کو قرینین کہتے ہیں اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے ان دونوں کو باندھا تھا وہ عثمان بن عبید اللہ تھا طلحہ کا بھائی۔ (صـ ۵۹ اسد الغابہ)

اب کہاں وہ بیان کہ ابوبکر کی قریش میں وہ عزت کہ سب ان کا احترام کرتے اور کہاں یہ بیان کہ ایک ادنیٰ کافر نے پکڑ کر دونوں کو رسی میں باندھ دیا۔

غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔ جنگ احد میں بڑا کام ان کا یہ تھا کہ حضرت نے چاہا پہاڑ پر چڑھ جائیں

فلما ذهب لينهض لم يستطع فجلس تحته طلحة فنهض حتى استوى عليها

(صـ ۲۹۲ اصابہ)

تو چونکہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے حضرت اوپر چڑھ نہ سکے طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے حضرت اُن کی پشت پر سوار ہو کر اوپر چڑھ گئے۔

ان کے ایمان کی یہ حالت تھی کہ جب اُن کا ہاتھ زخمی ہوا:۔

فقال صرصر فقال لو قلت بسم الله لرايت بناءك الذى بنى الله لك فى الجنة وانت فى الدنيا

تو انھوں نے کہا صرصر (معلوم ہوتا ہے قریش میں یہ رسم تھی کہ زخم کھا کر صرصر کہتے) تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تم بسم اللہ کہتے تو تم اُس بنا کو دیکھ لیتے جو خدا نے جنت میں بنایا ہے اور تم دنیا میں تھے کیا ایمان ہے کہ بسم اللہ نہ کہا اور کہا تو صرصر۔

وجہ قتل اسد الغابہ میں یوں (صـ ۶۱)

حضرت طلحہ جنگ جمل میں مارے گئے اس حال میں کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب سے قتال کر رہے

تھے رضی اللہ عنہما بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کو (علیحدہ) بلایا اور جس طرح حضرت زبیر سے گفتگو کی تھی اسی طرح ان سے بھی کی اپنی اسلامی خدمات کو یاد کر فرمایا جن کو سنکر حضرت طلحہ نے جنگ کا ارادہ فسخ کیا اور کسی صف میں جا کے بیٹھ رہے دفعۃً ایک تیر اُنکے پیر میں لگ گیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تیر اُنکے گلے میں لگا تھا غرض اسی تیر کے زخم سے) وفات پائی یہ تیر مروان بن حکم نے مارا تھا۔ عبد الرحمان بن مہدی نے حماد بن زید سے اُنھوں نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا حضرت طلحہ نے جنگ جمل کے دن یہ شعر پڑھا ؎

ندمت ندامۃ الکسعی لما — شریت رضیٰ بنی جرم برغمی

(اور اس شعر کے بعد کہا) یا اللہ عثمان کا عوض مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے یہ انھوں نے صرف اس سبب سے کہا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بہت سختی کیا کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو جب حضرت طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ کے (مخالفت اور اُنکے بصرہ) جانے کی خبر پہونچی تو فرمایا کہ اس وقت مجھے چار آدمیوں کے مخالفت کی خبر سنائی گئی ہے سب سے زیادہ باعزت سخی طلحہ ہیں اور سب سے زیادہ بہادر زبیر ہیں اور یہ لوگ سب سے زیادہ حضرت عائشہ کو مانتے ہیں اور سب سے زیادہ مالدار یعلیٰ بن منبہ ہیں (یہ چاروں میرے مخالف ہو گئے ہیں) مگر واللہ اُنھوں نے مجھ میں کوئی عیب نہیں نکالا نہ میں (ان کے نزدیک) مال دنیا کا حریص ہوں اور نہ ہوائے نفسانی کا متبع ہوں بلکہ وہ مجھ سے وہ حق طلب کرتے ہیں جس کو اُنھوں نے خود چھوڑ دیا اور اُس خون کا قصاص مانگتے ہیں جس کو انھوں نے خود گرایا بیشک اُنھوں نے خود اس کام کو کیا میں اُنکے ساتھ نہ تھا اگرچہ عثمان پر اعتراض کرنے میں میں بھی ان کا شریک تھا مگر قتل عثمان پر میں راضی نہ تھا قتل عثمان کا گناہ خود اُنھیں لوگوں پر ہے ان لوگوں نے مجھ سے بیعت کی اور بیعت کو فسخ کر دیا اور مجھ کو اچھی طرح جانچا بھی نہیں کہ ان کو میرا ظلم اور میرا عدل معلوم ہوتا اب میں خدا کی حجت پر جو اُنکے اوپر قائم ہے اور خدا کے علم پر جو ان کے متعلق اسے ہے قناعت کرتا ہوں اور میں باوجود ان سب باتوں کے اُنھیں بلاؤنگا اور اُن سے معذرت کرونگا اگر وہ قبول کریں تو بہتر ہے) تو یہ بھی قبول کر لیجاتی ہے پھر حق تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسکی طرف رجوع کیا جائے اور اگر یہ لوگ میرا عذر قبول نہ کرینگے تو پھر اُنھیں تلوار کی باڑھ (کا مزا چکھا) دونگا میری تلوار ہر باطل سے شفا دینے کو اور اُس پر فتح پانے کو کافی ہے۔ حضرت علیؑ سے یہ بھی روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ہم اور طلحہ اور عثمان اور زبیر ان لوگوں میں ہیں جنکے حق میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین

حضرت طلحہ کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ مروان بن حکم نے انھیں ایک تیر مارا جو اُن کے گھٹنے میں لگا زخم سے جو خون جاری ہوا تو یہ حالت ہوئی کہ جب لوگ زخم کا منہ بند کرتے تھے تو پیر پھول جاتا تھا اور جب چھوڑ دیتے تھے تو خون بہنے لگتا تھا تو حضرت طلحہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو یہ تیر خدا کا بھیجا ہوا

ہے چنانچہ اُسی زخم سے انتقال کیا مروان نے جب اُنکو زخمی کیا تو کہا اب میں آج کے بعد کسی سے اپنا انتقام نہ لوں گا اور حضرت عثمان کے فرزند سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا تو کام تمام کر دیا۔ حضرت طلحہ جانب کلا میں مدفون ہوئے واقعہ جمل ۱۰ جمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوا تھا اسوقت حضرت طلحہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں باسٹھ برس اور بعض لوگ کہتے ہیں چوسٹھ برس رنگ گندمی تھا بہت خوبصورت تھے (سر میں) بال بہت تھے بال نہ بہت پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے (بالوں کی) سپیدی کو خضاب سے متغیر نہ کرتے تھے رنگ سفید تھا مائل بسرخی میانہ قد سے کچھ کم تھے سینہ چوڑا تھا شانے چوڑے تھے جب کسی طرف دیکھتے تو پوری طرح دیکھتے (گوشۂ چشم سے دیکھنے کی عادت نہ تھی) پیر پر گوشت تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ترجمہ مولوی عبدالشکور)

ان حالات پر کسی حاشیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جناب امیرؑ سے لڑ رہے تھے عثمان کو قتل کر چکے تھے مگر اہل سنت ہیں کہ عثمان کے بھی عاشق اور اُنکے قاتل کے بھی عاشق اور دونوں کو جنتی جانتے ہیں اور نہ صرف خود بلکہ رسولؐ پر اسکی تہمت دھرتے ہیں کہ حضرتؐ نے انکو دو مرتبہ بہشتی کہا ہے۔

اڈیٹر النجم نے یہاں دو حاشیہ دیا ہے ایک طلحہ کے اس قول پر " یا اللہ عثمان کا عوض مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے " یہ انھوں نے صرف اس سبب سے کہا کہ وہ حضرت عثمان پر بہت سختی کرتے تھے " حاشیہ حسب ذیل ہے:۔

" حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اخیر خلافت میں بعض بعض صحابہ ان کے مخالف ہو گئے تھے اور اُن پر اعتراض کیا کرتے تھے یہ مخالفت و اعتراض ویسا نہ تھا جیسا کہ معاذ اللہ شیعوں کو ہے بلکہ جس طرح ایک معاصر نہایت نیک نیتی کے ساتھ کسی دوسرے معاصر کو نصیحت کرے اس مخالفت و اعتراض کی تمام تر وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان کی خلافت شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بعد علی الاتصال قائم ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو بشر تھے معصوم نہ تھے لیکن اگر حق تعالیٰ شیخین کے بعد کسی فرشتے ...... کو خلافت کے لئے آسمان سے بھیجدیتا حضرت جبریل علیہ السلام کو خلافت کے منصب پر مقرر فرماتا تو یقیناً شیخین کی خلافت کے بعد اس فرشتے کی خلافت بھی قابل اعتراض سمجھی جاتی یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب خیر اعلیٰ کے بعد ہم خیر ادنیٰ کو دیکھتے ہیں تو ہم کو بصورت شر معلوم ہوتا ہے روز روشن کے بعد جب شب ماہ آتی ہے تو ہمیں تاریک معلوم ہوتی ہے مگر جب ماہتاب بھی نظر سے غائب ہو جاتا ہے صرف ستاروں کی روشنی رہجاتی ہے اس وقت ہمیں شب ماہ کی قدر معلوم ہوتی ہے یہی حال بالکل اس زمانہ کا تھا جو لوگ عوام میں شمار کیے جاتے تھے ان کا تو ذکر ہی نہیں خواص کی یہ کیفیت تھی کہ ان میں بھی فیصدی دو چار ضرور ایسے تھے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی آفتاب جیسے روشن اور منور خلافت کے بعد جو حضرت عثمان کی ماہتاب جیسی نورانی خلافت میں آئے تو اُنکی عقلیں صحیح اندازہ کرنے سے قاصر ہو گئیں

اور اس بے مثال روشنی کو حضرت عثمان کی خلافت میں بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اُس روشنی کی کمی کو حضرت عثمان کی سوء تدبیری پر محمول کر کے اُن پر معترض ہوتے تھے اور بعض لوگ نہایت سخت الفاظ میں اُن کو نصیحت کرتے تھے مگر بعد حضرت عثمان کے سب کو قدر دعافیت معلوم ہو گئی اور جو لوگ اُنسے مخالفت کرتے تھے بہت پچھتائے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی اُنھیں لوگوں میں تھے۔" (ص)

اقول۔ افسوس یہ ایسی تحریر ہے کہ اگر اسکے ہر فقرہ کا جواب دیا جائے تو بہت طول ہو مگر مختصر یہ ہے کہ صحابہ کی مخالفت عثمان ہرگز ویسی نہ تھی جیسی شیعوں کو مخالفت شیخین سے ہے کیونکہ مخالفت شیعہ صرف اسی قدر ہے کہ وہ بوجہ نفاق وظلم بر حق اہلبیت طاہرین اُنسے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں برخلاف صحابہ کہ وہ عثمان کو منافق اور خارج از اسلام جانتے تھے بلکہ واجب القتل یہاں تک کہ آخر قتل ہی کر ڈالا اگر اسکا نام نیک نیتی اور ایک معاصر کا دوسرے کو نصیحت کرنا ہے تو لعنت کرنا ہزار درجہ اس سے بہتر ہو اب ذرا تواریخ پڑھیئے تو معلوم ہو صحابہ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور یہ اپنی ضد اور ہٹ سے نہیں باز آئے تب جا کر کیا جو کیا۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے:۔

وذکروا انہ اجتمع ناس من اصحاب النبی فکتبوا کتابا ذکروا فیہ ما خالف عثمان من سنۃ رسول اللہ سنۃ صاحبیہ وما کان فیہ من ھبۃ خمس افریقیۃ لمروان وفیہ حق اللہ ورسولہ ومنہم ذو القربی والیتامی والمساکین وما کان تطاولہ فی البنیان حتی عد واسبع دور بناھا بالمدینۃ۔ (ص)

یعنی بہت سے صحابہ جمع ہوئے اور ایک محضر تیار کیا جس میں ان باتوں کو لکھا جن میں عثمان نے سنت رسولؐ کی مخالفت کی تھی اور سیرت شیخین کی اور جو کچھ عثمان نے خمس افریقیہ مروان کو ہبہ کیا تھا حالانکہ اسمیں حق خدا و رسولؐ وسہم ذوی القربی ویتامی ومساکین تھا جو اُنھوں نے عمارات عالیہ بنوائے مدینہ میں جسمیں سات عمارت کا ذکر کیا تھا۔

اب فرمائیے بعض صحابہ مخالف ہو گئے تھے یا اکثر صحابہ اجتمع ناس من اصحاب النبی دیکھئے انکا اعتراض کیا تھا؟ ما خالف من سنۃ رسول اللہ کیا اس کا نام اعتراض ہے۔ کیونکہ سنت رسولؐ کا مخالف تو مسلمان نہیں کہلاتا۔ کیا اس سے زیادہ کسی شیعہ کا اعتراض ہوتا ہے کہ شیخین نے خدا اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔

آپ خلافت شیخین کی تعریف کرتے ہیں مگر افسوس رسول اللہ تو اسکو شر فرماتے ہیں صحیح بخاری میں ہے۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اور صحابہ تو حضرت سے خیر کی باتیں پوچھا کرتے اور ہم شر کی باتیں اس خوف سے کہ ہمکو اس کا سابقہ پڑے اسلیئے حضرت سے عرض کیا یا حضرت ہم لوگ پہلے جاہلیت و شر میں تھے یہاں تک کہ خدا اس خیر کو لایا۔ تو کیا اسکے بعد شر ہوگا۔ حضرت نے فرمایا ہاں ہم نے کہا پھر اس شر کے بعد بھی خیر ہوگا

حضرتؐ نے فرمایا ہاں مگر اسمیں کچھ کدورت ہوگی ہم نے عرض کیا وہ کیا ہے حضرتؐ نے فرمایا لوگ ہماری ہدایت کے خلاف چلیں گے کہ بعض لوگ انکے نیک رفتار ہونگے بعض بدکردار ہم نے عرض کیا اسکے بعد پھر شر ہوگا حضرتؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ ہونگے جو بلانے والے ہوں گے ابواب جہنم پر جو انکی اجابت کرے گا اسکو جہنم میں ڈالیں گے۔ میں نے عرض کیا حضرتؐ انکے اوصاف بیان فرمایئے۔ فرمایا ظاہر تو ان کا ہمارے دین پر ہوگا اور ہماری زبان سے کلام کریں گے۔ میں نے کہا پھر ہمکو کیا حکم ہے فرمایا کہ جماعت مسلمین اور انکے امام کی پیروی کرو میں نے کہا اگر مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام نہ ہو تو آپ نے فرمایا ان سب فرقوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤ اگرچہ تجھے بیخ درخت دانتوں سے کاٹنا پڑے اور تجھے موت آجائے اس حالت پر (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible])

کیوں صاحب رسول اللہ تو اپنے زمانہ کے بعد والے زمانہ کو شر کہیں اور آپ اسکو ایسا زمانہ خیر بتاتے ہیں کہ اگر فرشتے بھی آتے تو شیخین کی خلافت کے بعد اس فرشتے کی خلافت بھی قابل اعتراض سمجھی جاتی" تو اس کا کیا جواب ہے کہ رسول اللہ اسکو شر فرمائیں اور آپ خیر زیادہ تفصیل کا شوق ہو تو تنقید بخاری حصہ سوم صفحہ [illegible] ملاحظہ ہو۔

اگر آپ عشق شیخین میں بیخود و سرشار نہ ہوتے تو سمجھتے اسلامی دنیا میں جو کچھ فساد ہوا۔ اسلام پر جس قسم کا اعتراض ہوا وہ صرف شیخین کی خلافت سے۔ سب صحابہ کے موجد آپ کے خلیفہ دوم ہوئے۔ توہین اہلبیت طاہرینؑ کے موجد آپکے شیخین ہوئے۔ قرآن کے ضایع و برباد ہونے کے موجد آپ کے شیخین ہوئے خانہ کعبہ میں ترمیم و تنسیخ یا تبدیل و تغیر جو کچھ ہوا وہ آپکے شیخین کی بدولت۔ نماز و روزہ کے احکام میں جو تغیر ہوا وہ شیخین کی بدولت پس اگر یہی مراد ہے کہ بعد شیخین اگر فرشتہ بھی خلیفہ ہوتا تو قابل اعتراض سمجھا جاتا۔ تو درست ہے کیونکہ وہ ضرور اصلاح کرتا۔ اور عثمان نے تو اس قدر ان تغیرات پر اضافہ کیا کہ تواریخ شاہد ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ بعد حضرت عثمان کے سب کو قدر و عافیت معلوم ہوگئی کیونکہ اس کی تخصیص عثمان ہی سے نہیں بلکہ معاویہ کے بعد یزید کا زمانہ آیا تو معاویہ کی قدر معلوم ہونے لگی یزید کے بعد عبدالملک آیا تو یزید کی قدر و عافیت معلوم ہونے لگی مگر کیا اس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انکے افعال و اعمال قابل ستائش تھے۔

آپ کو قرآن و حدیث پر نظر کر کے دیکھنا چاہیئے کہ ابوبکر یا عمر یا عثمان کا فعل اسکے مطابق تھا یا مخالف، اگر موافق تھا تو مدح کیجیے ورنہ قابل نفرین قرار دیجیے۔ دیکھیے سیرت شیخین ایسی قابل نفرت تھی کہ جناب امیرؑ نے خلافت ایسی چیز سے انکار کر دیا کیونکہ اس میں شرط کی گئی تھی کہ سیرت شیخین پر عمل کرنا ہوگا۔ اور عثمان نے شرط عمل سیرت شیخین کو قبول کر کے خلافت حاصل کیا مگر وہ سیرت ایسی قابل نفرت تھی کہ اسکو لائق عمل نہ سمجھا پھر کیونکر آپ اس خلافت کی تعریف کر رہے ہیں۔

جناب امیرؑ نے جو یہ فرمایا تھا "وہ مجھ سے اس حق کو طلب کرتے جسکو میں نے خود چھوڑ دیا

تھا اس پر بھی ایک حاشیہ دیا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

"مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے باعث یہ لوگ خود ہوئے اور اب مجھ سے قصاص طلب کرتے ہیں ان حضرات کو باعث قتل کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کے علم میں ان حضرات نے کوئی ایسی بات کی ہوگی جس سے حضرت عثمان کے قاتلین کا حوصلہ بڑھا یا درحقیقت ان حضرات کی وجہ سے انکی نادانستگی میں قاتلین حضرت کو کچھ تائید ملگئی ہو ان حضرات کو حضرت عثمان پر معترض دیکھ کر قاتلین حضرت عثمان یہ سمجھتے ہوں کہ اگر ہم حضرت عثمان کو قتل کردینگے تو ان نامور صحابہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا اور یہ حضرات ہماری حمایت کرکے ہمیں قصاص سے بچالیں گے بہر حال اس عبارت کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان کو خود ان لوگوں نے شہید کیا یا وہ انکی مرضی یا حکم سے شہید کیے گئے۔ یا فی الحقیقت ان حضرات کی وجہ سے قاتلان حضرت عثمان کو کوئی تائید بھی نہ ملی ہو بلکہ کسی غلط فہمی کے باعث حضرت علی مرتضیٰ کو اُن کی طرف ایسا خیال ہوا جس طرح حضرت علی مرتضیٰ کی طرف حضرت معاویہ کو یہ خیال تھا"

اقول اگر کلام جناب امیرؑ اس وجہ سے کہ وہ حضرت کا کلام صداقت التیام ہے محل شک ہے تو کلام مروان میں تو آپ کو شک نہ ہوگا جو طلحہ کو قتل کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے "اب آج کے بعد کسی سے اپنا انتقام نہ لوں گا اور حضرت عثمان کے فرزند سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا کام تمام کردیا کیونکہ جو کچھ مروان کہہ رہا ہے وہی تو جناب امیرؑ نے بھی فرمایا تھا "اس خون کا قصاص مانگتے ہیں جس کو انھوں نے خود گرایا تھا"

اسی پر آپنے یہ حاشیہ دیا تھا تو کیا اب بھی آپ کو تصدیق کلام جناب امیرؑ میں عذر ہو سکتا ہے اگر کلام جناب امیرؑ میں شک ہے تو اپنے سعد بن ابی وقاص کا خط دیکھئے جو عمرو عاص کو لکھتے ہیں:۔

"پس تو جو قتل عثمان کو پوچھتا ہے تو عثمان اُس تلوار سے مارے گئے جس کو کھینچا تھا عائشہ نے اور صیقل کیا تھا طلحہ نے اور زہر آلود کیا تھا جناب امیرؑ نے اور زبیر نے سکوت کیا مگر ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم سب نے ہاتھ کھینچ لیا اور اگر چاہتے تو اس کو دفع کرتے لیکن عثمان نے بدل دیا شریعت کو اور خود بھی بدل گئے اچھا بھی کیا برا بھی اگر ہم لوگوں کا یہ کام اچھا تھا تو خیر اچھا تھا اور اگر برا تھا تو خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ اور ہم تجھے خبر دیتے ہیں کہ زبیر تو اپنے اہل وعیال کی رائے کے سبب سے مغلوب ہیں اور طلحہ اس قدر امارت وحکومت کے حریص ہیں کہ اگر انکو یہ معلوم ہو اپنا پیٹ چاک کرنے سے یہ مطلب حاصل ہوگا تو اسکو بھی چاک کر ڈالے۔" (کتاب الامامة والسیاسة صـ۳۸)

تو کیا اب بھی تصدیق کلام جناب امیرؑ میں شک ہو سکتا ہے جو آپ یہ سب توجیہیں نکال رہے ہیں کیونکہ سعد تو صاف صاف تمامی مہاجرین صحابہ کو شریک قتل عثمان کہہ رہے ہیں۔ عائشہ نے تلوار کھینچی۔

طلحہ نے صیقل کیا زبیر نے سکوت کیا مگر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ تمامی مہاجرین نے سکوت کیا اور اگر چاہتے تو مدد کرتے مگر چونکہ عثمان نے سب باتوں میں تغیر کر دیا تھا اس وجہ سے سب ساکت رہے۔

رہا یہ جملہ کہ جناب امیرؑ نے اس تلوار کو زہر میں بجھایا تو غالباً اس بنیاد پر ہو کہ حضرتؑ کی حقیقت نے ہم قائل کا اثر کیا کیونکہ حضرت کی حقیقت ایسی واضح تھی کہ اُن تمام ظالمین کو باوصف ظلم وجور عذاب میں گرایا۔

آیئے ذرہ پھر حالت بیعت جناب امیرؑ ملاحظہ فرمایئے اُسی کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے:۔

صبح کو جب سب مسجد میں جمع ہوئے تو ندامت و افسوس ہونے لگا اور سب نے طلحہ و زبیر پر قتل عثمان کا الزام لگایا اور کہا کہ تم دونوں شریک تھے قتل عثمان میں لہٰذا اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ (ص۳۶)

پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب النجم نے کیونکر ایسی جرأت کی جو رد کلام جناب امیرؑ پر آمادہ ہوئے اب ہم مختصر طور پر فیصلہ حضرت عمر سناتے ہیں جو اصحاب شوریٰ کے بہ نسبت انھوں نے بوقت رحلت فرمایا تھا۔

اے سعد ہم اس وجہ سے تم کو نہیں خلیفہ کرتے کہ تم میں شدت اور غلظت ہے اس کے سوا تم سپاہی آدمی ہو۔ اے عبد الرحمان ہم اس وجہ سے تمکو خلیفہ نہیں بناتے کہ تم اس امت کے فرعون ہو اور اے زبیر تم حالت رضا میں مومن ہو اور حالت غضب میں کافر۔ طلحہ میں حد سے زیادہ کبر و نخوت ہے۔ اگر خلافت کو پائے تو اس کی انگوٹھی اپنی زوجہ کے ہاتھ میں دے دے۔ اے عثمان تم میں خاندانی عصبیت بہت ہو اور اپنے اقارب کے دلدادہ ہو۔ اے علی تمھارے بارے میں یہ عذر ہے کہ تم کو خلافت کی حرص ہے (حقدار کے مطالبہ کو حرص کہنا انھیں کا کام ہے) ورنہ تم سے بڑھ کر کوئی اس کا مستحق نہ تھا کہ اگر خلافت پاؤ تو سب کو حق مبین اور صراط مستقیم پر لیچلو۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۲۴)

کیا اسکے بعد بھی اڈیٹر صاحب طلحہ کی طرفداری میں یہ جوش وخروش دکھائیں گے جبکہ حضرت عمر کا فیصلہ اُن کے سامنے موجود ہے رہا جناب امیرؑ کے بارے میں عمر کا فیصلہ کہ آپ بڑے حریص ہیں تو یہ وہی لفظ ہے جو خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کے حق میں فرمایا:۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۵ سورۂ برات)

تمھارے پاس ایک پیغمبر آئے ہیں اُن کو تمھاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بڑے حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

مگر افسوس یہی حرص ان کے نزدیک مانع خلافت ہے حالانکہ حضرت کی حرص بعض اُن

غرض سے تھی کہ رسولؐ نے آپ کو خلیفہ و جانشین کیا تھا بغیر آپ کی خلافت اور جانشین رسول ہونے کے اسلام باقی نہیں رہ سکتا تھا ورنہ کون ہے دنیا میں جو جناب امیر پر یہ الزام لگائے کہ آپ بغرض دنیا اس خلافت کے خواہاں تھے۔

(۲۱۷) **عامر بن عامر اشعری۔** یہ اپنے والد کے ہمراہ حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ نے حکم دیا تھا ان کے لئے اذن طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے زمانۂ خلافت عبد الملک تک زندہ رہے اسی عہد میں وفات ہے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کی نصرت نہ کی۔ (اسد الغابہ ص۱۱۱ جلد۵)

(۲۱۸) **عامر بن عبد القیس۔** بڑے عابد و زاہد صحابی تھے ان کی شکایتیں حضرت عثمان کو پہونچائی گئیں کہ نہ یہ گوشت کھاتے ہیں نہ کسی عورت سے نکاح کرتے ہیں اور خلفاء سابقین پر اعتراض کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں نہیں حاضر ہوتے ہیں۔ عثمان نے ان شکایتوں کو سنکر حکم دیا کہ ملک شام چلے جائیں۔ (ص۱۱۵)

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیخین بہ اتفاق صحابہ خلیفہ ہوئے حالانکہ ایسے ایسے صحابہ ان پر اعتراض کرتے ہیں۔

عثمان نے جو سزا ان کی تجویز کی وہ بھی دلیل ہے ان کی عظمت کی۔ کیونکہ حضرت ابوذر کے ساتھ بھی عثمان نے یہی برتاؤ کیا تھا کہ معاویہ کے پاس ملک شام میں روانہ کیا یہی سزا ان کے لئے بھی تجویز کی گئی۔

(۲۱۹) **عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قریشی جمحی۔** مصعب زبیری کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھے یزید بن معاویہ کی موت کے بعد حاکم کوفہ بنائے گئے انھوں نے اپنے خطبہ میں کہا ہر ایک قوم کے لئے کچھ پینے کی چیزیں ہوتی ہیں کچھ لذت کی لہذا تم بھی ایسی چیزیں اختیار کرو جو حلال ہوں اور اُن کے استعمال پر تمہاری مدح کیجائے اور تم اپنی شراب (یعنی نبیذ) کی تیزی کو پانی ملاکر توڑ دو ایک شاعر نے اس کے متعلق یہ شعر کہے تھے ؎

من ذا یحرم ماء المزن خالطه — فی قعر خابیة ما غرالناقید
انی لاکره تشدید الرواة لنا — فیها و یعجبنی قول ابن مسعود

کون شخص ہے جو اس پانی کو حرام کہے جس کے ساتھ مٹکے کے اندر آب انگور ملا ہو۔ بیشک میں راویوں کے سختی کو بُرا جانتا ہوں اور مجھے ابن مسعود کا قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب کو حلال کہتے ہیں بہت لوگوں کا گمان ہے کہ اس شاعر نے ابن مسعود سے اُن ابن مسعود کو مراد لیا ہے جو نبیؐ کے صحابی تھے۔

حالانکہ یہ غلط ہے معاذ اللہ ابن مسعود حلت شراب کے قائل کیونکر ہوسکتے تھے جب ابن زبیر خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے عامر کو کوفہ میں اپنی جگہ بحال رکھا۔ تین مہینہ کے بعد اُن کو ابن زبیر نے معزول کردیا تھا اور اُن کی جگہ عبد اللہ بن یزید خطمی کو عامل بنادیا تھا۔ (جلد ۵ اسد الغابہ صفحہ ۱۲۸)

اس رسالہ سے اس مضمون کو اس وجہ سے تعلق ہے کہ یہ صحابی ہے اس نے نصرت امام نہیں کی حالانکہ کوفہ ہی میں رہتا تھا اور بعد یزید وہاں کا عامل مقرر ہوا پھر ابن الزبیر کا عامل بنا آخر معزول ہوا۔

اڈیٹر النجم نے ایک تو عبارت شعر میں غلطی کی کہ عناقید کی جگہ ما غراناقیل لکھا۔ دوسرے یہ کہ ابن مسعود کی مراد لینے سے انکار کیا اور یہ نہ بتایا کہ یہ کون سے ابن مسعود مراد ہیں۔ حالانکہ اصابہ میں ہے وانما عنٰی ھذا الیمنی شاعر نے خود اسی عامر کو مراد لیا۔ حالانکہ مطلب ایک ہی ہے کیونکہ یہ بھی تو صحابی ہے لہذا بہر طور معلوم ہوا کہ صحابہ سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو شراب کو حلال جانتے اور عامر کا قول واکسروا اشرابکم بالماء تو صاف ہے کہ اپنے شراب کی تیزی کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ چنانچہ آجکل بھی رائج ہے کہ شراب کے ساتھ برف ملا لیتے ہیں۔

(۲۲۰) **عامر بن واثلہ ابو الطفیل** ان کی پیدائش غزوۂ احد کے سال میں ہوئی تھی حضرت کے انتقال وقت ۸ برس کے تھے پہلے کوفہ میں رہتے تھے پھر مکہ چلے آئے۔ ابو الطفیل حضرت علیؑ کے اُن صحابہ میں تھے جو اُن سے نہایت درجہ محبت رکھتے تھے چنانچہ اُن کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے ثقہ تھے اور امانتدار تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر کی فضیلت کے معترف تھے مگر بات یہ تھی کہ حضرتؑ کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۰ ہجری میں ہوئی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سنہ ۱۱۰ ہجری میں ہوئی انکی وفات رسول خدا کے دیکھنے والوں میں سب سے پیچھے ہوئی۔ (ص۱۴۶ اسد الغابہ جلد ۵)

اسد الغابہ کی اس عبارت پر کہ ابو الطفیل حضرت کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ اڈیٹر صاحب یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں۔

میرے خیال میں کسی راوی کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بروایات صحیحہ جن کا قدر مشترک متواتر کو پہونچ گیا ہے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ شیخین رضؓ کے افضل الاصحاب ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع تھا کبرائے روافض بھی اس امر کے معترف ہیں کہ جمہور سلف شیخین کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اور شیخین کے علاوہ اور سب کی انتہائی معراج اسیں سمجھتے تھے کہ شیخین کی اتباع کریں۔"

اقول استیعاب ابن عبد البر مکی میں ہے:۔

کان یعترف بفضل الشیخین الا انہ کان یقدم علیاً (ص۶۶۵ جلد ۲)

اصابہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنہ یقدم علیاً۔ (ص۱۱۵ جلد ۴)

کہ ابو طفیل اگرچہ معترف فضل ابوبکر و عمر تھے مگر جناب امیر کو سب سے افضل جانتے تھے۔

پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے یہ کہاں سے تراشا کہ راوی کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر اسی طرح تاویل کی جائے گی تو پھر کسی روایت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

"بروایت صحیحہ جن کا قدر مشترک تواتر کو پہونچ گیا ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ شیخین کے افضل الاصحاب ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع تھا"

مگر افسوس خود استیعاب میں ہے:۔

وروی عن سلمان و ابی ذر و المقداد و جناب و جابر و ابی سعید الخدری و زید بن الارقم ان علی بن ابی طالبؑ اول من اسلم و فضلہ ھؤلاء علی غیرہ۔ (جلد ۲ صفحہ ۴۷)

یعنی حضرت سلمان فارسی۔ ابوذر۔ مقداد جناب جابر ابوسعید خدری۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ جناب امیر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہ لوگ حضرتؑ کو فضیلت دیتے تھے غیروں پر۔

کیا اجماع اسی کا نام ہے جس کے مخالف ایسے ایسے مقدس صحابی ہوں جن کا اجماع ہے اس پر کہ جناب امیرؑ سب سے افضل تھے۔

اسی استیعاب میں ہے:۔

واختلف السلف ایضا فی فضل علی و ابی بکر۔ (صفحہ ۴۷۹)

کہ سلف میں اختلاف رہا ہے اس میں کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا ابوبکر۔

پھر نہ معلوم کس منہ سے کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے" حالانکہ آٹھ صحابہ تو یہ ہیں جن کی تصریحات صریحًا موجود ہے کہ وہ جناب امیر کو افضل سمجھتے تھے اُنکے علاوہ وہ لوگ جن کا ذکر مجملاً کیا ہے استیعاب میں کہ سلف میں اختلاف رہا ہے اس بارے میں۔

حدوث مذہب فضیلت از زمانہ احمد بن حنبل اب آئیے ہم آپ کو بتادیں کہ یہ مذہب اہلسنت کہ افضلیت بہ ترتیب خلافت ہی کب سے قائم ہے اسی استیعاب میں ہے:۔

واما اختلاف السلف فی تفضیل علی فقد ذکرہ ابن ابی خیثمہ فی کتابہ مافیہ کفایۃ واھل السنۃ الیوم علی ماذکرت لک من تقدیم ابی بکر فی الفضل عمر وتقدیم عمر علی عثمان وتقدیم عثمان علی علی وعلی ھذا عامۃ اھل الحدیث من زمن احمد بن حنبل الاخواص من جملۃ الفقہاء وائمۃ العلماء فانھم علی ماذکرنا عن مالک ویحیی القطان وابن معین فھذا ما بین اھل الفقہ والحدیث فی ھذہ المسئلۃ وھم اھل السنۃ واما اختلاف سائر المسلمین فی ذالک فیطول ذکرہ وقد جمعہ قوم وقد کان بنو امیہ ینالون منہ و ینقصونہ فمازادہ اللہ بذالک الاسموا وعلوا ومحبۃ عند العلماء (صفحہ ۴۸۰)

یعنی فضیلت جناب امیرؑ کے بارے میں جو سلف میں اختلاف تھا اُس کو ابن ابی خثیمہ نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے جو کافی ہے۔

رہا مذہب اہلسنت جو آجکل ہے کہ ابو بکر افضل ہیں عمر سے عمر افضل ہیں عثمان سے او عثمان افضل ہیں علیؑ سے اور اسی پر عام اہلحدیث ہیں تو یہ زمانہ احمد بن حنبل سے ہے مگر خواص بزرگان فقہا، ومحدثین اُس مذہب پر ہیں جس کو امام مالک یحییٰ قطان۔ ابن معین سے ہم نے ذکر کیا یہ سب اختلافات اہل فقہ اور اہلحدیث کے درمیان میں ہیں۔ رہا تمامی مسلمین کا اختلاف اس بارے میں تو ذکر اسکا موجب تطویل ہے اور ایک قوم نے جمع کیا ہے۔ اور بنی امیہ حضرت کو گالی دیتے تھے اور تنقیص کرتے تھے مگر اس سے حضرت کی شان میں کوئی نقص نہ پیدا ہوا بلکہ علماء کے نزدیک درجہ محبت حضرت کی بڑھ گئی اور علو مدارج میں ترقی ہوئی۔

پس اڈیٹر صاحب کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپکی ناصبیت سے کیا بگڑا بجز اسکے کہ حضرت کی جلالت قدر اور ظاہر ہوئی آپ تو کہتے تھے صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے فضیلت شیخین پر حالانکہ ایک نہیں صدہا صحابہ نکلے جن کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور ابن ابی خثیمہ نے اس کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے ان کے علاوہ اور لوگوں نے اس بارے میں تصنیفیں کی ہیں۔

اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مذہب آجکل اہلحدیث یا اہلسنت میں رائج ہے اسکی کی ابتدا، امام احمد بن حنبل سے ہوئی ورنہ اِن کے قبل یہ مذہب نہ تھا۔

امام احمد بن حنبل کی ناصبیت کے لئے یہی کافی ہے کہ ابو المؤید خوارزمی مسند ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل پر امام خطیب نے یہ طعن کیا ہے کہ انھوں نے حریز بن عثمان کی توثیق کی اور کہا ثقۃ ثقۃ حالانکہ حریز دشمن جناب امیرؑ تھا اور ظاہر ہے کہ دشمن جناب امیر اور دشمن پنجتن کے درمیان میں کوئی فرق نہیں۔

امام خطیب کہتے ہیں کہ حریز مذکور کذاب اور فاسق بھی تھا وہ کہتا تھا کہ یہ حدیث جو مشہور ہے کہ جناب امیرؑ کے بارے میں حضرتؐ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ (جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ہے) تو غلط ہے کیونکہ ولید بن عبد الملک (خلیفہ بنی امیہ) یوں بیان کرتا تھا علی منّی بمنزلۃ قارون من موسیٰ امام خطیب کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے خداوند عالم کو خواب میں دیکھا کہ تو حریز بن عثمان سے حدیث لیتا ہے تو میں نے کہا کہ ہم تو بجز خیر اسمیں کچھ نہیں جانتے۔ اس پر حکم ہوا کہ نہ لکھا کر کہ وہ علیؑ ابن ابی کو گالی دیا کرتا ہے۔

پس جب احمد بن حنبل ایسے ناصبی تھے کہ ایسے کذاب ناصبی کی توثیق کرتے تو پھر اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ وہ ناصبی تھے اور از راہ ناصبیت اس عقیدہ کو قائم کیا کہ جناب امیر چوتھے درجہ میں افضل ہیں اور وہی عقیدہ اہلسنت ہے آج۔

حریز بن عثمان قبیلہ حمر سے تھا۔ رحبہ کوفہ کا رہنے والا خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں بغداد آیا اور وہاں حدیثیں سنیں اور لوگوں سے بیان کیا۔

(۱) مفضل بن غسان کہتے ہیں کہ حریز سفیانی (طرفداران خاندان ابوسفیان) (۲) عجلی کہتے ہیں کہ دشمن جناب امیرؑ تھا۔ (۳) عمرو بن علی کہتے ہیں کہ وہ تنقیص جناب امیرؑ کرتا اور گالی دیتا۔ (۴) دوسرے موقع پر کہا سخت حملہ کرتا تھا جناب امیرؑ پر (۵) ابن عمار کہتے ہیں کہ وہ مشہور تھا بہ عداوت جناب امیر مگر اس پر بھی لوگ اس سے روایت کرتے۔ (۶) احمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ حریز کہتا تھا کہ ہم علیؑ کو دوست نہیں رکھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔ (۷) یزید بن ہارون نے کہا کہ وہ کہتا تھا کہ تمھارا امام تمھارے لئے اور ہمارا امام ہمارے لئے (۸) عمران بن یاس کہتے ہیں کہ حریز کہتا تھا کہ ہم علیؑ کو نہیں دوست رکھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے آبا کو قتل کیا۔ (۹) اسمٰعیل ابن عیاش کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے مصر تک ساتھ تھے تو وہ برابر سب جناب امیر کرتا اور حضرت پر لعنت کرتا (۱۰) ضحاک بن عبد الوہاب کہتا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے اور متہم ہے۔ (۱۱) اسمٰعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ وہ کہتا تھا یہ حدیث جو مشہور ہے۔ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ تو حضرت نے یوں فرمایا تھا انت منی بمنزلۃ قارون من موسیٰ مگر سامع نے غلطی کی اسی طرح بیان کیا ولید بن عبد الملک نے منبر پر۔ (۱۲) یزید بن ہارون کو ایک شخص نے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو اسنے کہا خدا نے مجھکو بخشدیا مگر اس پر عتاب کیا کہ کیوں ہم نے حریز بن عثمان سے روایت کی حالانکہ وہ دشمن جناب امیر تھا۔ (۱۳) ازدی نے ضعفا میں لکھا ہے روایت کیا ہو کہ حریز نے بیان کیا رسول اللہ نے جب چاہا اپنے بغلہ پر سوار ہوں تو حضرت علی نے آکر اس کی رسی کھولدی کہ حضرت گر پڑیں۔ ابن حجر کہتے ہیں۔ اسکو بھی اس نے شاید ولید سے سنا تھا (۱۴) یحییٰ بن صالح وحاظی بیان کرتا ہے کہ حریز نے تنقیص جناب امیر میں ایک ایسی حدیث بیان کی کہ اس کا ذکر بھی مناسب نہیں۔ (۱۵) حدیث متعلق نہایت منکر ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہو وہ ایسی روایت نہیں کرسکتا۔ (۱۶) یحییٰ بن صالح سے کسی نے پوچھا کہ حریز بن عثمان سے تو نے کوئی حدیث کیوں نہ لکھی کہا کیونکر ہم ایسے شخص سے روایت کرسکتے ہیں جس کے ساتھ سات برس تک ہم نے نماز پڑھی اور وہ مسجد سے اُسوقت تک نہ نکلتا کہ جب تک جناب امیرؑ پر ستر مرتبہ لعنت نہ کرلیتا۔ (۱۸) ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ستر مرتبہ صبح و شام لعنت کرتا تھا جناب امیر پر کسی نے پوچھا تو کہا انھوں نے ہمارے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔

اور وہ داعی مذہب تھا اس کی حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)

اب فرمایئے جو شخص ایسا خارجی ہو کہ جناب امیر پر صبح و شام ستر مرتبہ لعنت کرتا ہو اس سے احمد بن حنبل کا روایت کرنا اور اسکی توثیق کرنا کہ وہ ثقہ تھا ثقہ تھا کیسی خارجیت احمد بن حنبل کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ یہ اصول حدیث میں ثابت ہوچکا ہے کہ جو راوی ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہب کا داعی ہو اُس کی

روایت کسی طرح جائز نہیں۔

جناب امیرؑ جو الزام قائم کیا گیا ہے کہ حضرتؑ نے اس کے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا تو بتصریح ذہبی یہ واقعہ جنگ صفین کا ہے جو ۳۷ھ ہجری کا واقعہ ہے اور اس ملعون کی موت ۱۶۳ھ میں ہوئی (میزان الاعتدال ۱۵۳) مگر وہ عداوت نہ گئی جس سے وہ صبح و شام گالیاں دیا کرتا جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جن صحابہ کے آباؤ اجداد یا اولاد کو جناب امیرؑ نے قتل کیا ان کو کس درجہ عداوت ہوگی اور کیا اسی کا بدلہ نہیں لیا گیا کہ حضرت کو خلافت سے محروم کیا اور جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کو اس بیکسی سے معرکہ کربلا میں شہید کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ بہرحال احمد بن حنبل پر جس وجہ سے خارجیت و ناصبیت کا الزام قائم ہے اسمیں بخاری بھی اُن کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب ہیں کیونکہ علاوہ اسکے کہ بخاری نے صدہا خوارج سے روایت کیا خود اس ابن حریز کی روایت بھی بخاری کے یہاں موجود ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لہ عند البخاری حدیثان فقط و ذکر اللالکائی ان مسلما روی لہ و ذالک وھم منہ (صفحہ ۲۴۰)

کہ بخاری نے صرف دو حدیثیں اسکی لکھی ہیں اور لالکائی کہتے ہیں کہ مسلم نے بھی اس سے روایت کی ہو حالانکہ یہ وہم ہے۔

پھر لکھتے ہیں:۔

وانما اخرج لہ البخاری لقول ابی الیمان انہ رجع عن النصب۔

کہ بخاری نے اسوجہ سے اس سے روایت کہ ابوالیمان نے کہا کہ اس نے توبہ کیا ناصبیت سے۔

مگر یہ عذر بھی کیا ہی معقول ہے کہ جس کی عمر ناصبیت میں کٹی اس کی نسبت ایک ابوالیمان کے کہنے سے بخاری نے مان لیا کہ اس نے توبہ کیا حالانکہ ایسے ایسے صدہا راوی بخاری کے یہاں بھرے ہیں۔

غرض فرقہ اہل حدیث کہ جو خارجیت اور ناصبیت و عداوت اہلبیت طاہرین میں آپؐ یا دہ سرشار دیکھتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو ان کا معلّم اور استاد تھا احمد بن حنبل وہی ایسا ناصبی تھا کہ ایسے ایسے دشمنان جناب امیرؑ کو اپنا استاد بنایا تھا۔ پھر کیونکہ اس عداوت سے یہ لوگ خارج ہو سکتے ہیں۔

احمد بن حنبل کی خارجیت اسی پر نہیں تمام ہوتی کہ وہ ایسے ایسے خوارج سے حدیثیں نقل کرتے ہیں بلکہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو جناب امیرؑ کو جنگ جمل و صفین میں خاطی سمجھتے ہیں جیساکہ منہاج السنۃ ابن تیمیہ میں ہے

و لھذا کان ائمۃ السنۃ کمالک و احمد بن حنبل و غیرھما یقولون ان قتالہ للخوارج مامور بہ و اما قتال الجمل و صفین فھو قتال فتنۃ۔

یعنی جناب امیرؑ کا قتال کرنا خوارج سے تو البتہ مامور بہ تھا مگر قتال جمل و صفین جائز

نہ تھا کیونکہ وہ قتال فتنہ تھا۔

وھذا مذھب مالک واحمد بن حنبل والاوزاعی والثوری

یعنی یہی مذہب مالک و احمد بن حنبل و اوزاعی بلکہ سفیان ثوری کا بھی ہے۔

پھر ان کی ناصبیت میں کیا عذر ہو سکتا ہے کیونکہ خود شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہمیں است مذہب اہلسنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود برحق بود و مصیب و مخالفان او برغیر حق و مخطی۔

اور یہی ہے مذہب اہلسنت کہ حضرت علیؑ اپنی تمام لڑائیوں میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین حق کے مخالف اور خطا کار۔

جس سے معلوم ہوا کہ مذہب اہلسنت یہی ہے کہ جناب امیر کل محاربات میں خواہ جنگ جمل ہو یا صفین یا نہروان حق پر تھے۔ تو پھر بتائیے کہ احمد بن حنبل و مالک وغیرہ جو اسکے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں وہ اہلسنت سے ہیں یا خوارج سے۔

شاہ صاحب طعن متعہ میں لکھتے ہیں۔

پس ہر کہ غزوہ خیبر را تاریخ تحریم متعہ گوید گویا دعوی غلطی در استدلال حضرت مرتضیٰ می کند وایں دعوی شاید جہل و حمق اواست۔

جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیر کے استدلال میں غلطی کا دعویٰ کرنا مدعی کے جہالت و حماقت کی دلیل ہے تو پھر احمد بن حنبل و مالک وغیرہ کی حماقت و جہالت میں کیا عذر ہو سکتا ہے جو ان محاربات میں جناب امیرؑ کو برسر خطا جانتے تھے۔ احمد بن حنبل کی کفر و جہالت کے لیئے یہی کافی ہے کہ وہ مجسمہ تھے یعنی اسکے قائل تھے کہ خداوند عالم کے جسم ہے جو آسمان سے اُترتا اور چڑھتا ہے جیسا کہ رسالہ عقل و تہذیب الحدیث میں بالتفصیل مذکور ہے اور مسئلہ تفضیل کی تفصیل تنقید بخاری حصہ چہارم میں مکمل ہو چکی ہے یہاں اس قدر صرف اس وجہ سے لکھا گیا کہ اڈیٹر النجم نے دعویٰ کیا تھا کہ تفضیل شیخین پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے جسمیں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس مذہب کی ابتدا احمد بن حنبل سے ہوئی جو اعلیٰ درجہ کے خارجی اور ناصبی تھے المتوفی ۲۴۱ھ۔

جناب امیرؑ کی تفضیل کی بارے میں عامر بن واثلہ کی نسبت ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

وکانت الخوارج یرمونہ باتصالہ لعلی وقولہ بفضلہ وفضل اھلبیتہ ولیس فی روایتہ باس (ص۸۵ جلد ۳)

کہ چونکہ ان کو جناب امیرؑ سے بہت خصوصیت تھی اسلیئے خوارج ان پر الزام لگاتے تھے اس امر کا کہ وہ جناب امیرؑ کو اور تمام اہلبیت کو سب صحابہ سے افضل جانتے ہیں۔

آپ یہ سنکر اور بھی متعجب ہوں گے کہ باوصفیکہ یہ صحابی ہیں اور صحابہ کا ہر قصور اہلسنت کے یہاں مغفور ہے یہ ایسے قصور وا تھے کہ انسے حدیث کی روایت بھی ترک کر دی گئی تھی۔ چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں ہے :-

وقال ابن المدینی قلت لجریر اکان مغیرۃ یکرہ الروایۃ عن ابی الطفیل قال نعم

یعنی مغیرہ ان سے حدیث کی روایت کو مکروہ جانتے تھے

یہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ علم دار لشکر مختار تھے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مختار کیسے شخص تھے۔

(۲۲۱) **عامر بن ابی عامر اشعری**۔ حضرت نے حکم دیدیا تھا کہ عامر کے لئے اذن طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد معاویہ کے پاس گئے تو وہاں بھی بلا اذن جاتے تھے انھوں نے عبد الملک کے عہد خلافت میں وفات کی (ص۱۱۱ اسد الغابہ جلد ۵) مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۲۲۲) **طاہر بن عبداللہ بن جراح**۔ (ابو عبیدہ جراح) انکو بھی اس رسالہ سے زیادہ تعلق نہیں مگر چونکہ ان کا نام عشرہ مبشرہ میں لیا جاتا ہے اور بہت کچھ فضائل و مناقب ان کے لئے بنائے گئے کہ حضرت نے امین ہذہ الامہ کا خطاب انکو دیا تھا لہذا مختصر حالات انکے گوش گذار کئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ بزرگ کیسے تھے زیادہ تفصیل کے لئے کتاب عبقات الانوار مجلد دوم حدیث مدینۃ العلم ص۱۴۵ ملاحظہ ہو۔

بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب المناقب یہ حدیث لکھی ہے :-

کہ حضرتؐ نے فرمایا ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور امین اس امت کے ابو عبیدہ جراح ہیں۔

دوسری روایت یہ لکھی ہے :-

قال النبیؐ لاھل نجران لابعثن یعنی علیکم امینا حق امین فاشرف اصحابہ فبعث اباعبیدہ

کہ حضرت نے فرمایا کہ ہم تم پر ایک امین بھیجیں گے جو پورا امین ہوگا تو تمامی صحابہ نے گردن بلند کی مگر حضرتؐ نے ابو عبیدہ کو بھیجا۔

مگر افسوس یہ حدیث ایسی ہے کہ کوئی عاقل ایک منٹ کے لئے بھی نہیں تسلیم کر سکتا کیونکہ راوی اول انس بن مالک ہیں جو دشمنان جناب امیرؑ سے ہیں ان کے مختصر حالات اس رسالہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

دوسرا راوی ابو قلابہ ہے جس کا نام عبداللہ بن زید ہے تہذیب التہذیب میں ہے :-

وکان یحمل علی علی ولم یرو عنہ شیئاً (ص۲۲۵ جلد ۵)

یعنی یہ دشمن جناب امیرؑ تھا اور حضرت سے ایک حدیث بھی اس نے نہ روایت کی۔

علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:۔

ثقة فی نفسه الا انه یدلس عمن لحقهم وعمن لم یلحقهم وکان له صحف یحدث منها ویدلس۔

یہ بجائے خود ثقہ ہے لیکن تدلیس کیا کرتا تھا جس سے ملاقات کیئے ہوتا یا نہ کیئے ہوتا سب میں تدلیس کرتا اسکے پاس چند کتابیں تھیں اُنھیں سے حدیثیں بیان کرتا اور خلط ملط کرکے بیان کرتا۔

کتاب التبیین لاسماء المدلسین میں بھی میزان کے حوالہ سے یہی جملہ اسکے متعلق درج ہے۔ تدلیس کے بارے میں تمام علماء کا بیان ہے:۔

وهذا خیانة منهم علی الشرع مقصودهم تنفیق احادیثهم

(تلبیس ابلیس ابن جوزی)

یہ شرع میں خیانت ہے اور مقصود اس سے صرف اپنی حدیثوں کا رواج دینا ہوتا ہے۔

غور فرمائیے اس روایت کی قدر و قیمت کیا ہوئی جبکہ اسکے پہلے راوی انس بھی پایۂ اعتبار سے ساقط اور دوسرے راوی ابو قلابہ دشمن جناب امیر اور مدلس اور تیسرا عیب یہ کہ ابو قلابہ احمق بھی تھا تہذیب التہذیب میں ہے کہ ابن التین شارح بخاری ناقل ہیں کہ ابو قلابہ نے عمر بن عبد العزیز سے قسامہ کے متعلق کوئی مسئلہ بیان کیا اور عمر ابن عبد العزیز نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس پر ابو الحسن علی بن محمد قابسی مالکی لکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز پر حیرت ہے کہ باوجود خود بڑے عالم ہونے کے ابو قلابہ کی بات کیسے مان لی ابو قلابہ فقہائے تابعین سے نہ تھا بلکہ وہ تو لوگوں کے نزدیک احمقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۲۶)

کتنے تعجب کی بات ہے ایسے احمق مدلس اور دشمن جناب امیرؑ کی روایت ابو عبیدہ کے فضائل میں نقل کی جاتی ہے اور اس روایت کو صحیح بخاری و مسلم میں جگہ دی جاتی ہے۔

عداوت جناب امیر کا نتیجہ یہیں تمام نہیں ہوتا کہ یہ مدلس اور احمقوں میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ میزان الاعتدال کے حاشیہ پر مذکور ہے کہ ابو قلابہ جذام میں مبتلا ہو کر مرا ہاتھ پیر آنکھیں سب غائب ہو چکی تھیں۔

تیسرا راوی خالد بن مہران حذاء ہیں جنھوں نے ابو قلابہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اُنکے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے:۔

قال ابو حاتم یکتب حدیثه ولا یحتج — حدیث اس کی لکھی تو جائے مگر قابل احتجاج و استدلال نہیں۔ (جلد ۳ ص ۱۲۰)

پھر تعجب ہے کہ بخاری ایسے شخص کی روایت اپنی صحیح میں درج کریں مگر وہ کرتے تو کیا ابو عبیدہ کے فضائل کے لئے بجز ایسے مجروح راویوں کے اور راوی کہاں مل سکتا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے یہ خالد بن مہران بصرہ میں چنگی تحصیل کرنے پر مقرر تھا اسی سلسلہ میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

بظاہر یہ سارے اعتراضات جو اُس پر کیئے جاتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ آخر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ سلطنت کے امور میں داخل ہو اتھا۔

غرض کوئی بھی وجہ ہو یہ طے شدہ ہے کہ خالد مجروح ہے لہٰذا اس کی بیان کردہ روایت امین ھذہ الامۃ قطعی طور پر ناقابل التفات ہے۔

چوتھا راوی عبد الاعلیٰ ہے جسکے متعلق علامۂ ذہبی لکھتے ہیں :۔

" محمد بن سعد اسکے متعلق کہتے تھے کہ یہ قوی نہیں ۱۸۹ھ میں مرا امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص فرقۂ قدریہ کے عقائد رکھتا تھا بزار کہتے تھے قسم بخدا وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کون پیر اُس کا بڑا ہے "

(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲)

ان حقائق کی روشنی میں بخاری کی پہلی روایت جو ابو عبیدہ کے مناقب میں مذکور ہے جس میں ابو عبیدہ کے خطاب امین ہذہ الامہ کا تذکرہ ہے کسی کام کی نہیں رہتی، رہ گئی دوسری روایت جو اسی باب المناقب میں بایں الفاظ ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا "ہم ضرور امین کو روانہ کریں گے اور اسکے بعد ابو عبیدہ کو روانہ کیا" تو اسکے راوی ابو اسحاق سبیعی ہیں جسکے بارے میں علامۂ ذہبی لکھتے ہیں :۔

جریر مغیرہ سے روایت کرتے ہیں مغیرہ کہتے تھے کہ حدیث اہل کوفہ کو ابو اسحاق اور اعمش نے غارت کیا تو ی کہتے تھے کہ بعض اہل علم نے بیان کیا کہ ابو اسحاق آخر میں سٹری ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے لوگوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۶۲)

اس ابو اسحاق کو معاویہ کے یہاں سے تین سو ماہانہ ملا کرتے تھے ظاہر ہے اس نے ان کی خواہش کے مطابق کافی حدیثیں گڑھی ہوں گی۔ علامۂ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں لکھا ہے کہ یہ ابو اسحاق مدلس تھا تدلیس کے متعلق ہم سبط ابن جوزی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ وہ خیانت ہے شرع میں، حسین کرابیسی اور ابو جعفر طبری نے بھی اسے مدلسین میں شمار کیا ہے۔ ابن مدینی اپنی کتاب العلل میں لکھتے ہیں۔ شعبہ نے کہا میں نے ابو اسحاق کو حارث بن ازمع کے حوالہ سے حدیث بیان کرتے سنا میں نے پوچھا کیا تم نے خود حارث سے یہ حدیث سنی ہے اس نے کہا مجھ سے مجالد نے بیان کیا مجالد نے شعبی سے سنا شعبی نے حارث سے سنا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق جب کسی راوی کا نام لیتا تو ہم کہتے یہ آپ سے بڑا ہے اگر کہتا کہ ہاں تو ہم سمجھتے اسے ملاقات ہوئی ہوگی اور اگر کہتا کہ ہم اس سے بڑے ہیں تو چھوڑ دیتے اسکی بیان کردہ حدیث قبول نہ کرتے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۶۶)

طرہ تو یہ ہے کہ ابو اسحاق ایسا شخص تھا کہ عمر بن سعد ایسے شقی سے اس نے حدیثیں روایت کی ہیں جو امام حسینؑ کا قاتل تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

عمر ابن سعد اگرچہ فی نفسہ غیر متہم ہے لیکن یہ امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھا اور بہت سے زشت و زبوں افعال اس سے سرزد ہوئے شعبہ نے ابو اسحاق سے ایک حدیث روایت کی جسے اس نے عزار بن حریث سے سنا تھا اور اس نے عمر بن سعد سے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تجھے خوف خدا نہیں کہ عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے اس پر وہ رونے لگا اور کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا عجلی کہتے ہیں بہت سے لوگوں نے عمر ابن سعد سے روایت کی ہے اور وہ ثقہ تابعی تھا احمد بن زہیر کہتے ہیں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کیا عمر ابن سعد ثقہ تھا کہا جو شخص قاتل امام حسینؑ ہو وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۳۲)

اب تو کسی متنفس کو بھی بخاری کی ناصبیت و خارجیت میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیثیں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں جنھوں نے قاتلان امام حسین سے حدیثیں سنی اور روایت کی تھیں۔

اس پر بھی اہلسنت ندامت نہیں محسوس کرتے جو دعوائے ولائے اہل بیت طاہرین کرتے ہیں حالانکہ خود ان کے صحاح ستہ ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیثوں سے بھرے ہوئے ہیں جنھوں نے امام حسین کے قاتلوں سے حدیثیں روایت کی ہیں امام عجلی کی تصریح بیان کی جا چکی کہ عمر بن سعد تابعی تھا اور ثقہ تھا اور اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی یعنی ایک ابو اسحاق سبیعی ہی پر منحصر نہیں بلکہ بہت سے علماء اہل حدیث نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

عمر ابن سعد بن ابی وقاص زہری اس کی کنیت ابو حفص تھی مدینہ کا رہنے والا تھا کوفہ میں سکونت اختیار کی اس نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے اور ابو سعید خدری سے حدیثیں روایت کیں اس سے ابراہیم اور اس کے پوتے ابو بکر بن حفص ابن عمر، ابو اسحاق سبیعی، عیزار ابن حریث، یزید بن ابی مریم، قتادہ، زہری، اور یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے حدیثیں روایت کیں۔ عجلی نے کہا کہ عمر ابن سعد نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے کئی حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں نے اس عمر بن سعد سے حدیثیں روایت کیں یہ ثقہ اور تابعی ہے اور اسی نے حسینؑ کو قتل کیا۔ ابن ابی خیثمہ نے اپنے اسناد سے روایت کی ہے کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو لشکر کے ساتھ بھیجا تاکہ حسینؑ سے جنگ کرے اور شمر بن ذی الجوشن کو بھیجا اور کہا تو بھی عمر بن سعد کے ساتھ جا اگر وہ حسینؑ کو قتل کرے تو خیر ورنہ تو حسینؑ کو قتل کرنا اور لشکر کی سرداری تجھے حاصل رہے گی۔ ابن ابی خیثمہ ابن معین سے روایت کرتا ہے کہ حسینؑ کو جس نے قتل کیا وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔ عمر بن علی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن سعید کو سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے

اسماعیل نے بیان کیا اس سے عیزار نے بیان کیا اس سے عمر ابن سعد نے کہا اس پر موسیٰ نامی ایک شخص نے جو بنی ضبیعہ سے تھا کہا ابو سعید یہ عمر بن سعد تو قاتل حسینؑ ہو گیا تم اس سے روایت کرتے ہو اس پر وہ خاموش ہو گئے ابن خراش نے عمر ابن علی سے بھی ایسی روایت کی ہے وہ کہتا ہو کہ ایک شخص نے کہا کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو عمر بن سعد سے روایت کرتا ہے وہ رونے لگا اور کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔

حمیدی کہتے ہیں کہ:۔

ہم سے سفیان بن سالم نے بیان کہ ایک روز عمر بن سعد نے امام حسینؑ سے کہا ایک جماعت بے عقلوں کی خیال کرتی ہے کہ میں آپ کو قتل کروں گا امام حسینؑ نے فرمایا وہ بے عقل نہیں قسم خدا کی اے عمر ابن سعد ہمارے بعد تو ملک عراق کا گیہوں بہت کم کھانے پائے گا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷، ص۴۵۱)

اب اس سے بڑھ کر کیا عزت افزائی قاتلان امام حسینؑ کی ہو سکتی ہے کہ ادھر وہ امام حسینؑ کو قتل کرتے ہیں اور ادھر صحاح ستہ اہلسنت کے راوی بنتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی دینی درجہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عمر بن سعد سے صرف ابو اسحاق سبیعی ہی نہیں حدیثیں روایت کرتا بلکہ اس کا بیٹا ابراہیم پوتا ابو بکر بن حفص نیز اور بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں اور وہ سب صحاح ستہ کے رواۃ سے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کا کربلا میں شہید ہونا اور عمر و عاص کا قاتل ہونا ایسا مشہور تھا کہ اس زمانہ کے لوگ قبل از واقعہ مطلع تھے اور عمر بن سعد نے بھی اسکو سنا اور امام حسین سے دریافت کیا حضرت نے اسکی تصدیق فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ تو بھی ہمارے بعد بہت کم زندہ رہے گا مگر اس پر بھی شقاوت اس پر غالب رہی اور آخر آپ کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے رہا۔

مگر ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں دنیا چیز ہی ایسی ہے کہ جو کچھ نہ ہو کم ہے مگر حیرت و تعجب علمائے اہلسنت سے ہے جو ایسے ایسے ملاعین سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور اُن کی روایات سے صحاح ستہ کو زینت دیتے اور اسکے مدعی ہوتے ہیں کہ قاتلان امام حسین سب شیعہ تھے اس بیحیائی کا کیا علاج ہے۔

ابو اسحاق سبیعی جو اس حدیث الانت ابی عبیدہ کا راوی ہے صرف عمر بن سعد ہی سے روایت نہیں کرتا بلکہ شمر سے بھی اس نے حدیثیں روایت کی ہیں عمر سعد کی طرح شمر بھی اُسکا استاد حدیث ہے۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

"شمر بن ذی الجوشن اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور ابو اسحاق سبیعی اس سے روایت کرتا ہے۔ مگر شمر اس قابل نہیں کہ اس سے حدیثیں روایت کی جائیں یہ قاتلان امام حسینؑ سے ہے جسکو مختار کے رفقائ وانصار نے قتل کیا ابو بکر بن عیاش ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں ابو اسحاق کہتا ہے کہ شمر ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور کہتا تھا خدایا ہم شریف ہیں ہمکو بخشدے ہم نے کہا کیونکر تو بخشا جا سکتا ہے حالانکہ تو نے فرزند رسولؐ کے قتل پر مدد کی تو اس نے کہا کہ ہمارے حاکموں نے اس کا حکم دیا پھر اگر اُسکو انجام نہ دیتے تو ان گدھوں

سے بھی بدتر ہوئے۔

علاّمہ ذہبی کہتے ہیں کہ:۔

یہ عذر تو اور بھی قبیح ہے کیونکہ اطاعت نیک کام میں ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۴۴۹)

اب تو کسی کو اس میں عذر نہیں ہو سکتا کہ شمر بھی اہلسنت بلکہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہو کیونکہ بخاری نے ابو اسحاق سبیعی سے حدیثیں روایت کیں ابو سحاق نے شمر سے حدیثیں لیں اب اس سے بڑھکر قاتلان امام حسین کی کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ وہ رواۃ صحیح بخاری کا استاد تھا۔

معلوم ہوتا ہے علاّمہ ابن حجر کو شرم آئی جو اس کے نام کو تہذیب التہذیب میں درج نہ کیا ورنہ اسکا نام نہ لکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی جبکہ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ میں تذکرہ کر چکے تھے:۔

وله حديث عند ابي داؤد من طريق ابي اسحاق عنه ويقال انه لم يسمع منه وانما سمعه من ولده شمر۔

یعنی ابو داؤد کے یہاں ذی الجوشن کی روایت ہے بواسطہ ابی اسحاق اور کہا جاتا ہے کہ ابو اسحاق نے خود ذی الجوشن سے نہیں سنا بلکہ اسکے بیٹے شمر سے سنا تھا۔

غرض امین هذه الامة کی روایت جو بخاری میں ہے وہ اسی ابو اسحاق سبیعی کے واسطہ سے ہے جو مدلس بھی تھا اور دشمن اہلبیت طاہرین بھی تو کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ روایت یا یہ کتاب صحیح ہو سکتی ہو۔

تیسرا طریق اس روایت کا وہ ہے جو بخاری نے کتاب المغازی میں لکھا ہے اس رواۃ حسب ذیل ہیں:۔

عباس بن حسین۔ یحییٰ بن آدم۔ اسرائیل۔ ابو اسحاق سبیعی۔ صلہ بن زفر۔

راوی اول عباس حسین قنطری ہے اسکے متعلق علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وقال ابن ابی حاتم عن ابیه مجهول۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۱۷)

تیسرا راوی اسرائیل ہے اسکے متعلق علاّمہ ذہبی لکھتے ہیں۔

اسرائیل پوتے ہیں اسی اسحاق سبیعی کے ابن مدینی کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ یحییٰ القطان بھی مذمت کرتے تھے اس سے ناراض تھے نہ اس سے روایت کرتے تھے نہ شریک سے۔

(میزان الاعتدال صفحہ ۸۳)

علاّمہ حجر عسقلانی لکھتے ہیں

ابن حزم نے اسکو مطلقاً ضعیف کہا ہے اور ان حدیثوں کو رد کر دیا ہے جن کا وہ راوی تھا۔

عثمان بن ابی شیبہ، عبدالرحمان بن مہدی کے حوالہ سے بیان کرتے کہ وہ چور تھا جو حدیثوں کو چرایا کرتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۲۶۳)

پھر کیوں نہ وہ اس حدیث کا راوی ہو کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین تھے جبکہ خود چور تھا۔ کیا کیا خوبصورت راوی بخاری کو ملے تھے۔

چوتھے راوی وہی ابو اسحاق ہیں جو اسرائیل کے دادا تھے جن کا تفصیلی ذکر ابھی کچھ دیر پہلے کیا جا چکا ہے۔

طریق چہارم امین هذه الامه والی روایت کو بخاری نے چوتھے طریقہ سے کتاب المغازی میں لکھا ہے اُسکے حسب ذیل راوی ہیں :۔

محمد بن بشار ۔ محمد بن جعفر ۔ شعبہ ۔ ابو اسحاق ۔ صلہ بن زفر ۔

پہلے راوی محمد بن بشار ہیں جو بندار کے نام سے مشہور ہیں ان کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کذبہ الفلاس فلاس نے اس کو جھوٹا کہا ہے ۔ اسکے بعد لکھتے ہیں ۔

عبداللہ دورقی کا بیان ہے کہ ہم لوگ یحیٰی بن معین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بندار کا ذکر چھڑا کیا میں نے یحیٰی کو دیکھا کہ انھوں نے بندار کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسکو ضعیف قرار دیتے تھے ۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۳۹)

علامہ ابن حجر نے بھی تقریباً وہی عبارت لکھی ہے جو ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھی ہے نیز وہ لکھتے ہیں :۔

عمرو بن علی بہ قسم کہا کرتے کہ بندار نے یحیٰی سے جتنی روایتیں کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں ....

عبداللہ بن علی مدینی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے بندار کی اس حدیث کے متعلق جو اس نے بسلسلہ اسناد پیغمبر سے روایت ہے کہ تسحروا فان فی السحور برکۃ سحری کھاؤ کہ سحری میں برکت ہے دریافت کیا ۔ تو میرے باپ نے کہا یہ جھوٹ ہے اور انھوں نے سخت انکار کیا ۔ یحیٰی بن معین کے سامنے اسکا تذکرہ ہوا تو انھوں نے مطلق اہمیت نہ دی اسی طرح قواریری بھی اسکو پسند نہ کرتا تھا اور کہتا تھا یہ کبوتر باز ہے ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱)

پھر بتائیے ایسے شخص کی روایت کب اس قابل ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح سمجھی جائے امام عجلی کہتے ہیں کہ وہ عائنگ تھا پھر کیوں نہ ایسی روایت کرے کہ ابو عبیدہ امین هذه الامہ ہیں ۔

دوسرا راوی محمد بن جعفر غندر ہے میزان میں اس کے متعلق ہے کان مغفلاً یہ احمق تھا ۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی میں بھی تقریباً یہی لفظیں ہیں اس کا نام غندر ابن جریح نے رکھا کیونکہ بہت فساد جھگڑا کرتا اور ایسے شخص کو اہل حجاز غندر کہتے ہیں ۔ یحیٰی ابن معین حکایت کرتے ہیں کہ غندر ایک روز مچھلی خرید کر لایا اور گھر والوں کو پکانے کو کہہ کر سو گیا ان لوگوں نے مچھلی کو تو کھا ڈالا اور اُسکے ہاتھ میں شوربہ لگا دیا جب یہ بیدار ہوا تو کہا مچھلی لاؤ سبھوں نے کہا واہ تم تو کھا کر سو رہے تھے اپنے ہاتھ سونگھو جب سونگھا تو اُس سے مچھلی کی خوشبو آئی ۔

تذکرہ ذہبی اور تہذیب التہذیب ابن حجر میں ہے :۔

عن ابن معین قال قدمنا علی غندر فقال لا احدثکم حتی تمشوا

خلفی فیراکم اهل السوق فیکرمونی۔ جلد ۹ ص ۹۸)

یحییٰ بن معین کہتے تھے ہم لوگ حدیث سننے غندر کے پاس گئے تو اُس نے کہا جب تک ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں نہ چلوگے کہ لوگ دیکھیں اور ہماری تعظیم کریں تب تک ہم حدیث نہ بیان کرینگے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا جب اسکے پیچھے چلے تو راستہ میں لوگ اس پوچھتے اے ابوعبداللہ یہ کون لوگ ہیں تو یہ کہتا یہ اصحاب حدیث ہیں جو بغداد سے ہمارے پاس حدیثیں سننے اور لکھنے کے لیے آئے ہیں۔

اب اس سے بڑھ کر اس شخص کی دنیاداری کی کیا دلیل ہوسکتی کہ اس غرض سے کہ لوگ اسکی قدر و منزلت کریں شاگردوں سے خواہش کرتا کہ ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں چلو ایسے ہی لوگوں کا علاج حضرت عمر نے دُرّہ تجویز کیا تھا جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے۔

ایک دفعہ عمر کا گذر ہوا اور سعد بن ابی وقاص تعظیم کے لیے نہیں اُٹھے تو حضرت عمر نے ان پر دُرّہ چلا دیا اور کہا اگر خلافت سے نہیں ڈرتے تو خلافت بھی تم سے نہیں ڈرتی۔ ابی ابن کعب ایک دفعہ جارہے تھے اور کچھ لوگ اُن کے ساتھ پیچھے پیچھے جارہے تھے عمر نے دیکھا تو دُرّہ چلا دیا اور کہا یہ ذلت ہے تابع کے لیے اور فتنہ ہے متبوع کے لیے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۰۲)

تیسرا راوی وہی ابو اسحاق سبیعی ہے جس کا تفصیلی تذکرہ کیا جاچکا کہ وہ عمر سعد اور شمر بن ذی الجوشن ایسے شخصوں سے حدیثیں لیا کرتا تھا۔

طریق پنجم۔ بخاری نے امین ھذہ الامۃ والی روایت کو باب المغازی میں پانچویں طریق سے بھی لکھا اس روایت کے راوی وہی ابوقلابہ اور خالد بن حذاء ہیں جن کی قدح مذکور ہوچکی۔

اخبار الاحاد میں بھی بخاری نے اس امین ھذہ الامۃ والی روایت کو دو طریقوں سے لکھا مگر ان سب کے راوی وہی ابو اسحاق سبیعی خالد بن حذاء اور ابو قلابہ ہیں پھر کیونکر اس کا دعوےٰ کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر خدا نے ابوعبیدہ کو امین ھذہ الامۃ کا خطاب دیا حالانکہ ایک حدیث بھی اہلسنت کے مقررہ قواعد کے مطابق صحیح نہیں اُتری، صحیح مسلم میں کبھی یہی روایت چار طریقوں سے مروی ہے پہلے طریق میں ابوقلابہ اور خالد بن حذاء کا نام ملتا ہے جنکی قدح مذکور ہوچکی اس کے علاوہ ایک راوی اسمٰعیل بن علیہ بھی ہیں جن کے بارے میں میزان الاعتدال میں ہے۔

سہیل بن شاذویہ روایت کرتے ہیں میں نے علی بن حزم کو کہتے سنا کہ میں نے وکیع سے کہا ابن علیہ کو میں نے نبیذ پیتے دیکھا اتنا پیتا تھا کہ گدھے پر لاد دیا جاتا اور محتاج ہوتا کہ کوئی اسکو گھر تک پہونچادے۔

مسلم کی پہلی روایت یوں غارت ہوئی۔ دوسری روایت کا مدار ثابت بنانی پر ہے جس کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے قال یحیی القطان اختلط۔ یحیی القطان کہا کرتے کہ سٹری ہوگیا

تھا۔ اور اسی طریق میں ایک راوی حماد بن سلمہ ہیں جن کے بارے میں اسی تہذیب میں ہے "تغیر حفظہ بالآخر" اس کا حافظہ آخر میں خراب ہو گیا تھا۔

ایک راوی اس کا عمر بن ناقد ہے جسکی علی بن مدینی نے قدح کی ہے اور کہا ہے "ھذا کذب لم یرو" یہ صریحی جھوٹ ہے۔

تیسرا طریق بروایت ابو اسحاق سبیعی ہے جس کی قدح مذکور ہو چکی۔ چوتھی روایت بھی ابو اسحاق سبیعی کی ہے۔

ایک اور روایت اسی مضمون کی حسین بن محمد بغدادی سے مسلم نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا:

ابو عبیدہ امین ھذہ الامۃ وان حبر ھذہ الامۃ ابن عباس۔

ابو عبیدہ اس امت کے امین اور ابن عباس اس اُمّت کے عالم ہیں۔

اس کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں اور ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں "ھذا باطل" یہ حدیث قطعی باطل ہے۔

ابطال لقب امین ھذہ الامۃ

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو ہرگز یہ لقب نہیں دیا کیونکہ اسکے متعلق جتنی بھی روایتیں صحیح بخاری صحیح مسلم میں درج ہیں ایک روایت بھی معیار تحقیق پر پوری نہیں اُترتی لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اسکی مزید تحقیق کے لیئے دوسرے فریق کی روایات پر بھی نظر کریں۔

علامہ مجلسی کی مشہور تصنیف حیاۃ القلوب جلد ۲ صـ ۳۱۲ میں ہے کہ:

جب آں حضرتؐ جناب امیرؑ کو بمقام غدیر علی الاعلان اپنا خلیفہ و جانشین کر چکے اور فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ تو صحابہ سے ۱۴ آدمیوں نے آپس میں عہد کیا کہ خلافت کو خاندان رسالت میں نہ رہنے دینگے اور ہر شخص اسکا اعلان کرے کہ رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کیا اس مضمون کا ایک اقرار نامہ لکھا گیا جس کا کاتب سعید بن عاص تھا اور وہ نوشتہ ابو عبیدہؓ کے پاس بطور امانت رکھا گیا جو بعد کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ رسالتمآبؐ نے اس واقعہ کو سنکر ابو عبیدہؓ سے کہا تمھیں کس چیز سے مثال دی جائے جبکہ تم اس نوشتہ کے امین بنے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ویل ہے ان لوگوں کے لیئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کیطرف سے ہے اسلیئے بہت معمولی قیمت حاصل کرتے ہیں ویل ہو اس چیز کے لئے جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہو اور ویل ہے انکی کمائی پر۔ (حیات القلوب جلد ۲ صـ ۳۱۳)

چونکہ اس کا التزام ہے کہ روایات شیعہ سے ہم کام نہیں لینگے لہٰذا اصل روایت درج نہیں کی صرف اسکا حوالہ دیدیا کہ معلوم ہوا ابو عبیدہ کو امین ھذہ الامۃ جو خطاب دیا گیا وہ اسی نوشتہ کی امانت داری پر دیا

پر دیا گیا ہے۔ تمام عالم کو معلوم ہے کہ کسی امت میں یہ عہدہ کسی کو نہیں دیا گیا توریت وانجیل تمام عالم میں مشہور ہیں اگر یہ کوئی عہدہ ہوتا تو اس کا ذکر ان کتابوں میں یا کتب تواریخ میں ضرور ہوتا مگر واقعہ یہ ہے کہ کہیں نام و نشان بھی اسکا نہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہ فرمائیں ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ ہے۔

اگر ہم اس روایت حیات القلوب کی تصدیق کتب اہل سنت سے کرنا چاہیں تو بہت آسانی سے تصدیق ہو سکتی ہے کیونکہ اصل واقعہ تو یقیناً موجود ہے البتہ نام میں ذرا دشواری ہوگی کیونکہ حضرات اہلسنت نے اُن ناموں کو اڑا دیا ہے بروایت حیات القلوب حسب ذیل حضرات اس معاہدہ میں شریک تھے۔ ابو بکر۔ عثمان۔ طلحہ۔ عبدالرحمان بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ معاویہ بن ابوسفیان۔ عمرو بن العاص۔ ابو موسیٰ اشعری۔ مغیرہ بن شعبہ۔ اوس بن حدثان۔ ابو ہریرہ۔ ابو طلحہ انصاری۔

سالم مولیٰ ابی حذیفہ بھی اسکے بعد شریک ہوئے اسکے علاوہ اور بھی چند منافق تھے جنکی تعداد چوبیس ہوگئی ہم بہ نظر اختصار اور باتوں کو ترک کرکے صرف اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ بقول اہلسنت پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو امین ھذہ الامۃ کا جو لقب عطا کیا تو واقعاً کہاں تک اسکی صداقت ثابت ہوتی ہے اور ان سے امانتداری کے کیسے کیسے مظاہرے ہوئے سب سے پہلے جو واقعہ پیش آیا وہ وفات رسولؐ کا ہے۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد جب ابوبکر و عمر سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ابو عبیدہ بھی تھے۔ حالانکہ اگر یہ فرمودۂ رسولؐ سے امین ہوتے تو امانتداری کا تقاضا یہ تھا پیغمبرؐ کے جسد اطہر کی حفاظت اسکے احترام میں فرق نہ آنے دیتے اگر بقول اہلسنت یہ لقب خود رسول اللہ نے دیا تھا تو کب ممکن تھا کہ وہ بلا دفن و کفن رسول قصد کرتے کہ سقیفہ میں جاتے اور وہاں سرگرم مجادلہ و مکابرہ ہوتے۔

وہاں پہونچکر حضرت ابو بکر کہتے ہیں عمر یا ابو عبیدہ کی بیعت کرلو۔ مگر نہیں کہتے کہ رسول اللہ نے انکو امین ھذہ الامۃ کا خطاب دیا ہے اگر واقعاً رسولؐ انھیں یہ خطاب دیئے ہوتے تو اس سے بہتر کوئی موقع اس خطاب کے یاد دلانے کا نہ تھا۔

ایک اور پیچیدگی جس کا یہاں حضرات اہلسنّت کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر کے فضائل و مناقب کی بہت سی حدیثیں درج ہیں جس سے اُنکے استحقاق خلافت پر روشنی پڑتی ہے مگر یہاں سقیفہ میں کسی کو وہ حدیثیں یاد نہیں آتیں بلکہ کہا جاتا ہے تو یہ کہ ابو عبیدہ یا عمر کی بیعت کرلو۔ کوئی نہیں کہتا کہ ابوبکر کے متعلق تو رسول اللہ ایسا ایسا فرما چکے ہیں۔ بہر حال سقیفہ میں نہ تو ابوبکر کے فضائل کی حدیثیں کسی کو یاد آئیں نہ ابو عبیدہ کے متعلق امین ھذہ الامہ کا کوئی حوالہ دیتا ہے اس سے یہ تو یقینی طور پر معلوم ہو اکہ امین ھذہ الامۃ کا خطاب بالکل خانہ ساز ہے اور بعد کی پیداوار

ہے رسول اللہ کی لب و زبان سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا موقع ابو عبیدہ کی امانت داری کے ظاہر ہونے کا اس وقت پیش آتا ہے جبکہ جناب امیرؑ ابوبکر کی بیعت کے لئے طلب کئے جاتے ہیں اور آپ اپنے استحقاق خلافت کو ظاہر کرتے ہیں اور معاملہ طے ہو جاتا ہے ابوبکر کہتے ہیں کہ جب تک سیدہ زندہ ہیں ہم مجبور نہیں کر سکتے مگر ابو عبیدہ کہتے ہیں:-

اے پسر عم تم ابھی کمسن ہو اور یہ لوگ سن رسیدہ افراد ہیں تم کو ایسا تجربہ اور معرفت نہیں حاصل ہے ابوبکر کو ہم جہاں تک جانتے ہیں تم سے اس امر میں زیادہ قوی ہیں اور قوت تحمل واستطلاع میں وہ بڑھے ہوئے ہیں لہذا اس خلافت کو ان کے حوالے کر دو اگر تم زندہ رہے اور زمانہ نے طول کھینچا تو تم بوجہ فضل و دین وفہم و سابقہ ونسب وصہر ہر طرح اسکے لائق اور مستحق ہو" (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۹)

غور فرمایئے کہ یہ کلام ایمانداری و امانتداری کے مناسب ہے یا نہیں؟ کیونکہ جناب امیرؑ کا استدلال یہ تھا کہ تم نے بوجہ قرابت رسولؐ اس امر کو انصار سے حاصل کیا اور انھوں نے اسی وجہ سے خلافت تم کو دیدیا تو اب دیکھو ہم زیادہ قریبی ہیں یا تم لوگ؟

ابو عبیدہ ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں تم میں فضل بھی ہے دین بھی ہے علم بھی ہے سابقہ وقرابت و رشتہ دامادی بھی ہے مگر بوجہ معاہدہ سابقہ یہ رائے دیتے ہیں کہ چونکہ تم کمسن ہو اور یہ لوگ بزرگ ہیں لہذا خلافت انکے حوالے کر دو۔ آخر یہ کس قسم کی امانت داری ہے۔ مقتضائے امانت داری تو یہ تھا کہ ابو عبیدہ یہ کہتے چونکہ رسول اللہ آپ کو خلیفہ کر چکے ہیں لہذا کسی کو مداخلت کا حق نہیں۔ یہ ایمان داری کی تقریر تھی اور اگر نص رسولؐ کو کسی لائق نہ جانتے تھے تو یہی کہتے کہ چونکہ خلافت کا مدار پنچایت پر ہے اور ابوبکر کو خلیفہ مان لیا گیا ہے آپ کو مداخلت کا حق نہیں۔ یہ فیصلہ مقتضائے جنبہ داری کے مطابق ہوتا نہ یہ کہ حقوق تو جناب امیرؑ کے تسلیم کریں اور بات یوں بنائیں کہ یہ بڑھے ہیں لہذا اسی کو مان لو۔

کیا کوئی ایماندار جج ایسا فیصلہ کر سکتا ہے کہ حقدار تم ہو مگر اپنے حق سے باز آؤ اب دیکھئے جناب امیرؑ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اسی کتاب الامامۃ میں ہے۔

"جناب امیرؑ نے فرمایا اللہ اللہ اے معاشر مہاجرین سلطنت محمدؐ کو ان کے خاندان سے نکال کر عرب کی طرف نہ لیجاؤ۔ (جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اس کا پورا علم تھا کہ کیا معاہدہ ہو چکا ہے)

پھر فرماتے ہیں:-

سلطنت محمدیہ کو ان کے خاندان سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لیجاؤ (جس سے معلوم ہوا کہ حضرت جانتے تھے یہ کارروائی خاص اسی غرض سے کی گئی ہے)

حضرت بتصریح فرماتے ہیں کہ:-

یہ صریح ظلم ہے کہ تم حقداروں کو محروم کر کے اپنے لوگوں میں لیجاتے ہو اور اس درجہ اور شان کو مٹاتے ہو جو ہم لوگوں کو حاصل ہے۔

پھر حضرت فرماتے ہیں کہ:۔

اے گروہ مہاجرین خوب سمجھ لو کہ ہم سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم اہلبیت ہیں اور سب سے زیادہ اسکے حقدار ہیں۔

حضرت اس پر ترقی فرماتے ہیں کہ:۔

صرف ہم ہی اسکے حقدار نہیں ہیں بلکہ جب تک ہمارے خاندان میں ایک شخص بھی رہے گا وہ حقدار ہوگا کیونکہ قاری کتاب اللہ فقیہ فی دین اللہ عالم سنن رسول اللہ ہم ہی لوگ ہیں۔ رعیت کے امور کے ہم ہی واقف ہیں جو بلا ان پر آسکتی ہے اسکو دور کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ہم لوگ ان میں حق مساوات قائم رکھ سکتے ہیں۔ تو اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو کہ راہ حق سے گمراہ ہو جاؤ گے۔

دیکھیے حضرت نے کیسی پیشین گوئی فرمائی کہ اگر تم نے اس خلافت کو خاندان رسالت سے نکالا تو وہ برکت جاتی رہے گی جس کا بدیہی نمونہ لوگوں نے چند ہی سال بعد دیکھ لیا کہ خلیفہ دوئم نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا جو رسول اللہ نے تقسیم بالسویہ کا مقرر کیا تھا۔

اگر حضرت کی اور باتوں میں شک کرتے ہو تو کرو مگر اس میں تم شک نہیں کر سکتے کہ تقسیم بالسویہ کا قانون خلیفہ دوئم نے توڑ دیا اور شخصیت معیار تقسیم قرار دی جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کا وہ زریں اصول کہ ہر شخص مساوی ہے خاک میں ملا دیا گیا ظالم کا ظلم تو ہمیشہ تیز رہتا ہے اب مال کے زیادہ ملنے سے اور بھی اسکی قوت بڑھے گی اور کمزور لوگ کمزور ہوتے جائیں گے۔

اب تم ہی غور کرو کہ رسول اللہ نے اگر امین کا خطاب دیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ وہ ایسی تقریر کرتے جو اصول ایمانداری و دیانت داری کے بالکل خلاف ہے۔

ہاں ابو عبیدہ نے جناب امیر سے یہ جو کہا کہ تم کو وہ تجربہ نہیں ہے جو ابو بکر کو حاصل ہے تو قابل غور ہے کہ ابو بکر کو کونسا تجربہ حاصل تھا کیونکہ روز اسلام سے تو کوئی کام انھوں نے ایسا کیا نہیں جس سے تجربہ کار کہے جا سکتے شروع شروع پیغمبر کو رائے دی کہ اسلام کا اعلان کر دیا جائے پیغمبر کی ممانعت کے باوجود نہ ماننے جسکے نتیجہ میں زد وکوب کا سامنا کیا اسکے بعد ہر جنگ میں پیغمبر کو چھوڑ کر جان بچائی پھر تجربہ کہاں سے ہوا جبکہ جناب امیر کا تجربہ ان سے ہر بات میں بڑھا ہوا تھا آپ سات برس ابو بکر سے پہلے اسلام لائے ۳ برس شعب ابو طالب میں رہے جہاں حضرت ابو بکر کو کسی طرح آمد و رفت بھی نصیب نہیں ہوئی پھر جس شخص کا دس سالہ تجربہ زیادہ ہو اسکو کون کہہ سکتا ہے کہ اسکا تجربہ کم تھا۔

(۲۲۳) عامر بن عبدہ روایت کرتے ہیں کہ:۔

حضرت نے فرمایا بیشک شیطان لوگوں کے پاس آدمی کی صورت میں آتا ہے لیکن فقط اسکی

صورت کو پہچانتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اُسکا نسب کیا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔
پھر لوگ نقل کرتے ہیں کہ ہم سے فلاں شخص نے جس کا یہ نام تھا یہ حدیث بیان کی ہے اور وہ لوگ نام سے زیادہ اس کا کچھ حال نہیں جانتے جو ذکر یں ان کا تذکرہ ابو عمر نے لکھا ہے۔ (صے ۱۱)
حضرات اہلسنت کو اس حدیث پر پورا خیال کرنا چاہیئے کیونکہ اکثر روایتیں اُن کی ایسی ہیں کہ کسی مجہول سے روایت کرتے ہیں۔
اب ہم اس جلد کو یہیں تمام کرتے ہیں کیونکہ اسکے بعد ایسے بعد ایسے نامی گرامی اصحاب کے نام آئیں گے جن کے تذکرے میں خواہی نخواہی طول ہو گا۔ جس میں عبد اللہ بن عمرو عاص۔ عمرو عاص وغیرہ ایسے اسماء ہیں جن کے حالات بہت طولانی ہیں۔
یہاں تک صرف چار جلد اسد الغابہ اور تین جلد اصابہ کا خلاصہ کیا گیا ہے اور ایک جلد استیعاب باقی جلدیں ابھی باقی ہیں مگر اہلسنت کے صحابہ کی ایمانداری اور محبت اولاد رسُول کے لئے یہی کافی ہے کہ واقعہ حرا میں جو اس واقعہ کربلا کے تیسرے سال واقع ہوا جس میں بحکم یزید پلید مدینہ رسول غارت کیا گیا اور روضۂ رسُول کی بیحرمتی ہوئی اُس میں کچھ اوپر ستر آدمی قریش سے اور اسی قدر انصار سے مارے گئے اور چار ہزار سائر ناس سے جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور چار یا پانچ فرزند زید بن ثابت انصاری کاتب قرآن کے دیکھو کتاب الامامۃ و السیاستہ ص
جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہی اشخاص جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی کہ حضرت اس بے بسی کے عالم میں شہید کیئے گئے۔ تاریخ خمیس میں ہے:۔

وقتل امیر المدینۃ عبد اللہ بن حنظلہ وسبعمائۃ من المھاجرین والانصار وقتل منھم معقل الاشجعی وعبد اللہ بن زید المازنی مع عبد اللہ بن حنظلہ الغسیل وھولاء من الصحابۃ ودخل مسلم المدینہ واباحھا ثلثۃ وذلک فی اٰخر سنۃ ثلاث وستین (ص ۳۳۸)

یعنی امیر مدینہ عبد اللہ بن حنظلہ کے ساتھ سات سو مہاجرین و انصار سے قتل ہوئے اور معقل اشجعی اور عبد اللہ بن یزید مازنی بھی مارے گئے اور یہ سب صحابہ سے تھے۔
اسکے بعد مسلم بن عقبہ داخل مدینہ ہوا اور تین روز تک مدینہ منورہ لوٹا گیا اور یہ واقعہ آخر ۶۳ھ کا ہی۔
اب آپ ہی غور فرمائیے کہ سات سو مہاجرین و انصار تو واقعہ حرا میں ملتے جائیں مگر ان میں سے کسی کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ جناب امام حسینؑ کی مدد کرے تو پھر کیونکر اسکا دعوی کیا جاسکتا ہو کہ صحابۂ رسول اللہ کو اہل بیت رسُول سے محبت تھی سب دنیا دار تھے جدھر دنیا کا رخ دیکھا اُدھر جھک پڑے اسی لیئے تو قرآن مجید میں ہے منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاٰخرۃ یعنی کچھ تم لوگوں میں طالب دنیا

ہیں (وہ تو ان خلفاء کے ساتھ رہے جو خلافت وحکومت پر فائز ہوئے) اور کچھ لوگ تم سے طالب آخرت ہیں جو اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ رہے۔ وقلیل من عبادی الشکور، خداوند عالم فرماتا ہے ہمارے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔

واقعہ حرا ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ ہمارے قلم میں اسکی طاقت نہیں ہے کہ اسکی تفصیل کر سکے کیونکہ روضہ رسولؐ کے ساتھ وہ بے ادبی کی گئی کہ پناہ بخدا گھوڑے گدھے قبر شریف کے ساتھ بے ادبی کرتے ہزاروں صحابہ کی لڑکیوں کی ازالہ بکارت کی گئی جس سے ہزار اولاد زنا پیدا ہوئی مگر چونکہ خود مسلم بن عقبہ بھی صحابی ہے جس نے اس طرح کی بے ادبی کی لہذا کچھ مختصر حال اسکا حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

ثبوت صحابیت کے پہلے اصابہ جلد ۶ قسم اول ملاحظہ ہو جس میں ان صحابہ کا ذکر ہوتا ہے جو صحبت رسولؐ سے فائز ہوئے اور حضرت سے حدیث کی روایت کی۔

مسلم بن عقبہ الاشجعی ذکرہ ابن عساکر فی تاریخہ وساق لسندہ من طریق ابراھیم بن امیہ وقال سمعت نوح بن حبیب یقول فیمن روی عن النبیؐ من اشجع مسلم بن عقبہ۔ (ص ۹۵)

یعنی امام ابن عساکر نے اُن لوگوں میں جو قبیلہ اشجع سے تھے اور پیغمبرؐ سے انھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں مسلم بن عقبہ کا نام بھی لکھا ہے۔

یہی مسلم بن عقبہ ہے جسکو یزید نے امیر لشکر بنا کر غارت مدینہ کے لیئے روانہ کیا ابن عساکر کہتے ہیں اُس نے حضرت سے ملاقات کی ہے اور جنگ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھا اور پیادوں کا سردار تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب یزید نے اُس کو امیر لشکر بنایا ہے تو کچھ اوپر نوے برس کا تھا جس سے واضح ہوا کہ ضرور وہ حضرت کے زمانہ میں کھل تھا یعنی ادھیڑ۔

اس مسلم نے قتل وغارت اہل مدینہ میں بڑا ظلم کیا کہ نہ چھوٹے کو چھوڑا نہ بڑے کو اسی وجہ سے اُسکا نام مسرف رکھا گیا اس نے مدینہ منورہ کے قتل وغارت کو تین روز تک مباح کیا کہ لشکر تمام لوٹتا تھا غارت کرتا تھا قتل کرتا تھا زناکاری کرتا تھا تین روز کے بعد امان دی گئی اُسکے بعد یزید کی اس طرح بیعت لی کہ وہ غلام ہیں یزید کے جو چاہے وہ کرے اسکے بعد وہ مکہ کے غارت کو روانہ ہوا اور راہ میں واصل بجہنم ہوا۔ (ص ۱۴۸)

اب غور فرمائیے کہ یہ مسلم بن عقبہ صحابی رسولؐ ہے حضرت کی صحبت میں پہونچ چکا ہے۔ حدیث کی روایت کر رہا ہے مگر کیسا مسلمان ہے اور کیسا صحابی کہ یزید فاسق فاجر کی خوشامد میں وہ مدینہ جاتا ہے مدینہ لوٹتا ہے روضۂ رسولؐ کو بیحرمت کرتا ہے اور پھر مسلمان کہا جاتا ہے۔ پھر اگر ایسے ہی صحابہ نے ترک رفاقت جناب امام حسینؑ کی تو کیونکر تعجب ہو سکتا ہے۔

آہ آہ یزید اسکو خود نہیں روانہ کرتا ہے بلکہ وہ خود اصرار کرتا ہے اور باصرار روانہ ہوتا ہے۔

کتاب الامامۃ والسیاست میں ہے کہ:۔

مسلم قبل روانگی مدینہ بیمار پڑا تو یزید اُسکی عیادت کو آیا اور کہا کہ افسوس تو اس حالت میں ہو اور معاویہ نے وصیت کی تھی کہ تم کو بھیجیں اور تمھاری یہ حالت ہے۔

(ص ۱۲ جلد ۲)

فقال یا امیر المومنین انشدک اللہ ان لا تحرمنا اجرا ساقہ اللہ الی انما انا امرؤ لیس لی باس

تو مسلم نے کہا ہم تمکو قسم خدا کی دیتے ہیں کہ اس اجر سے ہمکو نہ محروم رکھو جو خدا کھینچ کر ہماری طرف لایا ہے ہم بھی مرد ہیں اس طرح کی بیماری ہوتی ہی رہتی ہے کوئی مضائقہ نہیں تم جانے دو۔

کہئے کیسا ایمان ہے اس مقدس صحابی کا کہ یزید تو بوجہ بیماری روک رہا ہے اور وہ قسم دیکر خود مدینہ جاتا ہے اور اس قتال اہل مدینہ کو وہ اجر قرار دیتا ہے جو خدا کھینچکر اسکی طرف لایا ہے۔

کہئے اس سے بڑھ کر کیا ایمانداری ہو سکتی ہے کہ خود رسول کا صحابی مدینہ غارت کرنے جاتا ہے اور اُسکو موجب کمال اجر و ثواب جانتا ہے پھر ایسوں کو فرزند رسول کا قتل کرنا کیا دشوار تھا۔

نتیجہ مسلم بن عقبہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسکی معذرت لکھی ہے کہ ہم صرف بوجہ تقلید ابن عساکر اس نام کو لکھا ہے مگر پھر پردہ داری یوں کرتے ہیں:۔

فعوجل بالموت فمات بالطریق وذلک سنۃ ثلاث وستین۔

کہ اس ظلم وستم کے سبب سے اُس کی موت میں جلدی کی گئی چنانچہ وہ مکہ معظمہ کی راہ ہی مرگیا۔

مگر امام قتیبہ اس کی یوں پردہ دری کرتے ہیں کہ کتاب الامامۃ والسیاست میں ہے

ثم مات مسلم بن عقبہ فدفن بقفا المشلل وکان ام ولد لیزید بن عبد اللہ بن زمعۃ علی اثرہ فخرجت الیہ فنبشتہ من قبرہ ثم احرقت علیہ النار واخذت اکفانہ فشققتھا وعلقتھا بالشجرۃ فکل من مر علیہ یرمیہ بالحجارۃ (ص ۱۵)

یعنی مسلم بن عقبہ راہ میں مکہ و مدینہ کی مرگیا۔ اور **قفا مشلل** میں (مقام کا نام) دفن کیا گیا اُسکے پیچھے یزید بن عبد اللہ بن زمعہ کی زوجہ (صحابیہ) آ رہی تھی اس نے جاکر اُس قبر کو کھود کر اور اُس لاش کو نکالکر جلایا اور اُسکے کفن کو لیکر چاک کیا اور ایک درخت میں لٹکا دیا تو جو شخص اُدھر سے گذرتا اُس پر پتھر مارتا۔

اور تاریخ خمیس میں ہے:۔

ثم نبش وصلب ھناک وکان یرمی کما یرمی قبر ابی رغال دلیل ابرھۃ المدفون بالمعص والمشلل علی ثلاثۃ من قدید (ص ۳۰۳)

یعنی اس کی لاش نکالی گئی اور سولی دی گئی اور لوگ اُس پر اسی طرح پتھر مارتے تھے جس طرح قبر ابی رغال پر پتھر مارتے تھے اور وہ دلیل (راہ نما) تھا ابرھہ جو ہاتھی لیکر خانہ کعبہ گرانے آیا تھا اور مدفون ہے معص میں اور مشلل میں

اب ہم اس بحث کو یہیں تمام کرتے ہیں کیونکہ اس مسلم بن عقبہ کی ماتحتی میں دو صحابی اور تھے ایک روح بن زنباع جس کا حال مذکور ہو چکا اور دوسرا حصین بن نمیر سکونی کہ وہ بھی صحابی ہے چنانچہ اسی تاریخ خمیس میں ہے۔

فلمّا بلغ ذالک یزید ندب لھم الحصین بن نمیر السکونی وروح بن زنباع الجذامی وضم الی کل واحد جیشا واستعمل علی الجمیع مسلم بن عقبۃ المری وجعلہ امیر الامراء (ص۲۲۷)

یعنی یزید کو جب خبر مخالفت اہل مدینہ پہونچی تو حصین بن نمیر سکونی اور روح بن زنباع کو سردار لشکر مقرر کیا اور سب کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ کو بنایا۔

مسلم بن عقبہ نے جب مدینہ کو بحکم یزید غارت کیا ہو کہ کتاب الامامۃ والسیاستہ میں ہے:۔

ان مسلما لما فرغ من القتال بعث برؤس اھل المدینۃ الی یزید فالقیت بین یدیہ جعل یتمثل بقول ابن الزبعری یوم احد ؎

لیت اشیاخی ببدر شھدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحا وقالوا لیزید لا تشل

یعنی مسلم نے قتل اہل مدینہ کے بعد انکے سروں کو یزید کے پاس بھیجا جب وہ سر اسکے سامنے ڈالے گئے تو اس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار پڑھے کہ کاش ہمارے جو بزرگ بروز بدر مارے گئے وہ دیکھتے کہ کسطرح ہم نے انتقام لیا ہے تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔

دیکھیے یہ وہی اشعار ہیں جو یزید نے بعد شہادت امام حسینؑ سر مبارک کو دیکھ کر پڑھے تھے۔ وہی اشعار آج پھر پڑھ رہا ہے کیونکہ اہل مدینہ ہی کی نصرت سے جناب رسالت مآبؐ نے جنگ بدر کو فتح کیا تھا مگر اسپر بھی اہلسنت کو ایمان یزید میں کسی طرح کا عذر ہی نہیں۔

مسلم بن عقبہ کی شقاوت یہیں نہیں تمام ہوئی بلکہ امام زین العابدینؑ کو جب مدینہ منورہ بلایا ہے تو چونکہ امامؑ نے مروانؑ وغیرہ کو پناہ دی تھی اسلیے مروان عبدالملک آپکے ساتھ تھے کہ آپکی عزت و احترام میں فرق نہ آئے جب حضرت وہاں آکر بیٹھے تو پانی پینے کو طلب کیا۔

قال لھم مسلم لا تشرب من شرابنا فارتعد کفہ ولم یامنہ علی نفسھم و امسک القدح ۔ (ص۲۱۰ جلد ۴ کامل)

یعنی پانی کا پیالہ حضرتؑ نے ہاتھ میں لیا تو مسلم نے کہا ہمارا پانی نہ پیو جس سے حضرتؑ کا ہاتھ کانپنے لگا اور خوف ہوا کہ اب جان کی خیر نہیں ہے پیالہ ہاتھ میں لئے رہ گئے۔

اس کے بعد مسلم نے کہا چونکہ یزید نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آپ سے تعرض نہ کریں لہذا ہم چھوڑ دیتے ہیں آپ

چاہیئے تو پانی پی لیجئے۔

اس کے بعد اپنے بہرے پر بٹھالیا پھر کہا آپ کے اہل و عیال خائف ہونگے لہذا اگر چاہیئے تو تشریف لے جائیے چنانچہ سواری پر زین کسوا کر حضرتؑ کو بہ احترام رخصت کیا اور حضرت دولتسرا پر تشریف لائے۔

جن مقتولین کی فہرست دی گئی ہے اس میں زبیر بن عبد الرحمان بن عوف بھی شامل ہے جو اس واقعۂ حرہ میں مارا گیا مگر اتنا ایمان کہاں تھا کہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ شریک معرکۂ کربلا ہوتا۔

غرض ان واقعات کو دیکھیے اور غور فرمائیے۔ پھر کیونکر اس میں شبہہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی دنیا میں جو فساد ہوا خواہ احراق خانۂ جناب سیدہؑ ہو۔ خواہ قتل جناب امیرؑ۔ خواہ زہر خورانی جناب امام حسنؑ خواہ شہادت جناب امام حسینؑ خواہ قتل و غارت مدینہ و خانہ کعبہ سب کا سہرہ صحابہ کے سر ہے جس سے اہل اسلام اس نکبت و فلاکت میں مبتلا ہیں کہ تمام جہان میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور جب تک حق کی طرف رجوع نہ کریں گے اس میں مبتلا رہیں گے اسی لئے حضرتؐ نے تمامی اہل دنیا کو اسکی بشارت دی ہے کہ بارھویں امام حضرت مہدی علیہ السلام کا جب ظہور ہوگا تو یہ سب فسادات مٹیں گے اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہر طرف نظر آئیگا۔

واخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین محمد و الہ الطاہرین علیہم السلام من یومنا ھذا الی یوم الدین۔

نوٹ:۔ اگر خدا نے توفیق دی تو اسکے بعد ایسے ایسے صحابہ کے حالات ظاہر ہونگے کہ کمتر لوگوں نے سنے ہوں گے امید کہ مومنین دعا فرمائینگے۔ والسلام

تـــــــمام

تشکر و امتنان

جناب مستطاب مولانا محمد موسیٰ صاحب قبلہ صدر الافاضل ابن جناب ملا محمد باقر صاحب مرحوم بانی انجمن مبلغین الذاکرین بمبئی اور مومنین افریقہ لائق صد تشکر و امتنان ہیں کہ محض انھیں حضرات کی توجہ و عنایت سے کتاب الآل و الاصحاب حصہ دوم مکمل شائع ہو سکی۔

جناب محمد علی راشد علی دینا پریسیڈنٹ خوجہ اثنا عشری جماعت لنڈی نے ۵۰ شلنگ (۲) مسٹر عبد الرسول حاجی جمعہ نے ۵۰ شلنگ (۳) جناب اکبر علی صاحب مالک جمہوری ہوٹل نے ۵۰ شلنگ (۴) جناب یوسف علی عبد اللہ پیر محمد نے ۵۰ شلنگ (۵) جناب تقی علی صاحب نے ۲۵ شلنگ (۶) جناب احمد بھائی بندہ علی نے ۱۵۰ شلنگ (۷) جناب غلام عباس صاحب نے برائے ایصال ثواب والدین ۵۰ شلنگ (۸) جناب رمضان علی دھن جی نے ۱۵۰ شلنگ (۹) جناب قاسم علی مولو دینا نے ۲۵ شلنگ (۱۰) جناب پیار علی حاجی اسماعیل نے ۱۵۰ شلنگ (۱۱) جناب رجب علی گانگ جی نے ۲۵ شلنگ (۱۲) جناب محمد حسین حبیب صاحب نے ۵۰ شلنگ (۱۳) جناب قاسم علی فدا حسین مرفانی نے ۵۰ شلنگ (۱۴) جناب حسن علی ماسی والے نے ۲۰ شلنگ (۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸) ٹوماما کے چار مومنین نے بذریعہ پیار علی حاجی اسماعیل ۷۰ شلنگ (۱۹) جناب حسن علی بھاٹے ۲۰۰ شلنگ (۲۰) جناب حیدر علی عبد الحسین ھنگو نے ۳۷/۱ شلنگ (۲۱) جناب اشرف بھائی جان محمد ھنگو نے ۲۵ شلنگ (۲۲) جناب احمد خاکی صاحب ھنگو نے ۲۵ شلنگ (۲۳) جناب حاجی حسن علی مہدی برادران ھنگو نے ۱۲/۱ شلنگ مرحمت فرمائے۔

فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء۔

